(مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی)

موضوع

اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش فکرِ اقبال کی روشنی میں
ایک تحقیقی مطالعہ

نگران	مقالہ نگار
پروفیسر بشیر احمد نحویؔ	شبینہ شبیر

اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی کشمیر یونیورسٹی سرینگر

جولائی ۲۰۱۵ء

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

﴿باب اوّل﴾

اسلامی اور غیر اسلامی تہذیبوں کا ایک تعارف

تہذیب وتمدن یا ثقافت جسے انگریزی زبان میں Civilizationاور Culture کہتے ہیں اپنے اندر وسیع معنی رکھتے ہیں۔ انسان ابتدائے آفرینش سے ترقی کرتے کرتے اپنے اندر اور باہر زمانے کے تقاضوں کے تحت بدلتا رہا اور اسی رفتار سے تہذیب وتمدن آگے بڑھتا رہا۔ ماہرینِ عمرانیات (Sociolgists)ماہرین اقتصادیات(Ecnomists)اور ماہرین علوم وفلسفہ (Philosophers)کے یہاں تہذیب وتمدن کے متعلق الگ الگ تشریحات وتعبیرات نظر آتی ہیں۔غرض ہر طبقۂ فکر نے تہذیب وثقافت کو اپنی اپنی ضروریات اور اپنے زمانے میں درپیش مسائل کے مطابق نئی نئی تعبیرات کی ہیں اس طرح مذکورہ بالا الفاظ کے اصطلاحی معنی میں اہل علم کے یہاں چند اختلافات پائے جاتے ہیں۔

عام طور پر کسی گروہ یا فرد کی اکتسابی اہلیت یا قابلیت جس کے ذریعے وہ عموماً جمالیاتی (Aesthetic)اور ذہنی ذوق کی شناخت اور تسکین پاتا ہے ۔ ثقافت یا تہذیب کی تعریف میں آتا ہے ۔تعلیم اور تربیت کے ذریعے فہم وادراک اور شائستگی پیدا ہونا بھی اسی کی تعریف میں شامل ہے اس طرح مجموعی طور پر انسانی رویہ اور اس کے فکری نتائج اور عملی برتاو انسانی تہذیب وثقافت کہلاتی ہے۔

انسایکلو پیڈیا آف برٹینکا میں اس اصطلاح کے متعلق یوں تذکرہ ہے۔

''ثقافت ......ایک ایسا مرکب مجموعہ ہے جس میں علم، عقائد،فن،اخلاق،قانون،روایات اورایسی انسانی قابلیت اور عادات شامل ہیں جوایک انسانی معاشرہ کا رکن ہونے کی حیثیت سے حاصل کرتا ہے۔''[1]

تہذیب کسی قوم یا معاشرے کی اجتماعی زندگی کا نام ہے انگریزی میں اس کا مترادف لفظ(Civilization)[2] ہے۔

بعض مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ ثقافت یا تہذیب کی اصطلاح عمومی طور پر ایک تہذیب کے دانشمندانہ پہلو(Intellectual Aspect)سے وابستہ ہے۔

سیدعبدالباری تہذیب وثقافت کے بارے میں یوں اپنا اظہارخیال کرتے ہیں۔

''تہذیب اقدار کے شعور اور منظّم اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ انسان نے جب اس زمین پر قدم رکھا اور اس کا ابنائے جنس سے ربطہ وتعامل ہوا تو مدنی زندگی کا خودبخود آغاز ہوا اور مدنی زندگی کی ایک فطری وبنیادی ضرورت بن کرتہذیب وجود میں آئی۔''[3]

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے اس کا لغوی معنی عیوب سے پاک کرنا،کسی شے

کا بنانا سنوارنا، اخلاق وعادات کا پاکیزہ کرنا، درخت کی شاخ تراشی کرنا۔اصطلاح میں تہذیب کسی قوم کی اجتماعی زندگی کا وہ نقشہ ہے جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کرے،بعض لوگ ثقافت سے سماجی اِداروں کے وہ اثرات مراد لیتے ہیں جو انفرادی وشخصی نشونما پر پڑتے ہیں یا ان کے مختلف النوع اظہار میں پائے جاتے ہیں کیونکہ ہر قوم یا معاشرے کی ایک انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں اس تہذیب کی بعض خصوصیات دوسری تہذیبوں سے ملتی جلتی ہیں لیکن بعض ایسی انفرادی خصوصیتیں ہوتی ہیں جو ایک قوم کی تہذیب کو دوسری تہذیبوں سے الگ اور ممتاز کرتی ہیں۔ دنیا کی ہر ایک تہذیب اپنی انفرادی خصوصیتوں سے پہنچانی جاتی ہے۔

معروف اردو محقق محمد حسن ایک رسالے میں تہذیب کے متعلق یوں رقمطراز ہیں کہ

> ''تہذیب نام ہے اقدار وتصورات کا ،سماجی اداروں کا، معاشرے کے رہن سہن اور رسم ورواج کا لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی محض معاشرے کوتہذیب سمجھ لیا جاتا ہے کبھی محض رہن سہن اور نشست و برخاست کوتہذیب سمجھ لیا جاتا ہے۔تہذیب کی تعریف بہت ہوتی رہی ہے۔انسان کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تہذیب انسان کے گردو پیش کی زندگی گذرانے کے لئے اپنے سانچے میں ڈھالتی ہے اور

اصول وضوابط بناتی ہے اور ادارے قائم کرتی ہے جو اقدارِ
حیات کا پیکر ہوتے ہیں یا تہذیب نام ہے زندگی کرنے کی
جدوجہد کے عمل کے دوران ڈھلنے والے افکار واقدار اور
اعمال کا۔'' [۴]

تہذیب وتمدن یا ثقافت ایک تغیر پذیر اور فعّال حقیقت ہے بقول علامہ اقبال:

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو بدستور جاری ہے، کیونکہ انسانی تہذیب کوئی ساکت شے نہیں ہے جو ایک ہی مقام پر مستقل ٹھہرتی رہتی ہو۔ تہذیب ایک بہتے اور آگے بڑھتے ہوئے دریا کے مانند ہے۔ اس لئے رسم ورواج، رہن سہن، عقائد وعادات، فکروفن، آلات واوزار میں وقتاً فوقتاً نمایاں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

پاکستان کے ایک معرف محقق سبطِ حسن تہذیب کے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

''کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے
نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی
اور طرزِ فکر واحساس کا جوہر ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان،
آلات واوزار، پیداوار کے طریقے اور سماجی رشتے، رہن

سخن ، فنونِ لطیفہ ،علم وادب، فلسفہ وحکمت ،عقائد وافسوں،اخلاق وعادات،رسوم وروایات عشق ومحبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔''[۵]

تہذیب اور انسان کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔انسان کے بغیر تہذیب کا وجود ممکن نہیں اور نہ تہذیب کے بغیر انسان،انسان کہلانے کا مستحق ہے۔

انگریزی زبان میں تہذیب کے لئے''کلچر''(Culture)[۶] کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جس کے معنی تہذیب وتمدن یا ذہنی تربیت ہے۔

اُردو،عربی اور فارسی اِن تینوں زبانوں میں''کلچر'' کے لئے تہذیب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں تہذیب کے معنی''پاکیزہ نمودن''[۷]''پاک ودرست کردن واصلاح نمودن'' ہے۔مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ رشید تہذیب یافتہ ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ رشید آداب کو بڑی خوبی سے ادا کرتا ہے۔

تہذیب کا یہ مفہوم حقیقت میں ایران اور ہندوستان کے امرا کی طرزِ زندگی کا اثر ہے کیونکہ ایران اور ہندوستان کے اُمراءآداب مجلس کی پابندی ہی کو تہذیب سمجھتے تھے۔ جب وہ لوگ تہذیب اخلاق کی بات کرتے تھے تو اُن کی مراد نفس یا اخلاق کی

اصلاح ہوتی تھی۔

محققین اُردو نے بھی ''کلچر'' (Culture)اور (Civilization) ''سیولیزیشن'' کو اُلٹ پلٹ کردیا ہے۔لیکن اُس میں اُن کی بھی کوئی خطانہیں ہیں کیونکہ خود بیشتر مغربی دانشوروں کے ذہنوں میں اُس وقت تک''کلچر'' (Culture)اورسیویلیزیشن کا مفہوم واضح نہیں ہوا تھا اِسی لئے تہذیب وتمدن دونوں عام طور پر اُردو میں یکساں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں لیکن بعض موقعوں پر ان کے الگ الگ استعمال سے اُن کے معنوں میں فرق کا احساس بھی ہوتا ہے۔اُردو ادب کے ایک محقق ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان اس کے متعلق یوں اپنا اظہار خیال کرتے ہیں۔

> ''اُردو میں کلچر، ثقافت، تہذیب وتمدن وغیرہ ہم معنی اور مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن دراصل یہ جدا جدا الفاظ ہیں اوران کے معانی بھی معین ومقرر ہیں''[۸]

اس فرق کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم دیکھتے ہیں تو تہذیب انسانی سماج کی ایک خاص درجہ تک ترقی کا نام ہوگا اس ترقی میں صنعت وحرفت، مادی وسائل، معاشرتی وسماجی زندگی، تہذیب اور علوم وفنون کے علاوہ سب سے بڑھ کر شہری زندگی کا قیام اوراس کی مرکزی حیثیت شامل ہیں۔اس طرح تہذیب کی اصطلاح سماج کے سبھی پہلوؤں پر محیط اوراس کی زندگی کے تمام تر متعلقات پر حادی ہوگی۔

پروفیسر انور رومان تہذیب وثقافت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''تہذیب وتمدن بذاتہٖ غیر مرئی اور غیر مجسم چیز ہے، اسے ہم کسی ٹھوس شے کی طرح نہ پکڑ سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ ہم اسے صرف مختلف مثالوں ، نمونوں ، علامتوں اور مظاہروں کے ذریعے ہی واضح کر سکتے ہیں۔اس کا اظہار وادراک، علمی وفنی تخلیقات، ادبی نگارشات، اخلاقِ عامہ، روزمرہ زندگی کے اسالیب کار اور مختلف کلوں، آلات اور مشینوں کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے، لیکن شاید اس کا بھر پور اظہار علوم وفنون سے بھی زیادہ اس قوم کے افراد ہی میں ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔فرد فنا پذیر ہے اور بمقابلہ جماعت کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن جماعت افراد ہی کا مجموعہ ہے......لہٰذا کسی قوم کے تہذیب وتمدن کی مرئیات میں فرد اور افراد اہم ترین حیثیت رکھتے ہیں۔''[9]

تہذیب کا دائرہ بہت وسیع اور تمدن کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے۔تہذیب کی ہمہ گیر اصطلاح بہ نسبت تمدن انسانوں کی اخلاقی، روحانی، ذہنی اور فنی صلاحیتوں کے استعمال نیز جمالیاتی ذوق کے اظہار کے ساتھ زیادہ وسیع معلوم ہوتی ہے۔کسی سماج یا

معاشرے کے تجارتی تعلقات، مادی وسائل، معاشی وتکنیکی ترقی، سیاسی وفوجی زندگی سے تمدن کا تعلق کم محسوس ہوتا ہے۔ ہر انسانی سماج کا ایک تمدن ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ابتدائی درجہ کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہر انسان اپنا ایک ذہن اور جذبات واحساسات رکھتا ہے تہذیب صرف انسانوں کے ایک خاص درجہ تک مادی، تکنیکی، معاشی وتنظیمی اعتبار سے ترقی پانے کے بعد ہی تشکیل پاتی ہے اور اس کا سب سے نمایاں اور اہم اظہار شہری زندگی کے قیام میں ہوتا ہے۔ دوسری طرف تہذیب کے اندر نہ صرف یہ کہ تمدنی زندگی کے تمام مظہر شامل ہیں بلکہ کبھی کبھی ایک تہذیب کے اندر کئی تمدن بھی ہو سکتے ہیں جیسے عوام کا تمدن، طبقۂ اعلیٰ کا تمدن اور کسی خاص علاقے کا تمدن وغیرہ۔ جبکہ تمدن کی بنیادی اور اہم شرط صرف اور صرف شہری زندگی ہے۔ تمدن اُس وقت وجود میں آتا ہے جب شہر آباد ہوتے ہیں۔ حقیقت میں تمدن نام ہی ان رشتوں کی تنظیم کا ہے جو شہری زندگی اپنے ساتھ لاتی ہے۔ خواہ یہ تنظیم انسان کے آپسی رشتوں سے تعلق رکھتی ہو یا انسان اور مادّی چیزوں کے باہمی ربطہ سے وابستہ ہو۔ یہی تنظیم آگے چل کر ریاستی نظام کی اساس بنتی ہے۔ فنِ تحریر کا وجود بھی تمدن ہی کا مظہر ہے کیونکہ وہ معاشرہ جو فنِ تحریر سے ناواقف ہو مہذب کہا جا سکتا ہے لیکن متمدن نہیں کہا جا سکتا۔

یوں تو قدیم زمانے سے ہی شہر ہر جگہ دیہات ہی کی ترقی یافتہ شکل ہوتے تھے لیکن شہر اور دیہات میں نمایاں فرق کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اِن دونوں کے سماجی تقاضے اور ترکیبی عناصر جُدا جُدا ہوتے تھے نیز ان کے ماحول ومشاغل میں بھی آسمان وزمین کا فرق ہوتا ہے۔

شہر انسانی ہنرمندی کا شاہکار ہے۔شہر میں انسان کی تخلیقی صلاحیت نئے رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔شہر علم وحکمت کا،صنعت وحرفت کا،تجارت کا، سیاست کا مرکز ہوتا ہے۔شہر انسان کے عقل وشعور کا اُفق وسیع کرتا ہے اُسے جینے کے سلیقے اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کے طریقے سکھاتا ہے۔قدیم زمانے میں شہر تجارتی مرکز ہوتے تھے یا مذہبی زیارت گاہیں یا دونوں۔یا شہر اُس جگہ وجود میں آتا تھا جو کوئی اہم گذرگاہ ہوتی تھی۔

وادیٔ دجلہ وفرات کے اکثر پرانے شہر اِسی طریقے میں وجود میں آئے تھے۔ وہاں کے مندروں کے کاروبار کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سُمیر میں اب تک مِٹی کی جتنی لوحیں کھدائی میں نکلی ہیں اُن میں سے بیشتر لوحیں مندروں کے حساب کتاب سے متعلق ہیں۔

قدیم قبائلی کلچر آگے بڑھ کر شہری تہذیبوں میں بدل گئے۔ یہ شہری تہذیبیں بڑے دریاروں کی وادیوں سے متعلق تھیں مغربی ایشیاء، مشرقی افریقہ اور جنوب

مغربی ایشیاء یہ تین اہم تہذیبیں ہیں جنھوں نے بعد کی تہذیبوں پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے۔

انسانی تہذیب میں جگہ جگہ مماثلیتں اور مشابہتیں ملتی ہیں۔اور جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ رنگوں کا اختلاف بھی ہے،نسلوں کا بھی،زبانوں کا بھی ذہنوں کا بھی اور زندگیوں کا بھی اور یہ فطرت کی دین بھی ہے۔

تہذیب ایک ہمہ گیر اصطلاح ہے جو سماج یا معاشرے کے تمام پہلوؤں کو محیط اور اس کی زندگی کے تمام تر متعلقات اور سبھی شعبوں پر حاوی ہو گئی ہیں جیسے سمیری تہذیب ،مصری تہذیب ،ایرانی تہذیب ،فونیقی تہذیب ،وادی سندھ کی تہذیب ، اسلامی تہذیب مغربی تہذیب وغیرہ یہ الفاظ انہیں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

سُمیری تہذیب:۔

شہر اُر عراق کا ایک معروف شہر رہا ہے سمیرین کلچر اسی شہر اُر سے تعلق رکھتا تھا۔سمیرین کلچر کے بعد اور بھی دو تہذیبیں وجود میں آئی جو نینوائی اور بابلی تہذیبیں کہلاتی ہیں یہ تہذیبیں بھی شہروں سے تعلق رکھتی ہیں موہن جو داڑو ایک شہر ہی ☆ تھا جس کے آثار باقیہ جوئیٔ تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں وہ بھی ایک ترقی یافتہ تہذیب کی عکاسی کرتی ہیں۔

☆ موہن جو داڑو:۔وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب سے تعلق رکھنے والا ایک شہر ہے۔

حضرت ابراہیمؑ ☆ کا تعلق شہر اُر کے آس پاس کسی بستی سے تھا اور ان سے بھی پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر آیا ہے حضرت نوح کے زمانے میں ایک عظیم طوفان آیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ طوفان سمندر سے نہیں بلکہ زمین سے اُبلا تھا اور پھر تمام سطح زمین پر پھیل گیا تھا۔ حتیٰ کہ لمبے لمبے درخت اور اونچے اونچے پہاڑ بھی ڈوب گئے، نتیجہ یہ ہوا کوئی انسان کیا معنی کوئی جاندار بھی نہ بچ سکا بجز ان انسانوں اور جانوروں کے جنہیں حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی میں سوا کر لیا تھا۔ اسلئے تمام انسانوں، حیوانوں، چرندوں اور پرندوں کو حضرت نوحؑ کا بڑا احترام رہا ہے

قدیم اقوام میں قربانی کا رواج رہا ہے لیکن حضرت نوحؑ کے زمانے میں قربانی کا ذکر نہیں آتا۔ اُس وقت کی دنیا سمٹی ہوئی دنیا تھی اور کسی بھی قبیلے یا آبادی کے لئے اُس کی اپنی بستی اس کی اپنی وادی یا اس کا اپنا شہر ہی بڑی حد تک اس کی اپنی دنیا تھی چراگاہوں کی تلاش میں وہ اُدھر اِدھر جاتا تھا شہر اُر اور اس کے آس پاس علاقے کی یہی تہذیب تھی۔

حضرت نوحؑ کے واقعات میں عورتوں کا ذکر نہیں ملتا لیکن بیٹے کا ذکر ہے جو اپنے باپ سے ذہنی وفاداری کا رشتہ نہیں رکھتا اس لئے وہ طوفان میں ڈوب گیا اور سزا کا مستحق قرار پایا۔

☆ حضرت ابراہیمؑ:۔ ایک مشہور پیغمبر کا نام جن کا ذکر قدیم صحیفوں اور بعد ازاں انجیل و قرآن پاک میں آیا ہے۔

حضرت لوطؑ ☆ جو حضرت ابراہیمؑ سے قریبی رشتہ رکھنے والے پیغمبر ہیں اُن کی بیوی کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر کی نافرمانی کی۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کنعان کا واقعہ ہو یا حضرت لوطؑ کی بیوی کا دونوں سے اُن شہری رویوں کا پتہ چلتا ہے۔

دنیا کی ہر ایک چیز عارضی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآءِقَةُ الْمَوْتِ ط [10]

ترجمہ:۔ ''ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔''

سورج چاند ستارے یہ سبھی تاریکیوں میں چھُپ جاتے ہیں تو پھر سورج کو کیسے خدا مانا جا سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہی سوچا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سمیری سورج کو خدائی قوتوں کی ایک روشن و تابناک علامت تصور کرتے تھے۔ ایسا انھوں نے ہی نہیں کیا دنیا کی اور بھی بہت سی قوموں نے سورج کو تخلیقی قوت کا سر چشمہ تصور کیا ہے۔ اور یہی سمجھ کر تو اُس کی پوجا ہوتی رہی۔ اس کے مندر بنائے گئے اور اس کے اصنام تراشے گئے۔ حضرت ابراہیم نے اس کے مقابلے میں ان دیکھے خدا کا تصور پیش کیا اسے قدیم سُمیری تہذیب میں ایک نئی فکری نمود کہا جا سکتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے وابستہ کئی روایتیں ہیں اور اِن مقدس روایتوں سے

☆ حضرت لوطؑ:۔ ایک پیغمبر کا نام جو حضرت ابراہیمؑ کا بھتیجا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ انکی قوم نے بُت بنائے تھے اور اُن کو الوہی صفات سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی۔ آذر ☆ ایک بت تراش تھے بُت تراشی کا فن دوسری قدیم قوموں میں بھی کسی نہ کسی طریقے سے رائج رہا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ دو تین مشہور واقعے وابستہ ہیں ایک بتوں کو توڑنا۔ دوسرے دو عورتوں سے شادی کرنا۔ جس میں ایک عورت پہلے سے ہی اُن کی زندگی میں داخل تھی۔ تو پہلی بیوی قدرت کے اس انعام کو مسرّت اور شکرگذاری کے ساتھ قبول نہیں کرتی بلکہ اس کے بعد یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی اس نئی بیوی اور قدیم بیوی کے ساتھ ہم خانہ رہیں اسی لئے وہ اپنی نئی بیوی اور بچے کو ایک وادی غیر ذی ذرع میں چھوڑ جاتے ہیں اور پھر کبھی اسے واپس نہیں لے جاتے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اُس معاشرے میں بعد کی بیوی کے مقابلے میں پہلی بیوی کی حیثیت بنیادی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی عزیز ترین شے کی قربانی دے رہے ہیں ایک بار انھوں نے ایک طرح کی قربانی پیش کی دوبارہ دوسری طرح کی اور پھر تیسری بار غیب سے اشارہ پا کر اپنے بیٹے اسمٰعیل کی قربانی پیش کرنے کا عزّم کیا۔ بیٹے کی قربانی کے جذبے کو خدا نے پسند کیا۔ اور اس کی جگہ ایک دنبہ بھیج دیا۔ قدیم

☆ آذر:۔ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تھے یا چچا اس کے بارے میں تحقیق سے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

زمانے میں کئی قوموں میں انسانی قربانی رائج تھی اور کئی تہذیبوں میں بادشاہ کو ہی قربان کیا جاتا تھا (افزائشِ نسل وفصل کے لئے) اگر ہم تہذیبوں کی تاریخ کے نقطۂ نظر سے غور کریں تو گویا خدائی حکم اور منشا کے تحت انسانی قربانی بند کردی گئی اور جانوروں کی قربانی رائج رہی جسے اب بھی سامی ☆ مذاہب میں حضرت ابراہیمؑ کی سُنت کہا جاتا ہے۔اس واقعہ کوقرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

گویا یہاں سمیری تہذیب ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف رجوع کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں اوراُن کے ذہن میں نئے گوشئے اُبھر رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ سے متعلق ایک واقعہ نہایت ہی اہم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو سزا کے طور پرآگ میں ڈال دیا گیا۔کیونکہ وہ وقت کی خدائی کو ماننے سے انکار کرتے تھے۔مگر خدا کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہوگئی اوراُس نے حضرت ابراہیمؑ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔علامہ اقبال نے مسلمانوں میں ایمان کا نور پیدا ہونے کے لئے جواب شکوہ میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے ؂

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

☆ سامی:۔سام حضرت نوحؑ کے بیٹے کا نام تھا اسی کی مناسبت سے مسلمانوں کو سامی کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں اس واقعے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ

قُلۡنَا یٰنَا رُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰماً عَلیٰٓ اِ بۡراھِیمo [11]

ترجمہ:۔ ''ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور حضرت ابراہیم کو ہر طرح سے سلامت رکھ''۔

آگ سے متعلق تصورات کا یہ ایک دوسرا رُخ ہے۔شاید اسی واقعہ کا یہ اثر بھی تھا کہ بنی اسرائیل ☆ ایک زمانے تک آگ کو مقدس تصور کرتے رہے اس اعتبار سے سمیری تہذیب بت تراشی اور بت پرستی کی روایت کو بھی دُہراتی ہے اور قدیم تہذیبوں میں اس کے تسلسل کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

آگ سے متعلق تصورات کا ایک تیسرا رُخ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے وادیٔ ایمن میں اپنی بیوی کو چھوڑا تو وہ آگ کی تلاش میں نکلے تو ایک درخت پر آپؑ نے آگ دیکھی۔

سمیری بڑے جفاکش، ذہین اور ہنر مند تھے انہوں نے بستیاں آباد کیں اور کاشتکاری کرنے لگے چنانچہ دنیا کی پہلی نہر سُمیر ہی میں کھودی گئی تھی۔

اہل سُمیر کی خوراک کھجور اور جو کی روٹی تھی۔اپنی فاضل پیداوار کو وہ قُرب وجوار کے ملکوں کو برآمد کرتے تھے اور اس کے عوض، تانبہ، چاندی، لکڑی اور دوسری

☆ بنی اسرائیل:۔حضرت یعقوبؑ کی نسل

چیزیں درآمد کرتے تھے۔

یہ لوگ گائے، بیل، بھیڑ اور بکریاں پالتے تھے مچھلی کا شکار کرتے تھے اور گوشت کھاتے تھے یہ لوگ جو کی شراب بنانے میں ماہر تھے اور اُسے حقہ نُما برتن میں بھر کر نلکیوں سے پیتے تھے۔ کچی اینٹوں کے یک منزلہ اور دو منزلہ مکانوں میں یہ لوگ رہتے تھے۔

سُمیری تہذیب کا سب سے عظیم تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے شہر بسائے، شہری ریاستیں قائم کئیں اور تحریر کا فن ایجاد کیا۔ اور فن تحریر کی ایجاد ایک اہم ایجاد تھی جو ہمارے خیالات، تجربات اور واقعات کو زندہ رکھتی ہیں۔ پاکستان کے ایک معروف محقق سبطِ حسن اُن کے اس کارنامے کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ

> ''علماء آثار کی تحقیق شاہد ہے کہ تحریر کا فن سب سے پہلے دجلہ وفرات کی وادی ہی میں وضع ہوا۔ گو مصریوں اور پھر فونیقیوں نے بھی یہ ہُنر جلد ہی سیکھ لیا لیکن اولیت کا شرف بہر حال عراقیوں ہی کو حاصل ہے۔ اور اگر اُن لوگوں نے بنی نوع انسان کو علم اور معرفت کا کوئی اور تحفہ عطا نہ کیا ہوتا، تب بھی ان کا یہ کارنامہ ایسا ہے جسے ہم فراموش نہیں

کر سکتے۔"[۱۲]

وادیٔ دجلہ وفرات کی تہذیب درحقیقت عبارت ہے سُمیری تہذیب سے، کیونکہ وادی کے باشندوں نے اہلِ سُمیر سے صرف لکھنے پڑھنے کا فن ہی نہیں سیکھا بلکہ اُن کے دوسرے ہنر بھی اختیار کر لئے۔ اُن کے رہن سہن اور نظم ونسق کے طریقوں کو بھی اپنا لیا۔ فنِ تحریر کی افادیت جب سومیر کے دوسرے شہروں پر آشکار ہوئی تو انھوں نے بھی فنِ تحریر کو اپنا لیا، اور رفتہ رفتہ یہ فن پوری وادی میں رائج ہو گیا۔

سُمیری تہذیب آگے بڑھ کر جب بابلی اور نینوائی تہذیبوں میں بدلتا ہے تو شہری تہذیبیں نیا رُخ موڑ لیتی ہیں یہاں کے بادشاہ اپنے آپ کو الوہیت کا مظہر کہتے تھے وہ خود کو سورج یا چاند کی اولاد کہتے تھے اور آسمانی خدا کو خالقِ کُل نہیں مانتے تھے۔

نینوا شمالی عراق کا ایک قدیم تہذیبی شہر ہے۔ جس کے کھنڈرات ہنوز اس شہری تہذیب کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ اس کا ایک تصوّر جو تصویر کی شکل میں سامنے آتا ہے وہ بیل ہے جس کو انگریزی میں (Bull of Nanvas) کہتے ہیں۔ بیل زراعت اور زرخیزی کا (Symbol) مانا جاتا تھا اس لئے اس کی پوجا کی جاتی تھی اور کئی قدیم قوموں میں بیل (بعل) کو مقدس تصوّر کیا جاتا تھا یہاں تک کہ عرب تمدن تک اس کے اثرات پڑے۔

سُمیری تہذیب میں ایک ایسی دیوی کا تصوّر بھی ملتا ہے جو شکتی یا قوتِ تخیل کی

نمائندہ دیوی تھی اس کے ہاتھوں میں سانپ لپٹے ہوئے تھے سانپ قدیم تہذیبوں میں طاقت کا Symbol تھا۔

سمیری تہذیب جو طویل مدّت تک پھیلی ہوئی تہذیب تھی اس نے نہ صرف اپنے اِردگرد کے علاقوں کو تمدّنی اعتبار سے سیراب کیا بلکہ عالمی تہذیب کو بھی مالا مال کیا ہے۔اس کے اثرات دوسری تہذیبوں میں بڑی حد تک گُھل مل ہو کر آج تک کئی چیزوں میں نمایاں محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

مِصری تہذیب:۔

مصری تہذیب ایک قدیم اور عظیم الشان تہذیب تھی ۔جس کی انفرادیت متعدد خوبیوں سے ظاہر ہے۔اس تہذیب کے بارے میں پاکستان کے ایک معروف محقق سبطِ حسن یوں رقمطراز ہیں۔

> ''عراق کے مانند مصری تہذیب بھی بہت پرانی ہے اس تہذیب کا آفتابِ اقبال تقریباً تین ہزار سال تک بڑی آب وتاب سے روشن رہا۔اور اس کے کارنامے ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بنے رہے''۔ [۱۳]

شہری تہذیب وتمدن کے میدان میں اولیت کا شرف سمیری اور بابلی تہذیب کو

ہی دیا جاتا ہے کیونکہ اُن کی نمایاں خصوصیات فنِ تحریر کی ایجاد اور شہری زندگی ہے، لیکن مصری تہذیب نے علمِ ہندسہ (جومیٹری) طِب ، مصّوری اور سب سے بڑھ کر فنِ تعمیر اور مجسمہ سازی میں جو کمال کیا وہ قدیم دنیا میں عدیم المثال ہے اور علم طِب میں تو جواب پیدا کرنا آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ایک چیلنج بن کر رہ گیا ہے۔

مصری تہذیب کا سب سے بڑا کارنامہ اس کے وہ مقبرے بھی ہیں جو اہراموں کی صورت میں باقی ہیں۔ وہ عظیم الشان تکونے سنگین ٹیلے جو انسان نے تعمیر کئے اور اتنی بلندی تک بھاری بھر کم چٹانوں جیسے پتھروں کو پہنچایا جس کو دیکھ کر آج بھی انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

ان تکونوں کے نیچے جنہیں اہرام کہتے ہیں فراعنہ مصر کی ممیاں ہیں جو مصریوں کے فنکارانہ صلاحیت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں ۔ یہ فن صرف مصریوں کو آتا تھا کہ وہ مردہ اجسام کو کیمیاوی عمل کے ذریعے محفوظ رکھنے کا فن جانتے تھے جو آج کے دور تک بھی کسی ملک کو نہیں آتا ہے۔ کیونکہ یہ راز ان ہی ممیوں کے ساتھ دفن ہو گیا۔

قدیم مصری جسم کو اس طرح کیمیاوی عمل سے گذارتے تھے کہ پھر ہڈیاں ، گوشت، جلد یہاں تک کہ پورا جسم اور بال بھی محفوظ رہتے تھے۔

قدیم مصری آفتاب پرست یا Sun worshiper بھی تھے اور وہاں کے فراعنہ اپنے آپ کو اس خدائی قوت کا مظہر کہتے تھے ۔ یہ بات قدیم شہنشاہیت کے

رویہ کی صورت میں بہت سی اقوام میں موجود تھی ۔ کیونکہ قومیں ایک دوسرے سے ہمیشہ اثر پذیر رہی ہیں ۔

قدیم مصری عظیم الشان بت بنانے کی بھی صلاحیت رکھتے تھے ۔ قدیم مصریوں کی تصویری ایجاد میں اُس تصویری خط کی بھی اپنی اہمیت ہے جو ہیروغیلفی کہلاتا ہے ۔ اس میں حروف نہیں تصویریں ہوتی تھیں اور ایک تصویر مکمل جملے کا حق ادا کرتی تھی ۔ یہی تحریر کی ابتدائی شکل تھی ۔

قدیم مصری تہذیب میں کاہنوں کا غلبہ نظر آتا ہے جس طرح ہندوستان میں برہمنوں نے عروج حاصل کیا اور دولت سمیٹی ۔ مصر کے ادارۂ کہانت اور اس کے بڑے پروہتوں کے پاس غلہ اور دوسری خوردنی اشیاء کی بڑی فروانی ہوتی تھی اس میں سوکھی ہوئی مچھلیاں بھی شامل تھیں ۔

دولت کا جمع کرنا اور دیوتاؤں کے نام پر مذہبی اداروں کی ثروت میں اضافہ کا سبب تھا ۔ قدیم تہذیب کا یہ ایک عمومی رویہ تھا کہ بڑے کاہن بادشاہوں کو بھی اپنے حلقۂ اثر میں رکھنا چاہتے تھے ۔

مصری کلچر میں حکومت سمیری اور بابلی تہذیب سے الگ تھی ۔ سیاسی اتحاد اور اس پر حکمران خاندانوں کے سلسلے سے پہلے سمیری بابل کے علاقے میں ایک مدّت سے شہری ریاستیں قائم تھیں ۔ یہ ریاستیں اپنی ایک ایسی واضح شکل اختیار کر چکی تھیں

جس نے سیاسی اتحاد کے ظاہری پردے کے پیچھے اِن کی انفرادیت کو بدستور قائم رکھا۔اس کے برخلاف مصر کے سیاسی اتحاد کے بعد تمام ملک مکمل طور پر ایک مرکزی حکومت کے تابع ہو گیا۔جس میں پہلے کے خود مختار ٹکڑوں کا نشان محض انتظامی حصّوں کے طور پر باقی رہ گیا۔ پھر جب کہ سیاسی اتحاد کے بعد بھی سمیر و بابل میں مختلف شہر بدستور اپنے اپنے دیوتاوں کی ملکیت باقی رہے جن کو تمام سمیری تسلیم کرتے تھے۔جبکہ مصر میں پورا ملک صرف ایک دیوتا کی ملکیتِ قرار پایا جو کہ اس ملک کا انسانی حاکم فرعون تھا۔

پورے ملک کا مالک دیوتا ہونے کے ناطے نہ صرف اس کی تمام زمین معدنیات، وسائل آمدنی، دستکاریاں اوراس کے ذرائع ،فرعون کی ملکیت تھے۔ بلکہ وہاں کے تمام باشندے بھی اس کے بندے اور غلام تھے۔

مصری کلچر کے فنکاروں، دستکاروں اور پیشہ وروں کے کمالات دیکھ کر آج بھی دنیا دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ نسلاً بعد نسلٍ ایک جاتی کی صورت میں اپنے پیشے سے بندھے ہوتے تھے۔ وہ نہ تو اپنے فنکارانہ نمونے بازار میں فروخت کر سکتے تھے اور نہ فرعون سے متعلق لوگوں کے علاوہ کسی اور کا کام کر سکتے تھے۔ایسی صورت میں جبکہ تمام چیزیں سرکاری اجارہ داری کے ماتحت ہوں ملک میں کسی بڑے پیمانے پر تجارت کی گرم بازاری مشکل تھی،اسی وجہ سے قدیم مصر میں باحیثیت یا با اختیار تاجر

طبقہ ناپید تھا۔ ملک کی پوری بیرونی تجارت بھی فرعون کی اجارہ داری تھی جس کو وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے بروئے کار لاتا تھا۔

سمیری بابلی تہذیب کے وطن جنوبی عراق کی طرح مصر کی سرزمین غلّے کے لئے انتہائی زرخیز ہونے کے باوجود بھی دھاتوں اور دستکاروں کے لئے درکار خام مال سے عاری تھی۔ جبکہ تمدنی ترقی کے ساتھ اعلیٰ طبقہ کے بلند معیارِ زندگی، مذہبی رسومات کی مناسب ادائیگی کے لئے مختلف دھاتیں، قیمتی لکڑیاں، ہاتھی دانت، سونا، جواہرات اور خاص طور پر خوشبو اور مصالے جیسی چیزیں ناگزیر تھیں۔ اِن چیزوں کے حصول کے لئے فرعونی حکومت دیگر اعتبار سے اپنے خود کفیل ماحول سے نکل کر، بیرونی تجارت کے لئے مجبور تھی۔ اس مقصد کے لئے قدیم زمانے سے مصر نے جنوب میں سوڈان اور شمال میں ساحلِ شام و فلسطین اور بعد میں یونانیوں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ سوڈان کی کانوں سے نکلنے والے سونے کی بدولت جس کے حصول پر مصری بلا شرکت غیرے قابض تھے، اُن کو اتنی زبردست قوتِ خرید اور معاشی برتری حاصل تھی، کہ ہلال زرخیز کی تمام متمدن قومیں اِن سے تجارت اور اُن کا سونا حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتی تھی۔

مصری تہذیب کو اپنی زرخیز زمین اور پھلتی پھولتی تجارت کی وجہ سے خوشحالی حاصل تھی جو تمدنی ترقی کے لئے بنیادی شرط خیال کی جاتی ہے۔

مصری تہذیب نے فنِ کیمیا گری میں جو کمال حاصل کیا ہے وہ بالکل لاجواب ہے۔ فنِ تعمیر اور مجسمہ سازی کے سینکڑوں اور ہزاروں نمونوں کے علاوہ مصری فنکار کی ہنرمندی، چھوٹی چھوٹی دستکاروں میں بھی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ پٹ سن کے ریشوں سے انتہائی باریک اور نفیس کپڑوں سے لے کر بیش قیمت قالین تک بنائے جاتے تھے۔ وادی نیل کی کپاس اور اس کا ریشہ سوتی کپڑوں کے لئے اب بھی بہت کارآمد اور بہتر خیال کیا جاتا ہے۔

مصری کلچر میں زیورات کے ڈبے، عطر دان جن پر ہاتھی دانت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منبّت کاری کا کمال دکھایا گیا ہے۔ زیورات کی بے شمار قسمیں اور ان کا نفیس اور اعلیٰ درجہ کا کام، سونے چاندی، اور کانسے کے ظروف، مختلف طرح کے آلاتِ موسیقی، یہ سبھی قدیم مصری دستکاروں کے کمال کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔

قدیم مصریوں میں غلاموں کا رواج بھی تھا۔ ایسی بہت سی تصویریں آج بھی موجود ہیں جن میں غلاموں کی بھیڑ کام کرتی ہوئیں نظر آتی ہیں۔ اہرامِ مصر کی تعمیرات میں بھی یہی غلام اور اسیرانِ مصر اپنے دست و بازو کی مشقت سے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن ہی غلاموں کی بدولت آج تک اہرام مصر اپنی آن بان اور شان سے قائم ہیں اُن میں اُن کا خونِ جگر شامل ہے جو آج بھی ساری دنیا کے سامنے عیاں ہے شاید اِن ہی کی وجہ سے قدیم مصر کی عظمت کی شان آج بھی باقی ہے۔ نقش گری

کے قدر شناس علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں۔

؎ نقش ہیں سب ناتمام، خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر

حِتی اور فونیقی تہذیبیں:۔

حِتی آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے قبائل پر مشتمل ایک گروہ تھا۔ جو تیسرے الف ۳۰۰۰ قبل مسیح کے مطابق کیسپین کے پاس اپنے اصل وطن میں مقیم تھے۔ ایک روایت کے مطابق یہ قبیلے بحرِ اسود کے گرد گھوم کر مشرقی یورپ کی طرف سے اناطولیہ میں داخل ہوئے اور دوسری روایت کے مطابق بحرِ کیسپین کے جنوب میں آ کر شمالی ایران سے مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے بالآخر اناطولیہ پہنچے۔ دونوں صورتوں میں اُن کی منزل مقصود اناطولیہ کا وسطی علاقہ ہی ٹھہرا۔

حِتیوں کے اناطولیہ پہنچنے تک وہاں سمیری تہذیب کے اثرات بشمول فنِ تحریر اور سُمیری دیوتا اپنے قدم جما چکے تھے۔ یہ تہذیبی اثرات بنیادی طور پر، دریائے فرات پر مبنی اس تجارتی شاہراہ کے ذریعے پہنچے تھے جو کوہ اِمانوس ولبعنان سے سُمیر کو تعمیری لکڑی کی درآمد کے لئے وقف تھی۔

حتی تہذیب ایک طاقتور تہذیب کے طور پر اُبھر آئی۔ جب حتی کے پہلے حکمراں (مرسلیز اول) نے بابلی حکومت کے پہلے حکمراں کا خاتمہ کر دیا تو اناطولیہ کے مشرقی حصّے پر بھی قبضہ کر لیا۔ اناطولیہ کا مشرقی حصّہ پہاڑی سلسلوں پر مبنی ہے یہ پہاڑی علاقہ مختلف معدنیات اور دھاتوں سے پُر ہے۔ چنانچہ مورخین کا خیال ہے کہ انسان نے سب سے پہلے استعمال میں لائی جانے والی دھات تانبے کو اسی علاقے میں دریافت کیا اور یہی سے کچی دھات سے پگھلا کر صاف کرنے کا طریقہ سیکھا۔ چنانچہ قدیم زمانے سے یہ علاقہ جنوب میں واقع متمدن تہذیبوں کے لئے خام تانبا کی فراہمی کا بڑا ذریعہ رہا۔ اپنے دورِ عروج میں، دھات پر مکمل اجارہ داری اور اس سے متعلق صنعتوں میں دیگر قوموں سے سبقت حتی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت سمجھی جاسکتی ہے۔ اور حتیوں کا ایک نمایاں کارنامہ قانون سازی کے میدان میں معلوم ہوتا ہے۔

حتی تہذیب کی اور ایک خصوصیت کہی جاسکتی ہے کہ مغربی ایشیا میں سب سے پہلے انھوں نے ہی گھوڑوں والے جنگی رتھوں کا استعمال شروع کیا۔ اس کے بعد حتیوں کے زیر اثر اس علاقے کی سبھی قوموں نے اس کو ایک مفید فوجی اختراع کے طور پر اختیار کیا۔ اسلئے ایک عرصہ تک جنگی رتھوں کو فوجی دستوں میں ممتاز ترین مقام حاصل رہا۔ حتی اور فونیقی تہذیبیں سُمیری اور مصری تہذیبوں سے براہِ راست

مستفید تھیں۔

فونیقی تہذیب:۔

فیونیشیا میں سے فونیقی تہذیب کی اصطلاح بنائی گئی ہے۔وادی فلسطین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں افریقہ اور ایشیاء کے برِعظیم ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔وہاں ایک چھوٹی سی خاک نائے تھی جس سے گذر کر مصر، عراق اور قریبی علاقوں کے رہنے والے ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے تھے۔قدیم زمانے سے ہی یہ خاک نائے اِن دونوں براعظموں کو ایک دوسرے سے ملاتی اور اِن الگ الگ خطوں کو جوڑتی تھی۔

فونیقی ایک سامی النسل قوم تھے۔اِن کے آباواجداد دو ہزار آٹھ سو قبل مسیح (۲۸۰۰) کے لگ بھگ خلیج فارس کے علاقے سے ساحلِ شام کے فونیقی علاقے میں منتقل ہوئے تھے۔جہاں انھوں نے ساحل کے کنارے اپنے چھوٹے چھوٹے شہر قائم کر لئے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ خود یہاں کے اپنے شہر مختلف طرح کی دستکاریوں کے مرکز تھے۔نیز مشرق سے آنے والے بری اور بحری تجارتی راستے اِن کے شہروں پر ختم ہوتے تھے۔فونیقی اس طویل عرصے میں پورے عرصے میں پورے مشرقی بحرِ روم کے لئے ارضِ مصر کی اور خود اپنی مصنوعات کی فراہمی کا ذریعہ تھے۔

یہی بین الاقوامی تجارت فونیقیوں کا واحد ذریعہ معاش اور بعد میں اُن کی بااثر منفرد تہذیب کی بنیاد تھی۔ اِن کے یہاں قابل زراعت زمین نہ تھی اِن کے شہر صرف تجارت کے لئے وقف تھے۔ ان کے تاجر مشرقی بحرِ روم کے ہر بازار میں مال بیچتے اور خرید وفروخت کرتے تھے۔

فونیقی تہذیب وتمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اظہار اور سب سے بڑا کارنامہ حروفِ تہجی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے دوسری تہذیبوں میں تصویری رسم الخط کی مختلف شکلیں رائج تھیں لیکن سبھی جگہ اشیاء کے ناموں پر مرکب آوازوں کے نمائندہ ہونے کے علاوہ بہت سی تصویریں یا علامتیں اشیاء کی ترجمانی بھی کرتی تھیں اِن میں مصری تصویری خطہ (ہیروغلیفی) اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ اس کی کچھ علامات مصری زبان کی اپنی خصوصیت کی وجہ سے صرف ایک آواز کو ظاہر کرتی تھیں لیکن مصری اِسی درجے پر ٹھہر کے رہ گئے۔ اُنھوں نے کبھی اس سے آگے بڑھ کر جو علامات مرکّب آوازوں کو ظاہر کرتی تھیں اِن کو توڑ کر ہر آواز کو ایک حرف سے ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن سامی انسل لوگوں کے لئے اِن کی زبانوں کی مخصوص کیفیت کی وجہ سے جس میں ایک مادہ کے تین یا چار حرف مختلف اندرونی تبدیلیوں سے مختلف معنی دیتے تھے۔ مرکب آوازوں اور تصویروں یا علامتوں پر رسم الخط بہت دقتیں پیدا کرتا تھا۔ چنانچہ اٹھارویں صدی سے گیارہویں صدی قبل مسیح تک صحرائے سینا سے شمالی شام

تک مختلف سامی انسل لوگوں نے مصری رسم الخط میں موجود بعض حروفِ تہجی کی مثال سے سبق لے کر کم وبیش کامیابی کے ساتھ اپنی زبان کی مختلف آوازوں کو الگ الگ علامتوں سے ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ گیارہویں صدی قبل مسیح کے قریب فونیقی اپنی زبان کی تمام آوازوں کو بائیس حروفِ تہجی کے ذریعے مکمل طور پر لکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

فونیقیوں نے اپنی تجارت کی بدولت ان حروف تہجی کو دور دور تک پھیلایا۔ اِن سے براہِ راست سیکھنے والوں میں یونانی، یہودی اور آرامی بھی تھے، جو اس میدان میں بہت سی دوسری قوموں کے اُستاد بنے۔

فونیقی تہذیب کا یہ کارنامہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا کہ انھوں نے لکھنے کے فن کو عروج تک پہنچایا جس کی وجہ سے اس فن تک عام لوگوں کی بھی رسائی ہوئی کیونکہ اس سے پہلے یہ ایک مشکل فن تھا جس کو سیکھنے میں بڑی دشواری ہوتی تھی۔ آج لکھنے کا فن جس قدر ترقی پذیر ہے اصل میں اِسی تہذیب کی مرہونِ منت ہے۔

تصویری رسم الخط اپنی کثیر علامتوں اور دوسری دِقتوں کے سبب صرف مذہبی رہنماؤں تک ہی محدود تھا۔ اب حروفِ تہجی کی ایجاد کے بعد جب لکھنے کا فن صرف بائیس (۲۲) علامتوں کو سیکھنے تک محدود اور پڑھنے میں عام فہم ہو گیا تو سماج کے مختلف طبقے بھی اس سے مستفید ہونے لگے۔

فونیقی تہذیب کا دوسرا اہم قدم مشرقی بحیرۂ روم سے آگے بڑھ کر مغربی بحرِ روم کے جزیروں، شمالی افریقہ کے ساحل تک اور خود اسپین کے ساحلوں پر اپنے قدم جمانے کے اظہار میں ہوا۔ اِن ساحلوں پر جہاں فونیقی پہلے معدنیات، خام مواد اور مشرقی مصنوعات کے لئے بازاروں کی تلاش میں پہنچتے تھے رفتہ رفتہ انھوں نے اپنی نو آبادیات قائم کرلیں۔ اِن نو آبادیات کے ذریعے نہ صرف مغربی بحرِ روم کے علاقوں سے معدنیات اور دوسرا خام مال انہوں نے حاصل کیا بلکہ اِن جگہوں پر مشرقی دستکاریوں اور فن کے نمونے پہنچے جس کی وجہ سے میل جول کے ذریعہ یہ علاقے بھی دائرہ تہذیب میں آگئے۔

وادیٔ فلسطین کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ پیغمبرانہ رشد وہدایت کا سلسلہ صدہا سال تک اسی ارضِ مقدس سے وابستہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حضرت یعقوب تھے۔ حضرت یعقوبؑ ہی کے بیٹے حضرت یوسفؑ ہیں جن کے بارے میں روایت ہے کہ بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینک دیا تھا اور اسی کنویں سے نکال کر کسی تاجر نے انھیں غلام کی حیثیت سے مصر میں لے جا کر فروخت کر دیا۔ حضرت یوسفؑ کے واقعہ میں بھائیوں کا کردار اس معنی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ قدیم معاشرے میں بھی بھائی بھائی کا رشتہ مخلصانہ نہ ہوا کرتا تھا، نیکی اور بدی کی یہ کشمکش ابتدا سے ہی قدیم تہذیبوں میں بھی موجود تھی۔ قرآن پاک میں اس پورے

واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔

فونیقا کا سب سے اہم خطہ یہی وسطی فونیقا تھا۔ یہ ملک کنعان ☆ کا سب سے شاداب علاقہ تھا۔ وہاں پہاڑی ندیوں، چشموں کی فراوانی تھی۔ زیتون، انگور اور انجیر وہاں کے خاص پھل تھے۔ فلسطین کا سب سے مقدس خِطہ یہی تھا یہی حضرت داوودؑ اور حضرت سلیمانؑ نے اپنی بادشاہت قائم کی تھی اور یروشلم (بیت المقدس) کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ کنعان دراصل نبیوں اور رسولوں کی سرزمین ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے شہر اُر سے ہجرت کر کے کنعان ہی میں حیران (قریۃُ العرب) کے مقام پر سکونت اختیار کی تھی۔ اور حضرت موسیٰؑ نے خدائے واحد کی شریعت کا پیغام سنایا تھا اور حضرت ایوبؑ کے صبر کا امتحان یہی لیا گیا تھا۔ حضرت مسیحؑ کا تعلق بھی اسی سرزمین سے تھا۔ رسول مقبولؐ بھی تجاتی قافلوں کے ہمراہ کنعان ہی تشریف لے جاتے تھے اور مسلمانوں کا قبلۂ اول بھی اِسی خطّہ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تین بڑے مذہب اس سرزمین کو آج تک عزیز رکھتے ہیں۔

موسوی شریعت کے نفاذ سے پہلے کنعان کا سب سے بڑا دیوتا بعلؔ تھا یہ وہی بعل ہے جس کے بارے میں قرآنِ پاک میں فریا گیا ہیں کہ

☆ کنعان:۔ حضرت ابراہیمؑ عراق سے ہجرت کے لئے کنعان میں ہی آباد ہوئے تھے۔ (فلسطین کا ایک مشہور شہر)

اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلاً وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنُ الۡغَالَقِیۡن ہ [۱۴]

ترجمہ:۔کیاتم بعل کو پکارتے ہواور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔

اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعل کی پرستش کا رواج عرب میں بھی موجود تھا۔بعل کا لفظی معنیٰ آقا و مالک کے ہوتے ہیں چنانچہ بعل پورے کنعان میں افزایش زرخیزی اور بارش کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔اورابتدا سے ہی قدیم تہذیبیں آپس میں اثر پذیر رہی ہیں۔

کہانیوں کا سلسلہ ابتدا سے ہی قدیم تہذیبوں میں موجود رہا ہے۔یوسف زلیخا کی کہانی میں یہ دیکھنے کوملتا ہے کہ زلیخا کا اپنا ایک (FamilyGod) بھی ہے جس کی مورتی اس نے اپنی خواب گاہ میں رکھی ہے وہ یوسفؑ سے والہانہ عشق کرتی ہے تو اُس مورتی کے چہرے پر نقاب ڈال دیتی ہے جب کہ حضرت یوسفؑ یہ کہتے ہیں کہ میرا خدا تو بہرحال مجھے دیکھ رہا ہے ۔اس سے واضح ہوتا ہے ان دیکھے خُدا کا تصوّر پیغمبروں اوراولادِ ابراہیمؑ میں زیادہ واضح ہو چکا تھا۔یہی خدا کی ’’وحدت‘‘ اوراس کے آنکھوں سے غائب ہونے کا تصوّر ہے جو پیغمبرانِ خدا کے ذریعے آگے چل کر دنیا کی مذہبی فلاسفی کا ایک بہت بڑا جُز بن گیا۔

حضرت یوسفؑ سے وابستہ اور ایک واقعہ بھی ہے کہ قید میں تھے جب بادشاہ

نے یہ خواب دیکھا کہ گیارہ پتلی گائیں موٹی گائیوں کو کھارہی ہیں یہ عجیب وغریب خواب تھا جس کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے یہ بتائی کہ آئندہ گیارہ سال قحط پڑے گا لیکن اس سے پیشتر گیارہ سال تک ہر سال بہترین زرعی پیداوار کے سال ہوں گے۔انہیں برسوں کا اناج ان گیارہ سالوں میں کام آئے گا۔اس دور کی پیغمبرانہ روایت میں خواب کے وہی معنی ہیں جس کو بعد میں وحی الٰہی قرار دیا گیا ہے۔اس واقعے کی پوری تفصیل قرآن پاک میں دی گئی ہے۔

حضرت یوسفؑ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں آیا ہے کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج انھیں سجدہ کر رہے ہیں۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت یوسفؑ جس مذہبی فلسفہ کو پیش فرما رہے ہیں اس کی رو سے چانداور سورج خداوند نہیں رہ جاتے۔ یہ ستارے عبادت کے لائق نہیں ہیں کیونکہ بابلی، نینوائی اور مصری تہذیب میں چاند ستارے خدائی قدرت کی نشانیاں بھی تھیں اور اُن کی پُرستش بھی ہوتی تھی۔ یہاں معاملہ اُلٹا ہو گیا کہ جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے وہ خدا کے پیغمبر کو سجدہ کر رہے ہیں۔اس لئے یہ ایک طرح کا نیا مذہب تھا جو وحدانیت کا مذہب تھا اگرچہ اس خواب کی تعبیر اُس وقت یہ لی گئی اور آج بھی لی جاتی ہے کہ یہاں مراد گیارہ ستارے حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج سے مراد اُن کے ماں باپ ہیں بہرحال خواب اور تعبیر خواب کو اس وقت کی اہم

تہذیبی قدروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ایک ہی وقت بارہ پیغمبر بھی ہوئے جن کا سلسلہ حضرت موسیٰؑ تک اس طرح چلتا رہا۔ حضرت موسیٰؑ کنعان کی پیغمبرانہ روایت سے رشتہ رکھنے والے وہ پیغمبر ہیں جن کی پیدائش مصر میں ہوئی اور وفات صحرائے سینا میں ۔ چونکہ بنی اسرائیل توحید پرست تھے اس لئے فراعنہ مصر کے لوگ اِن سے چڑھتے تھے۔

پھر جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور لشکر فرعون سے نجات پانے کے لئے ارضِ فلسطین کی طرف کوچ کیا تو راستے میں دریائے نیل آیا آپ نے خدا کے حکم سے اس پر اپنا عصا مارا تو دریائے نیل دو حصوّں میں بٹ گیا اور راستہ پیدا ہو گیا جن سے حضرت موسیٰؑ اور اُن کے ہمراہی تو گذر گئے لیکن فرعون اور لشکرِ فرعون نے جب اس معجزے سے پیدا شدہ راستے سے گذر جانا چاہا تو موجیں پھر مل گئیں اور فرعون کا لشکر غرقاب ہو گیا۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ معجزوں یا (Miracles) کا ایک خاص تصوّر وابستہ ہے۔ یدِ بیضا کا تصوّر اُردو لٹریچر میں آتا ہے عصّائے موسیٰؑ یا ضرب کلیم کا تصوّر بھی اُردو لٹریچر میں آتا ہے شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے ایک شعری مجموعے کا نام بھی ضرب کلیم ہے اس میں ایک مقبول شعر یہ ہے ؎

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پُھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر [۱۵]

اس شعر کی مناسبت اس واقعے کے ساتھ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ساتھ وادیٔ فلسطین میں پہنچے تو پیاس کی شدّت سے تمام لشکر یعنی ہمراہی بے آب وتاب ہو گئے پانی اس علاقے میں نایاب تھا تو خدا کے حکم سے یہ اشارۂ غیبی پا کر آپ نے اپنا عصا پتھر پر مارا وہاں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے قرآن پاک کی روایت کے مطابق یہ بارہ چشمے تھے اور پورے لشکر نے اپنی پیاس بُجھا دی۔ بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے اور بارہ کا عدد بعض ایشیائی تہذیبوں میں بہت مقدس رہا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اور ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نیم فونیقی اور نیم مصری تہذیب کے مروّج رویوں کا پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کی طرف سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ اے موسیٰؑ ہم تو خدا کو کُھلی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں جس کے بعد اُن کو بجلی نے پکڑ لیا۔ بجلی اور آگ قدیم قوموں کے یہاں خدائی قوت کی علامت تھی اور مظہر الوہیت خیال کی جاتی تھی۔ اور شاید وادیٔ ایمن کا واقعہ بھی اس کا ایک سبب ہے۔ غیر اسلامی تہذیبوں میں آج بھی آگ کی پوجا کی جاتی ہے۔

ابتدا سے ہی انبیاء کی وابستگی پہاڑوں سے بھی رہی ہیں اس لئے قدیم تہذیبوں کے ساتھ پہاڑوں کا گہرا رشتہ رہا ہے۔اور پہاڑوں کی عظمت کا یہ سلسلہ تہذیبوں کے تاریخی رشتوں سے گہرے طور پر متاثر رہا ہے۔

بنی اسرائیل کی تہذیب میں جسے فونیقی تہذیب کی روایت کا حصّہ کہنا چاہیے وہاں ایسے عبادت کدے تعمیر کیے گئے تھے جن میں ایک حصّہ قربان گاہ کے طور پر کام آتا تھا۔اسلام میں بھی قربانی کے ساتھ فریضۂ حج کے موقع پر یہ تصوّر باقی رہا کہ قربانی وادیٔ منیٰ میں کی جائے جو مکہ معظّمہ سے قریب تر ایک جگہ ہے۔

فونیقی تہذیب میں پیغمبروں کا سلسلہ بہت دور تک اور دیر تک چلتا رہا چونکہ فونیشا یعنی علاقہ فلسطین، لبنان، شام، عراق اور مصر کے مابین واقع تھا۔اس لئے اِن تینوں ملکوں میں ارتقاء پانے والی تہذیبیں اس علاقے پر اثر انداز ہوتی رہیں۔

عصّر حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ فونیقی تہذیب کا شیرازہ بکھر چُکا ہے قومیں اسی طرح تاریخ اور تہذیب کے دائروں میں اُبھرتی پھیلتی اور پھر سمٹ جاتی ہیں مگر اپنے نشانات چھوڑ جاتی ہیں کیونکہ اس دنیا کا دستور یہی ہے کہ جو بھی آتا ہے ہوا کے جھونکے کی طرح ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے جاتا ہے۔دنیا کی اس بے ثباتی کو علامہ نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

زندگی انسان کی اِک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے، رم کے سوا کچھ بھی نہیں[16]

یونانی تہذیب:۔

قدیم یونان ایک نیم وحشی ملک تھا سولہویں صدی قبل مسیح سے پہلے یہ لوگ تہذیب وتمدن سے بالکل نا آشنا تھے۔آریہ نسل کے لوگ جوتقریباً دو ہزار قبل مسیح میں یونان میں داخل ہوئے یہ لوگ بھی تہذیب وتمدن سے ناواقف تھے۔

پندرھویں صدی قبل مسیح کے قریب کریٹ ☆ کے لوگوں نے جنوبی یونان میں تجارتی سرگرمیاں شروع کی اور کریٹ کے تجارتی اثرات اِن پر اتنے وسیع ہو گئے کہ یونانیوں نے پوری طرح سے اُن کی تہذیب کے اثرات قبول کئے ۔ جیسے دیوی دیوتاوں کی پرستش کرنا، جانوروں کی قربانی، دیوی دیوتاؤں کے لئے بھینٹیں چڑھانا وغیرہ اور یوں بھی قدیم قوموں میں بیشتر قربانی کے واقعات سامنے آئے ہیں اور بہت سی قوموں میں انسانی قربانی کا رواج رائج تھا۔اور بہت سے قوموں میں بادشاہ کوہی قربان کیا جاتا تھا۔

جانوروں کی قربانی کا رواج یوں تو قدیم تہذیبوں میں رائج ہوا تھا۔خاص

☆ کریٹ:۔کریٹ سے مراد جزیرۂ کریٹ ہے(جواس وقت منفرد ترقی یافتہ تہذیب کے مالک تھے)

طور پر بیل کی قربانی کا عقیدہ فصلوں کی فراوانی اور زمین کی زرخیزی سے جُڑ گیا تھا۔ فصل کی کٹائی کے بعد بیل کی قربانی بھی اس کا ایک حصّہ بن گیا تھا جزیزۂ کریٹ کی تہذیب سے جُڑا ہوا ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ

''جزیرۂ کریٹ کے دیومالا میں بھی بیل کو بہت اہم مقام حاصل ہے ۔ وہاں ہر سال بیل کی قربانی کا تیوہار بڑی شان سے منایا جاتا تھا۔ وہاں کے بادشاہ مینوس نے ایک بار لالچ میں آکر سب سے عمدہ بیل کو قربان کرنے کے بجائے اپنے مویشی خانے میں بھیج دیا اور دیوتا کو ایک معمولی درجے کے بیل کی قربانی دے کر ٹال دینا چاہا مگر دیوتا بہرحال دیوتا تھا اس نے بادشاہ کو یہ سزا دی کہ اس کی بیوی خوبصورت بیل پر عاشق ہوگئی اور ملکہ کے پیٹ سے ایک ایسا جانور پیدا ہوا جس کا آدھا دھڑ انسان کا تھا اور ادھا بیل کا۔ یہ بیل آدم خور تھا۔ اور ہر سال سات نوجوان مرد اور سات نوجوان عورتیں اس کی خوراک بنتے تھے ۔ آخر کار ایک یونانی ہیرو تھی سیس (Theseus) نے اُسے ہلاک کیا۔''[17]

چنانچہ ایتھنز یونان میں جون کے آخر یا جولائی کے شروع میں جب اناج کھیت سے گھر میں پہنچ جاتا تھا تو بیل کی قربانی کی جاتی تھی یہ تہوار ہر سال منایا جاتا تھا۔اس تہوار کو یونانی زبان میں ''بوفونیا'' کہتے تھے۔

جنوبی یونان کی تہذیب جو مائسنی تہذیب کہلاتی ہے یہ لوگ تہذیب کے میدان میں نئے ولولوں اور نئی امنگوں کے ساتھ داخل ہوئے تھے اس لئے انہوں نے بہت جلد کریٹ کو تجارت میں پیچھے چھوڑ دیا نیز اس جزیرے کو ختم بھی کردیا۔ جزیرۂ کریٹ کی تباہ و بربادی کے بعد انہوں نے تجارت کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔اور انھوں نے جنوب میں مصر تک ،مغرب میں سسلی تک اور شمال میں درۂ دانیال تک اپنے تجارتی تعلقات قایم کر رکھے تھے نیز شام اور مصر کے ساتھ بھی اُن کے گہرے تعلقات قائم ہوئے تھے۔

بارہویں صدی ق۔م سے یونان میں شمال مغرب سے نو وارد یونانی قبائل کی آمد شروع ہوئی یہ لوگ بہت ہی خطرناک قسم کے جنگجوں تھے اور تہذیب سے یہ لوگ بہت ہی نا آشنا تھے یہ لوگ ڈورین کے نام سے جانے جاتے تھے انہوں نے آئندہ تقریباً چار پانچ صدیوں کے لئے یونانی تہذیب کو تباہ و برباد کردیا۔اُردو میں اس کے متعلق بہت سے محاورے ہیں جیسی کرنی ویسی برنی، ادلے کا بدلا وغیرہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔انسان اپنے آپ پر خود ظالم بن جاتا ہے کیونکہ جیسا انہوں نے

جزیرۂ کریٹ کے ساتھ کیا بالکل ویسا ہی ڈورین نے اِن لوگوں کے ساتھ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہر کام کا بدلہ پورا پورا دیتے ہیں۔

یونانی قوم میں تقریباً ساڑے چار سو سال کے بعد دوبارہ ترقی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس دوران وہ اپنا ایک مشترکہ تمدن اور یونانی تہذیب کی بعض خصوصیات قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے اِن خصوصیات میں مشترک یونانی دیومالا تھی جس میں شامل دیوی دیوتا ہر جگہ ایک ہی طریقے سے پوجے جاتے تھے۔ اس سے پہلے بھی چونکہ قدیم یونان میں دیویوں اور دیوتاروں کو پوجنے کا رواج رہا تھا جس کے اثرات اب بھی موجود ہیں۔ برصغیر کے ایک جید عالم سید ابوالاعلیٰ مودودی قدیم یونان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ

> ''کام دیوی (Aphrodite) کی پرستش تمام یونان میں پھیل گئی۔ جس کی داستان ان کے خرافات میں یہ تھی کہ ایک دیوتا کی بیوی ہوتے ہوئے اس نے تین مزید دیوتاوں سے آشنائی کر رکھی تھی اور اُن کے ماسوا ایک فانی انسان کو بھی اس کی جناب میں سرفرازی کا فخر حاصل تھا''۔ [۱۸]

کئی صدیوں کے ''دورِ جاہلیت'' میں یونانی اپنا ایک مشترکہ تمدن اور یونانی تہذیب کی بعض خاص خصوصیات قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے ان خصوصیات میں

سیاسی تنظیم کی ایک مخصوص صورت ''شہری ریاست'' بھی شامل تھی۔

یونانیوں نے دوسرے میدانوں میں ترقی کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ میں بھی بڑی ترقی کی تھی۔انہوں نے مائسنی طریقہ سے بالکل مختلف مٹی کے برتن بنائے جو پکے ہونے کے ساتھ ساتھ روغن کیئے ہوئے تھے اور اُن پر ہندسی شکلوں کے نقش ونگار بھی بنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے نقش ونگار کا فن بھی وجود میں آیا تھا۔اس دور میں رزمیہ نظموں الیاڈ اور اوڈیسی نے یونانی ادبیات کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی تھی۔

یونانیوں نے اس دور میں کھیلوں کے ساتھ بھی بڑی دلچسپی دکھائی جس کی وجہ سے اس دور میں بین الیونانی کھیلوں کے مقابلوں کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ان مقابلوں کے میلوں میں تمام یونانیوں کو جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منتشر ہوئے تھے آپس میں میل جول رکھنے کا ایک موقعہ فراہم کیا جاتا تھا۔حقیقت میں یہ لوگ الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے زبان ،نسل، رسم ورواج، طرز معاشرت، خیالات، طرزِ فکر کے بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے۔ اِن کو اپنے انتشار کے باوجود اس قومی وحدت کا بخوبی احساس تھا۔اس دور میں یہ لوگ اپنے آپ کو ایک مشترکہ نام ہلینز سے پُکارنے لگے تھے۔

چونکہ یونانیوں کی ایک بڑی آبادی نوآبادیات میں پھیلی ہوئی تھی۔اس سے اُن کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا تھا اور اصل سرزمین یونان کو ایک محدود مقام حاصل تھا۔

اس لئے تمدنی نوآبادیات میں ہی پہلے نشاۃ ثانیہ کا عمل شروع ہوا۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یونانی تمدن و تہذیب کی اصل خالق یہ نوآبادیات تھیں۔

یونانی نوآبادیات میں ترقی پانے کی ایک مثال اُن کی منفرد دین سائنس اور فلسفہ سے دی جاسکتی ہے۔ اِن کے اثرات دور دور تک دوسری تہذیبوں پر بھی پڑے اور دوسری تہذیبوں نے اس کے اثرات قبول بھی کئے۔ یہ اثرات نہ صرف اسلامی تہذیب تک محدود تھے بلکہ یورپی اقوام تک منتقل ہو کر اِن کی ترقی کا باعث اور پھر جدید مغربی تہذیب کی امتیازی خصوصیت قرار دی جاتی ہیں۔

یونانی فکر کے یہ دونوں رجحان دراصل انسان اور کائنات کی حقیقت میں غور وفکر کی علمی روایت سے متعلق تھے جو ابتداہی سے مکتب میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ عالمی تہذیب کو یہ یونانیوں کی دین کہی جاسکتی ہے۔ یونانیوں نے بغیر روایتی عقائد اور مذہبی تصورات کو بیچ میں لائے ہوئے عقل اور وجدان کی بنیاد پر آزادانہ فکر و تحقیق کا طریقہ دریافت کیا جس کو ہم سائنس یا فلسفہ کہتے ہیں۔

یونان میں کئی مکتبۂ فکر وجود میں آنے کی وجہ سے دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں اور سائنس دانوں نے اُن مکتبۂ فکر میں لوہا منوا کر اپنا نام دنیا میں باقی رکھا سائنس اور فلسفہ کے اس میدان میں صدیوں سے ترقی جاری ہے۔

یونانیوں کو جوتش، جنتری، سات دن کا ہفتہ اور راس منڈل کے بارہ برج

بنانے کا علم بھی حاصل تھا۔ اسی طرح سنگتراشی، سکہ بازی، مجسمہ سازی اور مصّوری کا ہُنر بھی یونانیوں ہی کی دین ہے۔ اسلامی تہذیب کے ایک محقق عمادالحسن فاروقی اُن کی فنِ مصّوری کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔ کہ

''اس فن کا ایک شاہکار، جو خود رومی دور کا ہے مگر اس کی اصل تصوّیر ہیلینی زمانے سے متعلق بتائی جاتی ہے، پومیِ آئی شہر کے کھنڈرات میں دستیاب ہوا۔ اس تصوّیر کا عنوان ''جنگِ اِسُّوس'' قرار دیا گیا ہے۔ سنکندر اعظم اور داریوش سوم کو میدانِ جنگ میں آمنے سامنے دکھایا گیا ہے۔ سکندر اعظم اپنے مشہور گھوڑے بوسفالوس پر سوار ہے اور جنگ کی گرمی اور گرد سے اس کی رنگت بدلی ہوئی اور بال بکھرے ہوئے ہیں۔ داریوش سوم اپنے رتھ سے قدرے جھکا ہوا افسوس اور پریشانی کی تصویر نظر آتا ہے اس کی نظریں اُس ایرانی امیر پر جمی ہوئی ہیں جس نے اپنے شہنشاہ کو بچانے کے لئے اپنا گھوڑا اس کے اور سکندد کے بیچ میں ڈال دیا تھا اور اب سکندر کے نیزے کا زخم کھا کر زمین پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا داریوش اس وفادار امیر کی طرف اس طرح متوجہّ

ہے کہ سکندر کے اٹھے ہوئے دوسرے نیزے سے بھی بے
خبر ہے جس کا نشانہ وہ خود بننے والا ہے دوسری طرف
دوسرے یونانی امراء اپنے شہنشا ہ کی حفاظت کے لئے
حرکت میں نظر آتے ہیں اور سکندر کا نیزہ اسی طرح حملہ کے
لئے تیار حالت میں معلّق رہتا ہے۔ مصوّری کا یہ شاہکار
آٹھ فُٹ چوڑے اور سولہ فُٹ لمبے مرقّع کی شکل میں ہے
جس کی تیاری میں دو دو تین تین مربع میٹر کے پندرہ
لاکھ (۱۵۰۰۰۰۰) پتھر استعمال ہوئے ہیں۔ بلاشبہ یہ اپنی
نوعیت کا اعلیٰ ترین دستیاب نمونہ ہے''۔ [۱۹]

یونانیوں نے جب ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو ہندوستانیوں نے یونانیوں سے وہ علوم ضرور سیکھے جن کا تعلق روزمرہ کی زندگی سے تھا۔ مثلاً جوتش، علمِ نجوم یہ الگ بات ہے کہ ہندوستانیوں نے اس میں مزید نشوونما کی اور ترقی دی۔ اصل میں یہ فن یعنی علمِ نجوم اُنھیں کی ایجاد ہے۔ الغرض دنیا کی پوری اقوام کے لیے یونانیوں نے ترقی کے راستے ہموار کئے یہ الگ بات ہے کہ ہر قوم مٹ جاتی ہے لیکن یہ اپنے دیرینہ نشانات چھوڑ جاتے ہیں۔

عیلامی تہذیب:۔

ایران کے قدیم کلچر کے لئے عیلامی تہذیب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس سے مراد عراق وعجم کی قدیم ثقافت اوراس کے باہمی رشتے ہیں۔سرزمین ایران میں بہت ساری تبدیلیاں آتی رہیں۔اِردگرد کے علاقوں کے ساتھ اس کا رشتہ دوستی کا رشتہ بھی رہاہے اور کشاکش کا بھی۔

آریائی نسل کا قدیم مرکز سینٹرل ایشیاء کو قرار دیا جاتا ہے یہاں سے یہ لوگ اُٹھ کر ایران میں پہنچے ہندوستان کی طرف آئے اُدھر آگے بڑھ کر یونان روم اور پھر مغربی یورپ میں پھیل گئے ۔بلخ وبدخشاں ،خراسان اور افغانستان سے بھی یہ نسل وابستہ ہوئی اور آج بھی وابستہ ہے ۔اور ہندوستانیوں کی رگوں میں آج بھی اُن کا خون دوڑ رہا ہے۔

آریائی نسل میں وقت کے ساتھ ساتھ دوسری نسلوں کی آمیزش بھی شامل ہوئی ۔ یہ لوگ مختلف علاقوں میں آباد ہوئے اور قدیم نسلوں سے اُن کا رشتہ ہونے کی وجہ سے آریائی قوم کو مختلف علاقوں اور تہذیبی وحدتوں میں ہم انہیں تقسیم ہوتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس طرح سے آریائی قوم نے ایران، یونان،روم ، ہندوستان اور مغربی یورپ میں رہتے ہوئے بڑی بڑی تہذیبوں کو جنم دیا۔اور عالمی تہذیب میں ابتدا سے ہی حصّہ لیا ہے۔

یہ وہی قوم تھی جو بعد میں ایران سے ہند آئے تھے اور یہاں انھوں نے اپنا قبضہ جما کر یہاں کے اصلی باشندوں کو غلام بنا کر حکومت کی ۔جس کے بارے میں ایک معروف محقق سبطِ حسن یوں رقمطراز ہیں کہ

''ایرانی تہذیب کا غلبہ ہمارے ملک پر قریب قریب آٹھ سو برس تک رہا۔ اس غلبہ کی سب سے روشن نشانی فارسی زبان ہے جس کے اثر سے ہم آج تک آزاد نہیں ہو سکے ہیں ۔انیسویں صدی تک سرکاری دفتروں کا سارا کاروبار اسی زبان میں ہوتا تھا اور ذریعہ تعلیم بھی فارسی ہی تھا ۔ درباروں میں باریابی اور سرکاری محکموں میں ملازمت کے لئے بھی فارسی جاننا ضروری تھا۔ خط وکتابت فارسی زبان میں کی جاتی تھی ۔شادی غمی کے رُقعے فارسی میں لکھے جاتے تھے ۔شعر فارسی میں کہے جاتے تھے فکر وفن کا اظہار فارسی میں ہوتا تھا۔غرض کہ فارسی دانی تہذیب وشائستگی کی علامت بن گئی تھی ۔'' [۲۰]

قدیم ایران کے فلسفے کو دنیا کے بڑے اور بنیادی فلسفوں میں گِنا جاتا ہے۔ یہ ''توحید'' و''تثلیث'' کے مقابلے میں ''ثنویت'' کا فلسفہ ہے جس میں نیکی و بدی، خیر

وشر،نور اور ظلمت کو رات اور دن کی طرح دو برابر کی حقیقتیں مانا گیا ہے۔ یہ لوگ آگ کے پرستار تھے۔ نیکی کی الوہی قوت کو وہ یزدان کہتے ہیں اور بدی کو وہ اہرمن کی شکل میں تسلیم کرتے ہیں ۔ایزد (یزدان خدا) اہرمن (شیطان) ان کے نزدیک دو متوازی سچائیاں ہیں اور یہ ایسی قوتیں ہیں جو برابر کشش اور کشمکش کے مراحل سے گزرتی رہتی ہیں یہ تصادم اور تقابل ازل سے ابد تک رہے گا کیونکہ جب سے انسان وجود میں آیا ہے تب سے ہی یہ کشمکش شروع ہوئی ہے اور یہ ہمیشہ ان کے بیچ میں رہے گی۔

ایرانی تہذیب میں آگ کو زندگی کی بہت بڑی سچائی تصوّر کیا جاتا ہے کہ آگ، روشنی، حرارت، اور حرکت بلندی کی طرف پرواز کی ایک علامت (Symbol) ہے۔ اور اس میں ایک حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ آگ دنیا کی بڑی ایجاد مانی جاتی ہے۔

ایرانی تہذیب کی وساطت سے ہندوستان کے آریائی قبائل کے لئے بھی یہ مقدس مانی جاتی تھی وہ ''اگنی دیوتا'' کو ہمیشہ سے پھول چڑھاتے رہے ہیں اور بنی اسرائیل میں بھی آگ کو خدائی عنصر اور الوہی حقیقت تصوّر کیا جاتا تھا۔اس لئے اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں بھی آگ کا احترام کیا جاتا تھا۔

ایرانیوں میں آتش کدہ ان کے مذہبی عقیدوں کے ساتھ ساتھ اِن کی تہذیبی فکر

کا بھی ایک جُز رہا ہے۔ آتش گل، آتشِ مئے، آتش رُخ، آتشِ رنگ جیسی ترکیبیں بڑی تعداد میں فارسی شاعری میں ملتی ہیں۔

ایرانی تہذیب میں شراب سے متعلق مختلف قسم کے خیالات اور فلسفیانہ افکار موجود ہیں جیسے پیالے میں رُخ یار کا عکس دیکھنا ایک طرح کا شاعرانہ اندازِ بیاں ہے لیکن اس کا رشتہ جامِ جمشید سے بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں ساری دنیا کا عکس نظر آتا تھا۔ اس میں کوئی حقیقت ہے یا نہیں لیکن یہ تصوّر ایران میں موجود رہا ہے۔ جیسے کہ ''وہ جام جمشید'' کو ''جہاں نما'' بھی کہتے ہیں اور وہاں کے اہل تصوّف دل کو بھی جامِ جہاں نما سے تعبیر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں آج بھی ''جہاں نما'' Internet کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

ایران کے قلعوں میں جو سب سے بالائی منزل تعمیر کی جاتی تھی اس کو بھی جہاں نما کہا جاتا تھا کیونکہ وہاں سے پوری دنیا نظر آتی تھی۔ اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ''جامِ جہاں نما'' کا تصوّر ایرانیوں کی ہی دین ہے۔

ایرانی تہذیب میں گلاب کا پھول بھی باعث کشش رہ کر صدیوں سے ایک رول نبھاتا ہوا نظر آتا ہے اور دوسرے پھول بھی جیسے لالے کے پھول جن سے بحرِ کیسپین کے کنارے دور دور تک پھیلی ہوئی وادیاں موسم بہار میں اپنی غیر معمولی خوبصورتی کے ساتھ نمودار ہوتی تھی اسی لئے پھولوں کے تصّورات ایرانیوں کے

ادب میں حکومت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔گل بدن، گُل چہرہ، گُل ناز، بوئے گُل، گُل رو، گُل رُخ جیسی ترکیبیں اُن کی زبان میں موجود ہیں۔ اِسی وجہ سے ایرانی فکر میں گل بوٹے سجانے اور گُل کاریاں کرنے میں ایرانی بہت مشہور نظر آتے ہیں۔

ایرانی تہذیب میں بھی قدیم تہذیبی خطے، مصر کی طرح شہنشاہیتوں کا مرکز رہا ہے۔ اور ہزاروں برس تک اس کا سلسلہ چلا ہے۔ کیقباد اور کیخرو جیسے بڑے شہنشاہوں کے نام اس کی تاریخ کے صفحات میں ملتے ہیں۔آخر کے زمانے میں وہاں نوشیراں کی حکومت تھی جو حضرت سلیمانؑ کی طرح اپنے عدل وانصاف کے لئے بہت مشہور شہنشاہ گزرا ہے اس کا شاہی لقب ''کِسریٰ'' تھا۔

ایرانی تہذیب کے ایک قدیم بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے طاغوتی قوت کے خلاف بغاوت کی تھی وہ ایک لوہار تھا اور اس کا نام ''کاوا'' تھا۔کاوا کا پیشہ آہن گری تھا اس نے اپنے زمانے کے ظالم بادشاہ ''ضحاک'' کے خلاف بغاوت کا نعرہ بلند کیا۔

''ضحاک'' کے دونوں کاندھوں پر دو سانپ تھے جو انسانوں کا دماغ کھاتے تھے اور انسانوں میں بھی جوان العمر لوگوں کا جب ''ضحاک'' کے سانپوں کی خوراک بننے کے لئے کاوا آہن گر کے دو بیٹوں کا نمبر آیا تو انھوں نے ظلم کے خلاف بغاوت کردی۔کاوا اور اس کے بیٹے کامیاب ہوئے۔''ضحاک'' کا قتل عمل میں آیا۔ان

میں سے ایک بیٹے کا نام ''فریدوں'' تھا جس کے معنی مبارک کے ہوئے ہیں یہی پھر ایران کا بادشاہ بنا۔

ایرانی تہذیب میں فرید و بخت نام اِسی نسبت سے رکھا جاتا تھا۔فتح کے وقت کا وانے جو جھنڈا لہرایا تھا اُسے ''درفش'' کاویانی کہتے ہیں اس جھنڈے میں بہت سے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اور ایران کا ہر بادشاہ اس کے سائے کو اپنے لئے باعثِ برکت سمجھتا تھا اور اپنی طرف سے اس میں قیمتی ہیروں کا اضافہ کرتا تھا۔یہ جھنڈا جب قادسہ کی فتح کے بعد عربوں کے ہاتھ آیا تو انھوں نے اسے چاک کر دیا۔ ہیرے جواہرات خزانہ عامرہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے جو مستحقین میں تقسیم ہو گئے ۔ایران میں چونکہ سینکڑوں ہزاروں برس تک بادشاہت رہی تھی اس لئے دولت و ثروت بھی شاہی خزانوں میں ایک نسل کے بعد دوسری نسل میں بڑھ جاتی تھی ۔اُس وقت قومی دولت کا کوئی تصوّر نہیں تھا بادشاہ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا گویا وہی قوم کی دولت تھی اس لئے بادشاہ ہی "Supreme" یعنی سب کچھ ہوتا تھا۔

ایران کے آخری بادشاہ خسرو پرویز جو نوشیرواں کا بیٹا تھا۔کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس سات خزانے تھے اور ان کے الگ الگ نام تھے جیسے گنج شائے گاں، گنج رائے گاں ، گنج بادآورد وغیرہ۔ایرانی تہذیب میں یہ نام امتیاز بخشنے کے لئے ہوتے ہیں۔

ایرانی روایات اور ادبیات میں خسرو پرویز ایک معروف کردار ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی بیوی ''شیریں'' تھی جو اس علاقے کی ایک حسین وجمیل عورت تھی اور جیسا کہ ادب میں روایت چلی آئی ہے کہ فرہاد اس پر عاشق تھا شیریں فرہاد کا قصّہ کئی مثنویوں میں لکھا گیا ہے۔اس کہانی میں قصرِ شیریں اور کوہِ بےستون خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔کوہِ بےستون وہ پہاڑی ہے فرہاد نے جس کو کاٹا تھا اور اس سے نہر نکالی گئی تھی۔ اِسی لئے تیشۂ فرہاد کا نام فرہاد سے لیا جاتا ہے۔یعنی پہاڑ کاٹنے کا آلہ جو ایک علامتی ایک طرح کی تہذیبی علامتیں ہیں۔ اِسی طرح خسرو پرویز کے خزانے نوشیرواں (کسریٰ) کی عدالت، جمشید، ضحاک، فریدوں، درفشِ کاویانی اب تہذیب وثقافت کے نشانات یا (Symbols) کے طور پر کام آتے ہیں۔ایران کے داستانی کرداروں میں رُستم سہراب پھر جمشید، فریدوں، ضحاک جہاں نمایا جامِ جم بھی اسی طرح کے تہذیبی اور ثقافتی کرداروں اور تمثیلوں کا حصّہ ہیں اِسی میں قالینِ بہار کا ذکر بھی کر سکتے ہیں۔

ایران میں دو ہی موسم ہوتے ہیں ایک بہار اور دوسرا خزاں، بہار ایران کا سب سے خوبصورت اور اہم موسم ہے۔اُن کے یہاں اس موسم کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ موسم سردیاں گذرنے کے بعد آتا ہے۔ جب پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے۔ میدان، وادیاں پہاڑیاں، یہاں تک کہ ویرانے ہرے بھرے درختوں سے آراستہ

ہو جاتے ہیں۔ لالے کے پھول کثرت سے ہوتے ہیں موسمِ بہار کی آمد پر ایرانی ''جشنِ نوروز'' مناتے تھے جب موسمِ بہار گزر جاتا تھا تو ''قالینِ بہار'' بچھایا جاتا تھا۔ وہ ایک خوبصوّرت قالین تھا جس پر بیٹھ کر بادشاہ اور اس کے امراء جب کوئی جشنِ مسّرت مناتے تھے تو موسمِ بہار جیسا سماہوتا تھا۔ کیونکہ اُس قالین پر سبزہ وگُل کا ''تصویری'' مرقع سامنے ہوتا تھا تو ایرانی ایسا محسوس کرتے تھے کہ جیسے بہار پھر آ گئی ہو۔

ایرانی تہذیب میں علم نجوم کی بھی خاصی اہمیت رہی ہے کیونکہ اہلِ ایران کو علمِ نجوم سے بڑی دلچسپی تھی انہوں نے ستاروں کے اپنے کردار بھی مقرر کئے تھے۔ اور اس کردار کے مطابق وہ اِن کی شکلیں بھی بناتے تھے لیکن جتنا اس علم کو ہندوستان نے ترقی دی اس کی مثال ایران میں نہیں ملتی ہے۔

ایرانی تہذیب میں ساقی، جام، میخانے اور حمام کی روایت بھی ایک تہذیبی ادارے کا درجہ رکھتی ہے۔ مغلوں میں بھی اور ان سے پہلے دہلی کی دوسری سلطنتوں کے زمانے میں بھی حمام کی روایت ملتی ہے۔ میخانے، ساقی اور جام کی روایت نے تو فارسی اور اُردو کو دور تک اور دیر تک متاثر کیا۔ جیسا کہ علامہ فرماتے ہیں۔

ے لا پھر اِک بار وہی بادہ وجام اے ساقی!
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی! [۲۱]

ساقی پلانے والے کو کہتے ہیں۔ اُردو اور فارسی شاعری میں صدہا شعرایسے ہیں جن میں ساقی اپنے علامتی کردار میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔

ایرانی تہذیب میں ہزاروں برس کی تہذیب وثقافت کے ساتھ ایک بڑی مشرقی روایت گُھل مل گئی ہے، جس نے عرب تہذیب کے ساتھ مل کر وسطی عہد کے ادب وثقافت کو ایک نیا رنگ وآہنگ عطا کیا۔ اسے ہم مصوّری کی صورت میں بھی دیکھ سکتے ہیں اور موسیقی کی شکل میں بھی۔ اور ادب تو بہر حال اس کی ایک متحرک تصوّیر بنا ہی رہا ہے۔

ایرانی تہذیب وتاریخ جو ایک طویل مدّت پر پھیلی ہوئی ہے اور صدیوں کے سفر سے عبارت ہے اس نے اپنے آس پاس قوموں سے بھی کبھی سیکھا اور کبھی انہیں سکھایا۔ ایران کے قریب تر پڑوسیوں میں مملکتِ عراق یعنی وادیٔ دجلہ وفرات کی سرزمین شامل ہے۔

اس کے ماسوٰا آرمینہ، آذربائی جان، خراساں، سمرقندو بخارا جیسے تُرک اور منگولیائی نسلوں سے تعلق رکھنے والے شہر شریک ہیں۔ اِن کے اثرات کو بھی تاریخ کے مختلف ادوار میں ایرانی تہذیب کے نقوش وآثار میں دیکھا جا سکتا ہے۔

رومی تمدن:۔

اقوامِ قدیمہ میں جس قوم کی تہذیب سب سے زیادہ عظیم نظر آتی ہے وہ اہل

یونان تھے اور اُن کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج حاصل ہوا رومی تہذیب تھی ۔ یہ تہذیبیں ابتدا سے ہی بنتی اور بکھرتی ہوئیں نظر آتی ہیں ۔ رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر میں دکھائی دیئے تو اُن کے معاشرے میں مرد کی حیثیت کافی برتر تھی وہ اپنے گھر کا مالک اور مجاز تھا۔

قدیم رومی عورت کی عصمت کے محافظ تھے اور عورت کی عزّت ایک قیمتی چیز تصوّر کی جاتی تھی ۔اس کے تعلق سے کوئی بھی بداخلاقی برداشت نہیں کی جاتی تھی اور ایک عورت اُسی وقت زیادہ عزّت کی مستحق ہوتی تھی جب وہ ماں بنتی تھی ۔ نکاح کی بڑی اہمیت تھی مرد اور عورت کے مِلن کی جائز صورت نکاح کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی ۔مگر دھیرے دھیرے وقت نے کروٹ لی اور رومیوں کا انداز اور اُن کے نظریات بدل گئے ۔اور اُن میں وہ خرافات پیدا ہوئے جس کی وجہ سے بہت سی قدیم قومیں زوال کی شکار ہوگئی ہیں جیسے قوم عآد، قومِ ثموؔد وغیرہ اور قوم لوؔط کی تباہی سے مراد یہی رومی تہذیب ہے۔

رومیوں میں ایک ایسا دور آیا جب عورتوں نے مردوں کو اپنا غلام بنالیا اور عورتیں شوہروں کو اس طرح بدلتی تھی جس طرح پوشاکیں بدلی جاتی ہیں ۔اور ایک ایسا دور رومیوں میں آیا کہ طلاق کی شرح اتنی بڑھ گئی کہ حساس لوگ اس بڑھتی ہوئی بُرائی پر ماتم کرنے کے لئے مجبور ہو گئے ۔ ایک عورت دس دس بارہ بارہ خاوند بدلتی تھی ۔ اس طرح اہلِ روم

عریانیت اور شہوت کے جال میں اس طرح پھنس گئے جہاں سے نکلنا بہت مشکل تھا یہ لوگ برائیوں کے عادی ہو گئے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ Habits are easy to form but hard to break. برصغیر کے ایک معروف مفکر سید ابوالاعلیٰ مودودی اُس دور کے بارے میں اپنی جانکاری دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اخلاق اور معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہو گئے تو روم میں شہوانیت ، عریانی ، اور فواحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی وعریانی کے مظاہرے ہونے لگے۔ ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لئے ضروری ہو گئیں، قحبہ گری کے کاروبار کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ قیصر ٹائبر لیس (۱۴م تا ۳۷م) کے عہد میں معزز خاندان کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لئے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔ فلورا (Flora) نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا، کیوں کہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی ،عورتوں اور مردوں کے برسرِ عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام تھا۔ رومی لٹریچر میں فحش اور

عریاں مضامین بے تکلف بیان کئے جاتے تھے۔ اور عوام
وخواص میں وہی ادب مقبول ہوتا تھا جس میں استعارہ
وکنایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔'' [۲۲]

کئی صدیاں گذر جانے کے بعد رومی تمدن میں پھر سے ترقی کے آثارِ نمایاں ہونے لگے اور رومی تمدن ایک طاقتور تمدن کے طور پر اُبھر آیا۔ ۷۵۰ قبل مسیح میں روم کی شہری ریاست میں محدود جمہوریت کے قیام سے لے کر پہلی صدی قبل مسیح کے آخر تک جولیس قیصر کے ہاتھوں روم کی عالمی سلطنت اور اس میں بادشاہت کے قیام تک، رومی حکومت کی درجہ بہ درجہ ترقیوں کا ایک پورا سلسلہ نمایاں ہے۔ اور رومی سلطنت کی یہ وسیع حکومت اور تہذیب وتمدن جوں کی توں وجود میں نہیں آئی تھی بلکہ اس کو بننے میں صدیاں درکار تھیں۔

رومی سلطنت قدیم اقوام کا ایک بارفعت کارنامہ تھا۔ یہ اپنے اِردگرد تین برعظموں پر پھیلی ہوئی سب سے وسیع سلطنت تھی۔ جس دور میں یہ سلطنت پورے عروج پر تھی تو اس میں امن وخوشحالی، نظم وضبط، صنعت وحرفت، مذہب وفلسفہ، فنونِ لطیفہ، تجارت وکاشتکاری سبھی اپنے پورے عروج پر تھے۔

روم کی ابھرتی ہوئی طاقت نے بحرِ روم کے اِردگرد اُس عہد کی تین بڑی طاقتوں یعنی یونان، مصر اور قرطاجنہ کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے اپنی سلطنت میں

شامل کیا۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مغربی اور وسطی یورپ اور انگلینڈ میں بھی انہوں نے اپنی حکومت قائم کی۔اور یہ اہم کارنامہ انجام دیا کہ جن وحشی اقوام پر قبضہ جما لیا تھا انھوں نے اُن کو تہذیب وتمدن سے آشنا کرنے کی بے حد کوشش کی۔ نیز رومی سلطنت اور تمدن کی سب سے منفرد دین قانون کے میدان میں قرار دی جائے گی۔ وہ اپنے قانون میں ضرورت اور حالات کے مطابق تبدیلی میں خارج ہوتے تھے بلکہ صورت حال میں وقتاً فوقتاً مختلف عوامی اسمبلیاں، اشرافیہ سے چنیدہ سینٹ، سرکاری مصنفین اور سربراہانِ مملکت، حالات کے تحت نئے نئے قانون وضع کرتے اور نافذ کرتے رہتے تھے۔

اس کے علاوہ رومی سلطنت کی یادگار وہ فنِ تعمیر کے نمونے ہیں جن کی ایک بڑی تعداد روم اور اس کے اِردگرد علاقوں میں اب بھی موجود ہے۔ دیوی دیوتاؤں کے مندر، قلعے اور حفاظتی دیواریں، زمین دوز نالیاں، حاکموں اور بادشاہوں کے محلات، تھیٹر اور تماشہ گاہیں سرکاری عمارتیں، پختہ سڑکیں، اور پُل شمالی انگلستان میں رُومی عظمت کی یادگار نشانیاں ہیں۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب:۔

وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب کو عام طور پر موہنجوڈارو اور ہڑپہ کی تہذیب کہتے

ہیں یہ تہذیب تقریباً ایک ہزار برس تک زندہ رہی اس کو دنیا کی سب سے بڑی قدیم تہذیبوں میں شامل کیا جاتا ہے ۔اس میں دو بڑے شہر ۔موہنجوڈارواور ہڑپہ تھے اور دوسری چھوٹی چھوٹی بستیاں جو پورے سندھ پنجاب اور بلوچستان میں پھیلی ہوئی ہیں ۔موہنجوڈارو سندھ کے کنارے آباد تھا اور ہڑپہ دریائے راوی کے کنارے قیاس کیا گیا ہے کہ یہ دونوں شہر وادیٔ سندھ کے ''دارالسلطنت'' تھے ۔موہنجوڈارو زیادہ اہمیت کی حامل ایک تجارتی بندرگاہ تھی ۔

وادیٔ سندھ میں اکثریت اُن لوگوں کی تھی جو گاؤں میں رہتے اور کھیتی باڑی کرتے تھے اور کئی طرح کی کاشت کرتے جیسے گیہوں ،تِل ،جو، رائی وغیرہ اور کہیں طرح کے پالتو جانوروں کو پالتے تھے ۔ جیسے بیل ،بھینس ،بھیڑ ،بکری، اونٹ، گدھے، گھوڑے، کُتے ۔ نیز یہ لوگ کپاس اُگاتے اور سوتی کپڑا پہنتے تھے ۔کپاس اُن کا انمول دھن تھا۔ چنانچہ وہ کپاس اور سوتی ساماں بھیج کر''زرمبادلہ'' کماتے تھے ۔اُس دور میں کپاس کی پیداوار صرف وادیٔ سندھ میں ہوتی تھی ۔اس لئے سنسکرت میں کپاس کو''سندھو''اور یونانی میں سِندون کہتے ہیں ۔

وادیٔ سندھ کے لوگ اناج اتنی مقدار میں پیدانہیں کرتے تھے کہ شہریوں کو خوراک فراہم کر سکے ۔کیونکہ وہ لوگ ہل کے استعمال سے ناواقف تھے اور آبپاشی کی بھی کمی رہتی تھی ۔ وہ لوگ کھیتوں میں سراون (ستھاگہ) پھیرتے تھے ۔لکڑی کے اس

دندانے داراوزار کے پھل زمین میں گہرے پیوست نہیں ہو سکتے تھے ۔جس کی وجہ سے پیداوار میں بہت کمی آجاتی تھی ۔ وادیٔ سندھ میں شہروں کی کمی کا بنیادی سبب یہی ہے ۔ اِن لوگوں میں زمین کسی واحد فرد کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ پوری بستی یا قبیلے کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھی اور یہ نظام آریوں کی آمد کے بعد بھی جاری رہا۔

وادیٔ سندھ کے لوگ تحریر کے فن سے واقف تو تھے لیکن شاید یہ قدیم قوموں کی طرح درخت کے پتوں یا کسی اور چیز پر لکھتے تھے جو وقت کے ہاتھوں خاک ہو کر رہ گئے جبکہ مٹی کی مہروں پر کُھدی ہوئی تصوّیریں اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ فنِ تحریر سے واقفیت رکھتے تھے ۔ یہ نقوش تعداد میں لگ بھگ دو ہزار ہے ۔اوراُن پر کہیں طرح کی علامتیں کندہ ہیں اور کہیں مہریں ایسی ہیں جن پر مچھلی ، پھول، مچھلی کا کانٹہ ، تیر، کمان ، ہاتھ ، کپاس کے پھول ، کنگی ، ڈول ، ہرن ، گینڈا ، ہاتھی ،بیل ، وغیرہ کی علامتیں بنی ہیں اور کہیں مہریں ایسی ہیں جن سے اُن کے رسم ورواج اور فصلوں کی افزائش کا پتہ چلتا ہے۔

وادیٔ سندھ کے لوگ نقش ونگار میں کافی مہارت رکھتے تھے اُن کی مٹی کے برتنوں پر ایسے نقش بنائے گئے ہیں جن کے نمونے آج کی ترقی یافتہ دور میں دستیاب ہیں ۔اس کے علاوہ یہ لوگ زیورات بنانے میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے ۔ چنانچہ ایک معروف محقق سبطِ حسن اس کی جانکاری دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ

> ''اُن لوگوں کو سونے ، چاندی ، تانبہ، ٹن اور جستے کو گلا کر اوزار زیورات بنانا آتا تھا۔ تانبہ اور جستہ راجپوتانہ سے آتا تھا اور چاندی، ٹن اور نیم قیمتی پتھر ایران سے۔ اونچے طبقے کی عورتوں کو آرائش وزیبائش کا بڑا شوق تھا چنانچہ ہڑپہ اور موہن جو دڑو سے سونے چاندی کے بہ کثرت ہار مالائیں ،گلوبند، کڑے، جھومر، کرن پھول، ناک کی کیلیں اور سرمہ دانیاں ملی ہیں۔ کانسے کے آلات میں کلہاڑیاں، اُسترے ، چاقو اور بلّم بھالوں کے چھوٹے چھوٹے پھل دستیاب ہوئے ہیں البتہ ڈھال، تلوار، خُود، زرہ بکتر یعنی جنگی اسلحہ ایک بھی نہیں ملا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کا معاشرہ نہایت محفوظ معاشرہ تھا۔ لوگ بڑے امن پسند اور صُلح جو تھے''۔ [۲۳]

وادیٔ سندھ کا عکس جو تاریخوں اور تحریروں میں نظر آتا ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ معاشرہ نقل وحرکت کی وجہ سے کاروباری ہونے کے ساتھ ساتھ امن پسند بھی تھا جبکہ اُس دور میں دوسرے معاشرے اپنا لوہا منوانے کے لئے دوسروں کو پیروں تلے روند دیتے تھے۔ اس لئے وادیٔ سندھ کی تہذیب بجا طور پر فخر کر سکتی ہے

کیونکہ اُن کی تخلیقات اور تعمیرات میں کسی دوسرے معاشرے کا خون پسینہ شامل نہیں ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ موہن جہ ڈارو اور ہڑپہ والوں نے کوئی بھی یادگار عمارت باقی نہیں چھوڑی ہے اور نہ عالی شان محلات اور مقبرے، انہوں نے کسی بے بس یا کسی بے سہارا کی جھونپڑی کو توڑ کر اپنے لئے راستہ نہ بنایا ہے اور غلاموں کو کوڑے مار مار کر عالی شان محل نہ تیار کئے ہیں جیسا کہ دوسری قوموں نے کیا ہے۔ وہ ایک شائستہ اور مہذب تہذیب تھی جس پر آج بھی فخر کیا جا سکتا ہے۔ اس تہذیب کے متعلق معروف محقق قاضی جاوید یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''جنوبی ایشیاء کا یہ حصّہ دنیا کے قدیم ترین تہذیبی مراکز میں سے ایک ہے۔ آج بھی موہنجوڈارو، ہڑپہ اور دیگر مقامات کے کھنڈرات اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ ہزاروں برس سے یہ علاقہ تہذیب کا مرکز رہا ہے۔'' [۲۴]

وادیٔ سندھ کے دو شہر موہن جہ ڈارو اور ہڑپہ تجارتی مراکز تھے۔ ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ دونوں شہر باقاعدہ ترتیب سے بنائے گئے تھے۔ ہر طرف پکّی عمارتیں بنی ہوئیں تھیں اور ہر گلی میں کوڑے دان بنے ہوئے تھے۔ عمارتیں بالکل ترتیب سے قطاروں میں بنی ہوئیں تھیں اور ہر گھر میں نہانے کا معقول انتظام تھا۔ گندے پانی کے لئے زمین دوز نالیوں کا اہتمام کیا گیا تھا اور صحت وصفائی کا پورا

پورا خیال کیا گیا تھا۔ اِن چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تہذیب بڑی ہی ترقی یافتہ تہذیب تھی۔

وادیٔ سندھ کا پورا معاشرہ مختلف قسم کی برادریوں میں تقسیم ہوا تھا۔ جیسے کمہار، رنگریز، تاجر، بڑھی، جُلاہے، کانسے، نگینہ ساز غرض سبھوں کی برادریاں بن گئی تھیں اس طرح سے وادیٔ سندھ کا پورا معاشرہ طبقوں میں بٹ گیا تھا۔

وادیٔ سندھ میں لکھنے پڑھنے کا ہنر دوسری قدیم تہذیبوں کی طرح پروہتوں، جادوگروں اور اونچے طبقہ کے لوگوں تک ہی محدود تھا اور نچلے طبقے کے لوگوں کے لئے پڑھنا لکھنا گویا شجرۂ ممنوعہ تھا۔ اس کے اثرات اب بھی ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں اب بھی موجود ہیں۔

وادیٔ سندھ کے لوگ برج شناسی ☆ کے فن سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ نیز ان کے یہاں اوزان اور پیمایش کا بھی رواج تھا۔ یہ اوزان پکی مٹی کے بنے ہوئے تھے اور ہر جگہ یکساں طور پر استعمال ہوتے تھے۔ تبدیلیاں ہر وقت اور ہر جگہ ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ انگریزی میں محاورہ ہے کہ .Change is the law of nature اور اس پر ہر ایک اعتراف بھی کرتا ہے لیکن یہاں معاملہ دیگر ہے کہ اس تہذیب کا حیرت انگیز پہلو اُس کی یکسانیت ہے جیسے مشرق، مغرب، شمال، جنوب تک پورے ملک میں ایک

☆ برج شناسی سے مراد علمِ نجوم ہے۔

ہی قسم کے اوزار، برتن، اوزان، زیور، پیمائش یہاں تک کہ ڈیڑھ ہزار برس تک رسم الخط بھی جوں کا توں رہا۔اور نہ اس طویل عرصے کے دوران روزمرہ کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئی یہاں تک کہ کسی بھی چیز میں کوئی بھی تبدیلی نہیں آئی ۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں کوئی ایسی طاقت موجود تھی جس کی وجہ سے یہ یکسانیت ہر طرف پائی گئی ۔شاید محققین کو ابھی تک اس بات کا کوئی ایسا سراغ نہیں ملا ہے جبکہ ایک زندہ معاشرے میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں ناگزیز ہیں ۔

وادیٔ سندھ میں عورت کا مرتبہ مرد سے برتر تھا۔اُن کے نزدیک عورت کی ذات تخلیق کا سرچشمہ تھی ۔ اُن کے یہاں مادری نظام رائج تھا۔ اور یہاں کے باشندوں کے نزدیک عورت کی ذات افزائش نسل و فصل کی محرک بھی تھی اور علامت بھی ۔اس لئے اُن کے سارے عقائد ورسوم مادرِارض کے محور کے گرد گھومتے تھے ۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب ہزار سے زائد برس تک آن بان اور شان سے ان اصولوں پر کاربندرہی اور زندگی گذارتی رہی آخر اس تہذیب میں ترقی کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی اور آریوں کے تسلط نے ایک نئی تہذیب کی راہ ہموار کی جس کے نشانات اب تک باقی ہیں ۔زندگی کا یہی دستور رہا ہے کہ یہ ایک طرف سے اُجڑتی ہے اور دوسری طرف سے بستی ہے اور تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ۔

ے سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں [۲۵]

عرب تمدن:۔

عرب کا لفظی مطلب بنجر یا ویران بنتا ہے ۔[۲۶] عربوں کی زندگی کا ایک بڑا مقصد چراگاہوں کی تلاش قرار دیا جا سکتا ہے۔نخلستان اُن کے لئے بڑی نعمت تھے اور کھجوروں کے علاوہ دوسری طرح کے باغ اِن شجر زاروں میں مشکل ہی سے کہیں نظر آتے تھے۔چٹیل میدان،صحرائی خطے جن میں ریت ہی ریت ہوتی تھی،بنجر پہاڑ اور ریت کے بڑے بڑے تودے اہراموں کی طرح اس سرزمین صحرا میں اِدھر اُدھر تک ملتے تھے اور ہواؤں کے طوفان اُدھر سے اِدھر آتے رہتے ہی تھے۔

عرب کے باشندے بھیڑیں چرانے اور اونٹوں پر سفر کرنے کے علاوہ دوسرے وسائل معاش اور ذرائع سفر کو استعمال ہی نہیں کر سکتے تھے۔کیونکہ کھجور کے علاوہ کوئی دوسرا درخت وہاں نہیں پایا جاتا تھا۔پانی کا نام ونشان دور دور تک کہیں مشکل ہی سے ملتا تھا۔خاردار جھاڑیاں اور پھر معمولی درجے کا گھاس پھوس اس سرزِمین میں دستیاب ہوتا تھا۔وہ بھی کہیں کہیں اور ایسے ہی مقامات کے اِردگرد عرب اپنے خیمے ڈال کر بستیاں بساتے اور وقتی طور پر رہائش اختیار کرتے تھے۔

مویشیوں کا گوشت دودھ، پنیر، اور کھجوران کی غذا تھی۔ وہ اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے اور انھیں بالوں سے اپنے لئے پوشاک تیار کرتے تھے۔اُن کی زندگی بڑی جفاکشی کی زندگی تھی۔شاعری، شہہ سواری اور شمشیرزنی اُن کے خاص مشغلے تھے۔شجاعت اور مہمان نوازی اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

عرب کے دو اہم شہر مکہّ اور مدینہ (قدیم نام یثرب) اُس اہم تجارتی راستے پر واقع تھے جو یمن سے شام کو جاتا تھا۔ مکہّ کے قریب طائف کی بستی بھی تھی۔لیکن طائف دراصل اُمرائے مکہّ کی تفریح گاہ تھا۔ یہ جگہ سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند ہے وہاں پانی کی بھی فروانی ہے اس لئے طائف کا نخلستان سرسبز رہتا تھا لیکن حجاز میں مکےّ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی کیونکہ یہ شہر وہاں کا سب سے اہم تجارتی شہر تھا۔ مکےّ میں ہر سال ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جسے 'سوق العکاز' کہتے تھے۔اس شہر کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہاں خانۂ کعبہ واقع تھا یہ جگہ عربوں کی سب سے مقدس عبادت گاہ تھی۔

عرب میں مختلف قسم کے عقائد رکھنے والے لوگ آباد تھے اوّل مشرکین جو اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو بھی مانتے تھے۔ اور اُن کے بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ دوسرے کفار جو اللہ کو نہیں مانتے تھے بلکہ اپنے قبائلی یا خاندانی دیوتاؤں ہی کی پرستش کرتے تھے اور تیسرے یہودی جو حجاز کے قدیم باشندے نہ تھے بلکہ سلطنت

رومانے جب فلسطین پر قبضہ کیا تھا تو وہاں سے بھاگ کر حجاز یعنی عرب میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ یمن اور شام کے تجارتی راستے پر واقع چھوٹے چھوٹے نخلستانوں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے اور عربوں سے الگ تھلگ رہتے تھے لیکن انہوں نے عربوں کی زبان سیکھ لی تھی۔ وہ اپنی مذہبی کتابیں بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور اہل کتاب ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اور عام عربوں کو جو بُت پرست تھے انہیں حقیر تصوّر کرتے تھے۔ چوتھا گروہ نصاریٰ تھا مگر ان کی آبادی عرب میں بہت کم تھی۔ اور اُن کے بیشتر رہنما دنیاوی زندگی سے دور صحراوں اور غاروں میں راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ پانچواں گروہ وہ تھا جسے اہل مکہّ حنیف کہتے تھے جو صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ پورے عرب میں اکثریت مشرکین کی تھی وہ بکثرت دیوی دیوتاوں کی پوجا کرتے تھے لیکن اُن کا سب سے بڑا معبود اللہ تھا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ عرب میں اللہ کی عبادت کا رواج کافی مدّت سے تھا۔ تمام سامی قوموں میں اِلہٰ خدا کا نام تھا اور عربوں نے اُسے اِلہٰ اور اللہ کہہ کر پکارا۔

مشرقین خدا کو ماننے کے ساتھ ساتھ دوسرے خداوں کی بھی پرستش کرتے تھے جس کے بارے میں ظہور اسلام کے بعد قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہیں کہ

''اَمْ جَعَلُوْ اِللّٰہِ شُرَکَاءَ خَلَقُوْ آلَخَلقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلَقُ عَلَیْھِمْ ط کُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْیءٍ وَّ ھُوَ

الْوَ احِدُالْقَھَّارُ،،[۲۷]

ترجمہ:۔''کیا انھوں نے اللہ کے اَیسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انھوں نے (کسی چیز کو) پیدا کیا ہو جیسے خدا پیدا کرتا ہے ۔پھر ان کو پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا۔ کہئے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست''۔

قرآن پاک میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی فرمایا گیا کہ کائنات کا حقیقی اور اکیلا مالک اور خالق صرف اللہ رب العزّت ہے۔

''قُــلِ الــلّٰـــہ ُخَــالِـقُ کُــلِّ شَیْــیءٍ وَّ ھُــوَ الْوَاحِدُالْقَھَّار۔،،[۲۸]

ترجمہ:۔''کہہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست۔''

چونکہ عرب میں مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے جس کے لئے خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے گئے تھے۔انھوں نے یہ بُت اپنی پہنچان کے لئے رکھے تھے اور کئی بُت مختلف مقامات پر بھی رکھے گئے تھے۔قُریش کا ایک بہت بڑا بُت نامی ھُبل تھا جو چاہِ زم زم کے قریب رکھا گیا تھا۔اور ایک بُت کا نام اللہ تھا۔قریش نے اللہ کی پرستش

بطورِ معبودِ اعلیٰ شروع کر کے وحدانیت کے لئے راہ ہموار کی ۔ اسے اہل مکہٗ دھرتی کے آقا کی صورت میں دیکھتے تھے جس کے لئے یہ لوگ ہر سال نظرانہ پیش کرتے تھے۔

عرب کے بعض علاقوں میں ایسے یہودی قبائل بھی آباد تھے جو آگ کا اس حدتک احترام کرتے تھے جس پر آگ کی پرستش کا گمان ہوتا تھا۔جس طرح سے بیشتر قدیم قوموں میں آگ کو مقدس سمجھا جاتا تھا اور دوسرے قوموں کی طرح یہ لوگ یعنی عرب بے شمار دیوتاوں کی پرستش کرتے تھے جس کے لئے یہ لوگ کبھی کبھی بھینٹیں بھی چڑھاتے تھے۔

عربوں میں نماز کا کوئی طریقہ رائج نہیں تھا یہودی نماز پڑھتے تھے لیکن اُن میں بھی بہت سے قبائل الگ الگ اپنی تہذیبی رسمیں اور مذہبی روائتیں رکھتے تھے ۔ اورعربوں میں نماز کا موجودہ طریقہ ظہورِاسلام کے بعد رائج ہوا جس کو انھوں نے قبول کیا۔

عربوں کے بعض رسوم اور مذہبی عقیدوں میں گہری مناسبت تھی کیونکہ حج کے موقع پر اِن سب کا وادیٔ منٰی میں اِکٹھا ہونا اورسورج کے جلال و جبروت کا مشاہدہ کرنا، ایک ساتھ رسوم ادا کرنا، یہی تو وہ حقیقت تھی جس نے اُن کو روحانی سچائیوں اور قیامت کے عقیدے تک پہنچایا۔

عرب اقوام میں ایسی بھی قوم تھی جو بنی اسرائیل کی طرح مصر میں رہ چکی تھی۔
ان کے وسیلے سے بہت ساری چیزیں عربوں میں منتقل ہوئی تھی۔قدیم مصری چونکہ
(Sun Worshipers) یعنی سورج کے پجاری تھے یہ روایت بھی عرب میں منتقل
ہوئی ہوگی لیکن عرب میں سورج اس قدر تپتا تھا اور اس کی تمازت اس حد تک نا قابلِ
برداشت ہوتی تھی کہ عرب عام طور سے دن کے وقت سفر بھی نہیں کرتے تھے۔اُڑتی
ہوئی ریت اور بکھرتے ہوئے ریت کے ٹیلے اور گرد وغبار کے طوفان ان کے سفر کو
انتہائی تکلیف دہ بنا دیتے ہوں گے۔اسی لئے اُن کے یہاں رات کا تصوّر اس طرح
کی آفات سے بچانے کا تصوّر بھی تھا کیونکہ رات کے سفر میں انسان چاند ستاروں کو
دیکھتا ہے یہی اس کے لئے سمتِ سفر کا تعین کرتے ہیں۔اور مراحل سفر کی طرف
اشارہ بھی کرتے ہیں اسلئے آسمان کی روشنیوں کو آدمی نے نور و سرور کا تصوّر خیال کیا۔

عرب قبیلے جو صحرائی خطوں میں رہتے تھے اور دشت و بیاباں میں اپنی زندگی
گذارتے تھے کشتیاں بنانا اور سمندروں میں سفر کرنا انہیں عام طور سے نہیں آتا تھا۔
لیکن ساحلی علاقوں کے عرّب جہاز بنانے، کشتیاں تیار کرنے اور ان کے وسیلے سے
سمندروں میں سفر کرنے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔اِنھوں نے یہ فن اہل عراق اور
اہل مصر ہی سے سیکھا تھا۔نیز شام اور فلسطین کے ساحلی شہروں سے بھی انہیں اس

ہنرمندی کو سیکھنے میں مدد ملی ہو گی ۔عرب میں رہنے والوں پر مصر،عراق،فلسطین اور وادیٔ سندھ کے تمدن کا اثر پڑتا رہا۔ کیونکہ شام،فلسطین،عراق اور وادیٔ سندھ کے علاقوں میں وہ لوگ تجارت کرنے کی غرض سے جاتے رہتے تھے۔جس کے بارے میں معروف محقق قاضی جاوید یوں رقمطراز ہیں۔

''ہندوستان اور عرب کے باہمی تعلقات ظہورِ اسلام سے صدیوں پرانے ہیں۔انسان کی معاشی ضروریات نے ان تعلقات کو فروغ دیا تھا۔ چنانچہ دونوں علاقوں کے سوداگر درمیان میں حائل سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے مال ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا کرتے تھے۔ یوں ان کے معاشی مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے تھے۔فطری طور پر اس صورتحال میں مال تجارت کے ساتھ ساتھ ثقافتی لین دین بھی شروع ہو گیا تھا۔'' [۲۹]

عرب تمدن پر دوسری تہذیبوں کا بھی بڑا اثر رہا ہے اور بہت سی چیزیں ایک دوسری تہذیبوں میں منتقل ہوتی ہیں جیسے یہ لوگ بھی دوسرے قوموں کی طرح انسانوں کو قیدی بنانا، بیچنا، خریدنا اور اشیائے تجارت کے طور پر دوسرے ملکوں اور

علاقوں کی منڈیوں تک لیجانا اور اُن سے دولت کمانے کا ایک ذریعہ رائج تھا۔ یہ شام،مصراورایران وغیرہ علاقوں میں بطورِخاص رائج تھا۔

عربوں کا معاشرہ ایک مردانہ معاشرہ تھا یعنی مرد کو عورتوں پر برتری حاصل تھی لیکن اُن کے یہاں تین بڑے بُت لات ،منات، عُزا نسوانی کردار یعنی دیویاں تھیں ۔مشرکین کے عقیدے کے مطابق یہ اللہ کی تین بیٹیاں تھی ۔ لات سورج کی دیوی تھی اُس کا بُت طائف میں تھا۔ عُزا کا بُت مکےّ کے ایک مضافاتی بستی میں نصب کررکھا تھا۔ منات مکے اور یثرب کے درمیانی اور ساحلی علاقے کی دیوی تھی ۔لیکن قریش کا نہایت بُزرگ معبود حُبل تھا۔ اس کا بُت کعبہ کے اندر کنویں کے پاس نصب تھا۔ اُن کے یہاں دیویوں کی پرستش کرنا شاید دوسری تہذیبوں کا اثر ہوسکتا ہیں کیونکہ اُن کے یہاں اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا بھی رواج رہا ہے۔ وہ بڑی بے رحمی سے اپنی بیٹیوں کو زمین کے اندر زندہ گاڑھ دیتے تھے۔

عربوں میں غلام اور باندھیوں کا بھی رواج رہا ہے۔ دوسری قوموں کی طرح اُن کے یہاں بھی انسانی قربانیوں کا چلن تھا۔ قدیم تہذیبوں میں بیشتر انسانی قربانیاں دی جاتی تھیں ۔ اور بہت سی قدیم قوموں میں عبادت گاہوں کے ساتھ ساتھ مُتصِل قربان گاہ ہوتی تھی جہاں وہ اپنے دیوتاوں کو بھینٹھ چڑاتے تھے شاید یہ

بھی اُن کے یہاں دوسری تہذیبوں کا اثر رہا ہو۔

عربوں کو ادب کے ساتھ بڑی دلچسپی تھی اور اس دلچسپی کے باعث بہت سارے شعراء لوہا منوانے میدان میں آچکے تھے۔ یہ شعراء خاص طور پر قصیدے لکھتے تھے۔ اُن میں وہ اپنی بہادری کے قصے بیان کرتے تھے۔ اپنی تلواروں اور گھوڑوں کی تحسین و تعریف کرتے تھے۔ اُردو قصیدے کے متعلق ایک معروف محقق سنبل نگار یوں رقمطراز ہیں۔

''قصیدہ ایک شاندار صنفِ سخن ہے اور اس کا ماضی بہت تابناک رہا ہے ۔ سرزمین عرب جہاں قصیدے نے آنکھیں کھولیں اس سے بہت کام لئے گئے۔ کسی شاعر نے اپنے قبیلے کے اوصاف بیان کرکے اس کے افتخار میں اضافہ کیا، کسی گاؤں نے قصیدے میں جگہ پا کے تاریخ کے اوراق میں اپنی جگہ بنالی ، کسی عاشق نے اپنے عشق کی واردات کو قصیدے کا روپ دیکر اپنی داستانِ عشق کو امر کر لیا۔شاعروں کے ذاتی تجربات واحساسات،مناظرِ فطرت، ملکی مسائل......کیا تھا جو عربی قصیدے میں موجود نہ تھا۔''[۳۰]

عبارت کے اس ٹکڑے سے عربی شاعری کی اور افادیت سامنے آجاتی ہے۔

نیز یہ شعراء اپنی شاعری میں اونٹوں کا ذکر اس انداز سے کرتے تھے جیسے وہ اُن کی معشوقائیں ہوں کیونکہ عربوں کی صحرائی زندگی میں اونٹ کو بڑی اہمیت حاصل تھی وہی اُن کے دور دراز سفر کا واحد وسیلہ تھا۔

عرب اونٹنی کا دودھ پیتے تھے اس کا گوشت کھاتے تھے اور اس کے اون کو اپنے کپڑوں اور خیموں کی تیاری میں بھی کام لاتے تھے۔

عرب کے شعراء سیر وسفر کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بناتے تھے۔ اپنے بتوں کی شان یا اُن کی الوہی صفات میں طرح طرح کے بھجن لکھتے تھے۔ اور اُن کے لئے خراجِ تحسین عطا کرتے تھے۔ اُن قصیدوں اور بھجنوں میں کہیں کہیں قبائلی بتوں کا نام بھی آتا تھا۔ اپنے پسندیدہ اشعار کو وہ خانۂ کعبہ کے دروازے پر لٹکاتے تھے۔ ''سبعہ معلقہ'' سات قصیدے جو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکائے گئے تھے اس کی ایک اہم مثال ہے۔

عرب شعراء نے قصیدے کو بڑی وسعت دی کیونکہ وہ شاعری کے گُر سے واقف تھے اس لئے وہ لوگ اپنی شاعری اور زبان پر بڑا فخر کرتے تھے۔ جس کے متعلق مغرب کے ایک معروف مفکر وِل ڈیورانٹ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ

''عربوں نے اپنی زبان کی قدامت اور فصاحت پر فخر کیا،
قلم یا زبان کے ذریعے اس کی نغمگی کو فروغ دیا، اور وجد

کے عالم میں شاعروں کو سُنا جو صحرائی خیموں میں تیوہاروں کے موقعہ پر اُنہیں غیر مختتم قافیوں اور سروں میں اپنے ہیروؤں ،قبیلوں اور بادشاہوں کی جنگوں اور محبتوں کی داستانیں سنایا کرتے تھے ۔عربوں کے شعراء ، اُن کے لئے مورخ ، ماہرین انساب ، ہجوگو، اخلاقیات کے مبلغ، اخبار، کاہن اور جنگ کی پکار بھی تھے اور جب کوئی شاعر کسی مقابلہ شعر گوئی میں انعام جیتتا تو اُس کا پورا قبیلہ فخر مند ہوتا اور خوشی مناتا۔،سالِ عکاذ کے میلے میں سب سے بڑا مقابلہ شعر گوئی منعقد ہوا کرتا تھا قبیلے ایک ماہ تک تقریباً روزانہ ہی اپنے شعراء کے ذریعے مقابلہ کرتے مصنفین تو نہیں لیکن صرف خوش سماعت اور پُر شوق مجمع ہی موجود ہوتا تھا۔انعام یافتہ اشعار کو مرصع حروف میں لکھا جاتا تھا،اسی لئے اُنہیں ''سنہری گیت'' کہا جانے لگا شہزادے اور بادشاہ اُنہیں اپنے خزانوں کے ساتھ سنبھال کر رکھتے۔اہل عرب انہیں ''معلقات'' (معلق کی جمع) کہتے تھے کیونکہ روایت کے مطابق انعام یافتہ اشعار کو مصری

ریشم پر زریں حروف میں لکھ کہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکایا جاتا تھا۔"[۳۱]

عربوں کو موسیقی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی صرف ہاتھ سے بجانے والے آلات، موسیقی میں وہ دف اور بنسری کی ایک سادہ شکل سے واقف تھے لیکن آوازوں کے اتار چڑھاؤ اور اُن کو ادا کرنے میں وہ لوگ کافی مہارت رکھتے تھے اُس کا اندازہ ہم عربوں کے فنِ تجوید سے بھی کر سکتے ہیں۔

عربوں میں جوا کھیلنے کا بہت رواج رہا تھا۔ عورتوں کو حقیر سمجھا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ زمین کے اندر دفن کیا جاتا تھا۔ غرض ہر طرح کی برائی اُس معاشرے میں پائی جاتی تھی ۔ صحیح اور غلط میں کوئی تمیز نہیں کی جاتی تھی غرض پورا معاشرہ اندھیرے میں پھنسا ہوا تھا۔

آخر کار خدا کی رحمت برجوش آئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر اور رسول ﷺ بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا جو پوری کائنات کے لئے رحمت بن کر آئے۔ آپؐ نے اندھیرے کو دور کیا اور ہر طرف نور ہی نور پھیلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آخری نبی ﷺ بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء کی نبوتیں خاص اقوام و خاص زمانوں کے لئے ہوتی تھیں۔ حضور ﷺ کی نبوت نہ کسی خاص جماعت و قوم کے لئے ہے اور نہ خاص

زمانہ کے لئے بلکہ تمام جہاں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔

یہ ہماری تاریخ کا سب سے اہم باب ہے کہ جب اسلام کا آغاز ہوا اور اللہ تعالیٰ نے رسولِ محترم ﷺ کو اس بات پر مامور کیا کہ آپ ﷺ اللہ کی توحید اور آخرت کے عقیدے اور رسالت کی اتباع کی بنیادوں پر انسانی زندگی کی تعمیر از سرِ نو کر دیں۔

یہ ایک حیرت انگیز معجزہ ہے کہ عربوں کے نظریات تبدیل ہو گئے اُن کی قدریں بدل گئیں۔ اُن کے اخلاق بدل گئے اُن کے معاشرتی طریقوں میں عظیم الشّان اصولی تغیر رونما ہو گیا اُن کی تہذیب اور اُن کے تمدن کی روح اور شکل دونوں میں ایک ایسی انقلابی تبدیلی واقع ہوئی جس نے عرب ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی پوری تاریخ کا رُخ بدل ڈالا۔

چنانچہ مختلف تہذیبوں، مذاہبوں اور تاریخوں کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام سے پہلے دنیا میں بہت سارے مذاہب آئے کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد مذاہب کا ظہور ہوا ہے ایسا اس وجہ سے ہوا کہ وسائل کی کمی کے باعث اکثر و بیشتر حالات میں ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کے حالات سے ناواقف ہوتے تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف ملکوں کے مذہبی رہنما صرف اپنے ہی بھائی بندوں کو مخاطب کیا کرتے تھے اور اُن کی

تعلیمات میں مقامی اور وقتی رنگ پوری طرح چھایا رہتا تھا۔

چھٹی صدی عیسوی کے آخر اور ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب اسلام کا ظہور ہوا تو نوعِ انسانی نشونما کے اس مرحلے پر پہنچ چکی تھی جب مختلف ذرائع سے اس وقت کی معلوم تاریخ کے تقریباً ہر ملک کو باہم ایک دوسرے سے واقفیت حاصل ہو چکی تھی اسی باعث پہلی اور آخری بار دنیا میں اس اعلانِ خداوندی کی گونج سنائی دی کہ اب دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور اب اسلام ہی تمام نوع انسانی کا دین قرار پایا ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو ہر قسم کے تعصّبات سے الگ رکھ کر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان سے تکمیل دین کا اعلان کر کے پریشانِ حال نوعِ انسانی پر بہت بڑا احسان کیا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَہ [۳۲]

ترجمہ:۔ ''بےشک اللہ کے رسول ﷺ تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے''

حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ ہمیشہ آسمانی ہدایت کے منتظر رہتے تھے اور اپنے نت نئے مسائل سے خود نپٹنے کے بجائے اس انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو رہنمائی کے لئے بھیجے گا۔ تکمیل دین کے اعلان نے اگرچہ اس دینی انتظار کی کیفیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے ختم کردیا لیکن دوسری طرف خود انسانیت پر یہ ذمہ داری آن پڑی کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنا راستہ خود تلاش کرے۔

تہذیب انسان کے ساتھ ساتھ رہی ہے اسلئے تہذیب اور انسان لازم وملزم ہے یہ ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں پہلے انسان ہے اور پھر اس کے ساتھ تہذیب ہے اگر انسان نہ ہوتا تو تہذیب بھی نہ ہوتی۔ تہذیب انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے جیسے کہ کشمیری زبان کے ایک معروف محقق رشید آفاق یوں اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں۔

''کلچر تہ تہذیب چھُ اکِ قومُک کلُھمُ زندگی'' [۳۳]

تہذیب انسان کے ارتقا کے ساتھ رہی ہے اسی کے ذریعہ کسی ایک خطہ ایک ملک اور ایک دور کے انسانی گرہوں کی شناخت کی جاتی ہے مثلاً سمیرین، مصری، یونانی، عیلامی، فونیقی، سندھی، آریائی اور اسلامی تہذیبیں وغیرہ۔ تہذیب کے آغاز وارتقاء کے بارے میں مغرب اور مشرق کے تصوّرات مختلف ہیں مغرب یہ سمجھتا ہے کہ انسان کو اپنے ارتقا کے آخری مراحل میں تہذیب کی روشنی ملی پہلے وہ بندر پھر جنگلی ووحشی انسان تھا پھر دھیرے دھیرے تہذیب سے ہمکنار ہوا۔ جبکہ اسلام کے مطابق اول روز سے جب حضرت آدم نے زمین پر قدم رکھا، وہ تہذیب کے شعور سے ہمکنار تھے اسلام کے نزدیک انسان کا تصوّر حقیقتِ خدا کی ہدایت کے نتیجہ میں اول روز سے

تھا جو بعد میں نبی آخرالزماںؐ کے وقت اپنی مکمل شکل میں سامنے آیا۔ ماہرین علم الاقوام نے بھی ڈارون کے تصوّر کی تردید کی ہے کہ یہ ابتدائی تہذیب کوئی وحشیانہ زندگی نہیں تھی بلکہ جو لوگ اور جو گروہ اس دنیا سے مٹ گئے ہیں اُن کے بچے کچے آثار آج بھی نمایاں نظر آتے ہیں اُن کے مذہبی تصوّرات سادہ اور اُن کے اخلاق بلند تھے۔

دنیا کا یہ دستور رہا ہے کہ جو بھی قوم، تہذیب وجود میں آتی ہے اپنے معین مدّت کے بعد فنا ہو جاتی ہے آج تک دنیا میں ان گنت قومیں، تہذیبیں وجود میں آکر اپنے نشانات چھوڑ کر مٹ گئیں ہیں۔ پاکستان کے ایک معروف محقق سبطِ حسن اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ''یونانی تسلط کے باعث یوں تو وادی سندھ کے عام باشندوں کے رہن سہن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سوسال کی طویل مدّت میں ہزاروں یونانی سپاہیوں اور دوسرے وابستگان سلطنت نے مقامی گھرانوں میں شادیاں کی ہوں گی اور بابر اور ہمایوں کے ہمراہ آنے والے ترکوں اور ایرانیوں کی

مانند مقامی باشندوں میں گُھل مِل گئے ہوں گے۔ چنانچہ
پنجاب اور سرحد میں آج بھی آپ کو ایسے افراد جا بجا ملیں
گے جن پر یونانی ہونے کا شبہ ہوتا ہے وہی یونانیوں کے
سے ترشے ہوئے نقوش ،وہی نیلی نیلی آنکھیں ،وہی
سنہرے بال اور وہی شہابی رنگ ، نہ جانے کتنی رگوں میں
آج بھی یونانی خون دوڑ رہا ہے ۔قومیں فنا ہوجاتی ہیں
لیکن ان کی تہذیب کے نقوش آنے والی نسلوں کے چہرے
پر دمکتے رہتے ہیں۔'' [۳۴]

تہذیبوں کے یہ سلسلے ابتدا سے اب تک جاری وساری ہے اور یہ سلسلے اَن گنت ہیں کوئی ان کا شمار نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی اِن کا مکمل جائزہ لے سکتا ہے کیونکہ یہ ایک بحرِ بیکراں ہے۔شاید ہم اس کے ایک قطرے سے واقف ہے۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر نہ انتہا معلوم

تہذ یبوں کا یہ مختصر تعارف اسلئے میری ایک ادنیٰ درجہ کی کوشش ہے جس سے ہماری توجہ اس بات کی طرف راغب ہوتی ہے کہ تہذیبیں اپنے ارتقاء اپنے عوامل اور محرکات میں جیوگرافی اور تاریخی ماحول پر جا کر ختم ہوتی ہیں اور اپنے نشانات باقیہ آنے والوں کے لئے چھوڑ جاتی ہیں اس سے نئ قومیں نئ نسلیں بہت کچھ سیکھتی ہیں اور یہ نئے ذہنوں کی تربیت میں کافی مدد دے سکتی ہیں۔

چنانچہ ابتدائے آفرینش سے ہی تہذیبوں کا آپس میں گہرا رشتہ رہا ہے جب ہم مصر، عراق، فیونیشا، یونان، ایران و ہندوستان کی تاریخ پر غور کریں یا نظر ڈالے گے تو اِن رشتوں کو ہم برابر بکھرتے ٹوٹتے اور جڑتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ہر وقت یہ ہمیں دعوت فکر دیتے ہیں۔

وَلَكُمُ فِي الاَرُضِ مُسُتَقَرٌ [۳۵]

ترجمہ:۔اور تم کو زمین میں چند دن ٹھہرنا ہے۔

Ayesha (R.A.A)Reported that the messenger of Allah said Don't abuse the dead because they have found what they had sent forward.(Al-Bukhari) [36]

حوالہ جات

1. "Culture"The new Encyclopaedia of Britanica 1988 vol.16 P.874.

2. "Civilization" 21st Century Practical Oxford English-Urdu Dictionary M.Raza-ul-Haq Badakhshani P.135

۳۔ سید عبدالباری ”مغربی اور اسلامی تہذیب کی اساس“ اور اُن میں تصادم (مشمولہ) ”مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام“ از پرواز رحمانی منشورا ملتان روڑ لاہور ۲۰۰۷ء ص ۸۹۔

۴۔ محمد حسن ”اقبال کے تہذیبی روئے“ (مشمولہ) رسالہ ”شاعر“ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء مدیر افتخار امام صدیقی معاون ناظر نعمان صدیقی ص۔

۵۔ سبطِ حسن ”پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء“ مکتبہ دانیال وکٹوریہ چیمبر کراچی ص ۱۳۔

6. "Culture" 21st Century Practacal Oxford English-Urdu Dictionary M.Raza-ul-Haq Badakhshani P.137.

۷۔ فرہنگ جدید (فارسی) تالیف فریدون کارکا تبِ خانۂ ابن سینا سن ندارد۔

۸۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان ”بیان اقبال - نیا تناظر“ محمد سہیل عمر اقبال اکیڈیمی پاکستان سنہ ۲۰۰۸ء ص ۱۴۱۔

۹۔ پروفیسر انور رومان ''اقبال اور مغربی استعمار'' بزم اقبال لاہور پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذولفقار سنہ ۱۹۹۶ء ص ۳۴۳۔

۱۰۔ القرآن سورہ انبیاءؑ آیت ۳۵ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔

۱۱۔ القرآن سورہ انبیاءؑ آیت ۶۹ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔

۱۲۔ سبطِ حسن ''ماضی کے مزار'' سہمت (صفدر ہاشمی میموریل ٹرسٹ) سنہ ۲۰۱۰ ص ۴۳۔

۱۳۔ سبطِ حسن ''ماضی کے مزار'' سہمت (صفدر ہاشمی میموریل ٹرسٹ) سنہ ۲۰۱۰ ص ۱۴۵۔

۱۴۔ القرآن سورہ یونس آیت ۱۲۵ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔

۱۵۔ کلیات اقبال (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس (سوئی والان دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۴۶۳۔

۱۶۔ کلیات اقبال (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس (سوئی والان دہلی) سنہ ۲۰۰۳ء ص ۱۳۵۔

۱۷۔ سبطِ حسن ''ماضی کے مزار'' سہمت (صفدر ہاشمی میموریل ٹرسٹ) سنہ ۲۰۱۰ ص ۳۲۰۔

۱۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ''پردہ'' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ص ۱۳۔

۱۹۔ عماد الحسن فاروقی ''اسلامی تہذیب وتمدن'' ترقی اُردو بیرونئی دہلی سنہ ۲۰۰۰ ص ۱۰۰۔

۲۰۔ سبطِ حسن ''پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء'' مکتبہ دانیال وکٹوریہ چیمبر کراچی ص ۱۸۰۔

۲۱۔ کلیات اقبال (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس (سوئی والان دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۰۴۔

۲۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ''پردہ'' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ص ۱۵۔

۲۳۔ سبطِ حسن ''پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء'' مکتبہ دانیال وکٹوریہ چیمبر کراچی سنہ ندارد ص ۶۹۔

۲۴۔ قاضی جاوید ''ہندی مسلم تہذیب''، تخلیقات لاہور سنہ جولائی ۱۹۹۵ء ص ۱۴۔

۲۵۔ کلیاتِ اقبال (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئی والان دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۱۴۸۔

۲۶۔ وِل ڈیورانٹ مترجم یاسر جواد ''اسلامی تہذیب کی داستان'' دارالاشاعت مصطفٰی لال کنواہ دہلی سنہ ندارد ص ۱۰۔

۲۷۔ القرآن سورہ رعد آیت ۱۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔ سنہ ندارد

۲۸۔ القرآن سورہ رعد آیت ۱۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔ سنہ ندارد

۲۹۔ قاضی جاوید ''ہندی مسلم تہذیب''، تخلیقات لاہور سنہ جولائی ۱۹۹۵ء ص ۹۔

۳۰۔ سنبل نگار ''اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ'' ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ سنہ ۲۰۰۸ء ص ۱۰۰۔

۳۱۔ وِل ڈیورانٹ مترجم یاسر جواد ''اسلامی تہذیب کی داستان'' دارالاشاعت مصطفٰی لال کنواہ دہلی سنہ ندارد ص ۱۵۔

۳۲۔ القرآن سورہ احزاب آیت ۳ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔ سنہ

۳۳۔ رشید آفاق ''کلچر کیا گو؟'' جیلانی کامرآن محلّہ بابا یوسف سرینگر سنہ ۲۰۱۱ء ص ۱۵۴۔

۳۴۔ سبطِ حسن ”پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء“ مکتبہ دانیال وکٹوریہ چیمبر کراچی ص ۱۳۰ ۔

۳۵۔ القرآن سورہ بقرہ رکوع آیت ۳۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور۔

۳۶۔ ڈاکٹر سجاد میر مترجم ”اقوالِ رسول ﷺ“ عفاف پبلشرز دہلی جولائی ۲۰۰۷ء ص ۲۳۔

﴿باب دوم﴾

مغربی تہذیب کی تشریح وتوضیح

مغربی تہذیب کی تشریح وتوضیح کرنے سے قبل مغرب (West) کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ لہٰذا پہلے مختصر طور پر مغرب کی اصطلاح کا تعارف کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

مشہور مستند انگریزی لغت آکسفورڈ کے مطابق

مغرب: ''دیگر تہذیبوں کے مقابلے یورپ اور اس کا کلچر۔ تاریخی طور پر یورپ اور شمالی امریکہ کے غیر کمیونسٹ ممالک، مشرقی یورپ کے سابق کمیونسٹ ممالک کے مقابلے۔'' [۱]

دوسری انگریزی اُردو لغت کے مطابق

مغرب: ''مشترکہ اداروں اور روایتوں والی یورپی اقوام جو ایشیا کے مغربی جانب واقع ہیں اور مشرق سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔'' [۲]

مغرب ومشرق کا تصور ایک تو اقدار کی بنیاد پر ہے اور دوسرا جغرافیائی محل وقوع کی بنیاد پر ہے اور دونوں کے فرق، اختلاف اور شناخت کو ملحوظ رکھنا بھی

ضروری ہے۔

مغرب کی تعریف کرتے ہوئے ایک مشہور دانشور محمد مسعود عالم قاسمی یوں رقمطراز ہیں۔

''مغرب کے متوازی اپنا ایک مستقل ارضی وجود رکھتا ہے
بلکہ مغرب ایک فکری، معاشی اور سیاسی تہذیب کا نام ہے
جو دوسری تہذیبوں اور قوموں کے مقابلہ میں اپنی نمایاں
برتری اور تفوق کا اظہار کرتی ہے۔'' [۳]

مغربی تہذیب کا واحد ایک ہی مقصد ہے کہ دنیا میں دوسروں کو پیچھے دھکیل دیا جائے اور خود وہ عیش و آرام اور شہرت و ترقی حاصل کرے۔فرد سے لے کر افراد اور افراد سے لے کر قوموں کا یہی اہم مقصد رہا ہے۔

مغرب کی اصطلاح کے بارے میں مزید جانکاری دیتے ہوئے ایک مشہور مسلم اسکالر ثناء اللہ یوں رقمطراز ہیں۔

''مغرب اس خطّے کو کہتے ہیں جو یورپ اور شمالی وجنوبی
امریکہ پر مشتمل ہے۔یورپ تو زمینی اعتبار سے ایشیا سے ملا
ہوا ہے پھر بھی موسم اور جغرافیائی ماحول کے اعتبار سے ایشیا
سے مختلف ہے وہاں تمدن ایشیا کے مقابلے میں بعد میں
پروان چڑھا۔'' [۴]

جب مشرقی بیدار تھے تو مغربی اقوام خفتہ تھیں اور جب مسلمانوں پر نیند طاری ہوئی تو مغربی اقوام صدیوں کی نیند سے چونکیں اور تب سے اب تک مسلسل ترقی کی راہوں پر تیزی سے دوڑ رہے ہیں ۔لیکن ترقی کے زینے طے کرتے کرتے انہوں نے اخلاقی قدروں سے انحراف کیا جس کی وجہ سے اُن کا معاشرہ مختلف مسائل سے دوچار ہو گیا۔

برِصغیر کے ایک عالم اور ماہر نفسیات اکرام اللہ یوں اظہار خیال کرتے ہیں ۔

''اعلیٰ قدریں ہی انسان کو بہائم سے ممتاز کرتی ہیں اور اُسے چوپاؤں کی سطح سے بلند ہو کر زندگی گزارنے کا شعور عطا کرتی ہیں اور زندگی میں سوز و گداز پیدا کرتی ہیں ۔ قدریں (Values) ہی وہ بنیاد ہیں جن پر کردار کی تعمیر کی جاتی ہے ۔قدریں ہی افراد کی زندگی کو بامقصد بناتی ہیں اور اچھے بُرے، نیک و بد، صحیح اور غلط کا شعور پیدا کرتی ہیں۔'' ۵

گذشتہ چند صدیوں میں عالمی پیمانے پر قدروں میں زبردست تبدیلیاں واقع ہوئیں اور نئی نسل نے فرسودہ قدروں کو ترک کرنے کے سلسلے میں اس قدر تیزی سے کام لیا کہ بہت سی بنیادی اخلاقی قدروں کو بھی غیر ضروری اور فرسودہ قرار دیتے

ہوئے پسِ پشت ڈال دیا جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں انتشار اور بدامنی پھیل گئی اور یہ سب کچھ مغربی تہذیب کی دین ہے۔

آج کی اصطلاح میں مغرب محض ایک خطہ نہیں بلکہ وہ ایک مخصوص تہذیب اور مستقل اقدار کا نمائندہ ہے۔ یہ تہذیب اور اقدار مغرب کی پیش کردہ اور پروردہ ہیں اس لئے مغربی کہلاتی ہیں۔

مغربی تہذیب: ۔تہذیب مغرب، تہذیب حاضر، تہذیب فرنگ، دانشِ حاضر یا دورِ حاضر سے مراد ہے یورپ کی تہذیب جس کی بنیاد مادیت اور انکارِ خدا پر رکھی گئی ہے یہ تہذیب حرص اور عقلی تمدنی نظریات کا مرقع ہے۔لادینی اور وطنیت اس کا ایک اہم ثبوت ہے اور یہ تہذیب پوری طرح سے اسلام کے خلاف ہے۔

برصغیر کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے اس مفہوم کو پیش کرنے کے لئے عصر حاضر، تہذیب حاضر، ایوانِ فرنگ، دورِ حاضر وغیرہ جیسی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں۔

اقبالیات کے مشہور ومقبول شارح یوسف سلیم چشتی تہذیب مغرب کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

''دور حاضر۔علامہ کی خاص اصطلاح ہے اس کے لفظی معنی تو بالکل واضح ہے یعنی موجودہ زمانہ یا وہ دور جو ہمارے

سامنے ہے یا بیسوی صدی لیکن اس سے مراد ہے وہ
الحاد،تشکیک اور بے دینی جو ''تہذیب مغرب'' کا ثمر نورس
ہے جس نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر
شعبہ کو متاثر کر دیا ہے جس کی وجہ سے مسلمان ۔ اسلام اور
قرآن دونوں سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ تہذیب مغرب
کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ خدا پرستی کی جگہ بُت پرستی کو فروغ
ہو رہا ہے۔'' [6]

کلام اقبال میں جا بجا ایسی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جیسے ۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت [7]

مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں گرفتاری [8]

مغربی مما لک یوں تو عیسائی مذہب کے ماننے والی قوموں پر مشتمل ہیں ان
کے پاس جو کچھ بھی عیسائی مذہب کے اعتبار سے ملا تھا اس کی وجہ سے لوگ مذہبی

اقدار سے وابستہ تھے لیکن جدید تحقیقات اور علوم وسائنس نے اُس کا ساتھ نہ دیا اس لئے مذہب بیزاری کی وبا تیزی سے پھیلی تو جدید سائنس کو بھی مذہب بیزاری کی راہ پر دھکیل دیا گیا۔

صنعتی انقلاب کے بعد سائنس وٹکنالوجی کی حیرت انگیز ایجادات نے مادی راحت وآسائش کی بے شمار ایسی چیزیں بنادیں جنہیں دیکھ کر عام انسان مرعوب ہو گئے اور اسی تہذیب کے شیدائی اور پرستار بن گئے اور اپنے اور اپنے ملک کی ترقی کے لئے اسی کو ماڈل ماننے لگے لیکن مشرق کے چند دانشوراور اربابِ بصیرت مغربی تمدن کی اس ظاہری چمک دمک سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس کی خامیوں پر تنقید کرتے رہے۔ ایسی شخصیتوں میں ایک ممتاز شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ جنہوں نے اپنے زمانہ قیام یورپ (۱۹۰۵۔۱۹۰۸) میں اس تہذیب کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور اپنے گہرے مطالعہ نیز مشاہدہ کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچے کہ جوقوم ''فیضانِ سماوی'' سے محروم ہو اس کے کمالات کی حد برق و بخارات تک ہی محدود رہتی ہے۔

؎ وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم

حداس کے کمالات کی ہے برق و بخارات [9]

علامہ اقبال چونکہ مغرب کے فکری اور علمی سرچشموں سے نہ صرف براہ راست

فیضیاب ہو چکے تھے بلکہ انھوں نے اپنی طالب علمی کے دوران ہی یورپ کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا یوں وہ ایک سو سال پہلے مغرب کی دانشوری کے مسائل اور امکانات سے بخوبی آگاہ تھے اور انھوں نے اُن کی چیرہ دستیوں سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یورپ کی تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کی مرتکب ہو جائے گی اور شاخ نازک پر وہ جو آشیانہ تعمیر کر رہے ہیں وہ بہرحال اپنی ناپائیداری کے سبب گر کر چکنا چور ہو جائے گا۔

ے تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپایدار ہوگا [۱۰]

اس طرح اقبال کی مومنانہ فراست نے اُسی وقت یہ اندازہ لگالیا تھا کہ یورپی تہذیب اپنی ظاہری خوبیوں کے باوجود اخلاقی، روحانی اور ثقافتی اقدار کی محرومی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گی۔

آج اگرچہ یورپ مادی ترقی اور تکنیکی پیش رفت کے اعتبار سے کافی آگے ہے لیکن اُن کے یہاں صالح قدروں کے فقدان کی وجہ سے ہر طرف ایک زبردست ذہنی پراگندگی اور قلب ونظر کی رنجوری دکھائی دے رہی ہے اس ذہنی پریشانی اور قلب ونظر کی رنجوری سے وہاں بے حیائی، بے چینی اور آوارگی کے تمام مظاہر موجود ہیں جو اصل میں اس تہذیب کو مسمار کرنے کے لئے کافی ہیں اس لئے دیگر مشرقی مفکرین

جہاں مغرب کی ظاہری چمک دمک کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں وہاں علامہ اقبال مغربی تہذیب کی بنیادی جڑوں پر ایسی گہری نظر رکھتے ہیں جس کی بنا پر وہ اس کے جارحانہ عزائم اوراس کے بیانک انجام کی کھل کر پیشن گوئی کرتے ہیں۔

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام !وائے تمنائے خام [11]

جب بھی کوئی قوم خدا کی مُنکر ہو جاتی ہے تو اُن پر کسی نہ کسی طرح کی ناگہانی آفت آجاتی ہے چنانچہ عادؔ اور ثمودؔ کے زمانہ سے لے کر رومی اور ایرانی اقوام تک تاریخ عالم کا مطالعہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔

علامہ اقبال عصری تقاضوں سے واقف تھے مگر وہ مغربی چمک دمک کو بھی محسوس کر رہے تھے جس میں مکر وفریب کے سوا کچھ نہ تھا اور جسے شراب زندگی کا نام دیا جا سکتا ہے کیونکہ علامہ کو مغربی تہذیب کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کا تکلیف دہ احساس تھا۔ چنانچہ ضرب کلیم کی ایک مختصر نظم بہ عنوان ''مغربی تہذیب'' میں وہ اس تہذیب کی عکاسی یوں کرتے ہیں۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیّت کی رہ سکی نہ عفیف

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک وخیالِ بلندو ذوقِ لطیف ۱۲؎

اس نظم میں علامہ اقبال نے مغربی تہذیب پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ مغربی تہذیب سراسر لادینی پر مبنی ہے اس لئے اس تہذیب کی روح پاکیزہ نہیں ہوسکتی۔ اور جو تہذیبیں ان کی حامل ہیں اُن میں بلند خیال اور ذوقِ لطیف پیدا ہو ہی نہیں سکتا جس کی وجہ سے وہ تہذیبیں تباہی کی اور بڑھ رہی ہیں۔

علامہ اقبال یورپ کی تمدنی وسائنسی ترقی کے معترف تھے اور اس سے اکتساب واستفادے کے قائل ہی نہ تھے بلکہ ملت کی حیاتِ نو کے لئے اُسے ضروری بھی سمجھتے تھے مگر مجموعی حیثیت سے یہ خدا بیزار تہذیب اقبال کی نظر میں ''فسادِ قلب ونظر'' کا نمونہ تھی۔

خطبات میں ایک جگہ کہتے ہیں

''یقین کیجئے یورپ سے بڑھ کر آج انسان کے اخلاقی ارتقاء میں بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں''۔۱۳؎

(Europe today is the greatest hinderance in the way of mans ethical advancement.)

علامہ اقبال مغرب کی خامیوں کے ساتھ ساتھ اس کی خوبیوں سے بھی واقف

تھے اور اس پر رشک بھی کرتے تھے کیونکہ وہ اس اصول پر کاربند تھے کہ اچھائی کو لے لو اور بُرائی کو چھوڑ دو۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حکمت کی بات مومن کا گُم شدہ مال ہے، جہاں بھی وہ اس کو ملے وہ اسی کا حق ہے! اسی لئے علامہ کا خیال تھا کہ علم جہاں بھی ملے فرنگ ہو یا چین اسے حاصل کرنا چاہیے۔

علامہ اقبال کے ہمعصر اور ماہر اقبالیات خلیفہ عبدالحکیم اپنی مایہ ناز کتاب ''فکرِ اقبال'' میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ''اقبال کی خواہش یہ تھی کہ علم وفن یورپ میں حاصل کرو، لیکن روحانیت اور اخلاقیات کا جو سرمایہ تم کو اسلام نے عطا کیا ہے اس بیش بہا وراثت کی قدر کرو، تا کہ تم شرق وغرب دونوں سے افضل اور مکمل تہذیب وتمدن پیدا کرسکو۔''[۱۴]

علامہ اقبال کے کلام میں خیالات کی وسعت ہیں۔ان ہی خیالات نے اقبال کو عظیم بنا دیا ہے۔مغربی تہذیب کو انھوں نے اگر قریب سے نہ دیکھا ہوتا، اس میں جو کشمکش ہے اس کا صحیح اندازہ نہ لگایا ہوتا، اس کے اندر جو تضادات ہیں اُن کا شعور اگر انھوں نے حاصل نہ کیا ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ اس قسم کے خیالات پیش نہیں کر سکتے تھے۔

چونکہ اقبال کے یہاں مشرقی خصوصاً اسلامی تہذیب کی عظمت کا احساس بے

حد شدید تھا اسی احساس نے مغربی تہذیب کے صحیح خد و خال ہمارے سامنے بے نقاب کر دئے اور ان دونوں تہذیبوں کے مقابلے اور موازنہ نے اقبال کو فکر و شعر کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کر کے صحیح معنوں میں ایک دیدہ ور نقاد بنا دیا۔ چنانچہ انھوں نے مغربی تہذیب کے ابتدائی خد و خال دیکھتے ہی ایک صدی پہلے جو پیشن گوئی کر دی تھی وہ عصر حاضر میں بالکل سچ ثابت ہوئی۔

ؔ یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرِجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات!

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت!
پیتے ہیں لُہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بیکاری و عُریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیّت کے فتوحات؟ ۱۵ے

بال جبریل کی اکثر غزلوں میں علامہ اقبال نے فرنگ کے تئیں زبردست غصّے اور بے زاری کا اظہار کیا ہے حالانکہ اس کے پہلو بہ پہلو نہایت حکیمانہ اور عارفانہ اشعار بھی نظر آتے ہیں جیسے

ے اِک دانشِ نورانی، اِک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی ۱۶ے

علامہ اقبال کے یہاں تنگ نظری نہیں ہے۔مغربی تہذیب اور مغربی فکر کا اُن پر اثر ہے کیونکہ وہاں کی روشنی علم و ہنر سے انھوں نے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھا۔انھوں نے اس تہذیب کے اچھے اور برے پہلوؤں پر نظر رکھی ہے اور اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔

چنانچہ علامہ اقبال کی خود نوشت ڈائیری (Stray Reflection) میں جو علامہ نے ۱۹۱۰ء میں تحریر کی ہے لکھتے ہیں۔

''مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ہیگل ،گوئٹے ،

مرزا غالب، مرزا عبدالقادر بیدل اور ورڈس ورتھ سے بہت
کچھ لیا ہے۔ اول الذکر دونوں شاعروں نے ایشیا کے
''اندرون'' تک پہنچنے میں میری رہبری کی۔ تیسرے اور
چوتھے نے مجھے یہ سکھایا کہ شاعری کے غیر ملکی تصورات
کو جذب کرنے کے بعد بھی جذبہ واظہار میں کیسے مشرقیت
کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ اور موخرالذکر نے میری طالب
علمی کے زمانے میں مجھے دہریت سے بچا لیا''۔ ۲۷

اس کے باوجود علامہ مغربی تہذیب سے مرعوب نہیں ہوئے کیونکہ اُن کا دل ایمان کے نور سے منور تھا اور اُن کے سامنے اسلامی اور مشرقی تہذیب کی وہ عظیم روایت موجود تھی، جس کو انھوں نے زندگی بھر عزیز رکھا اور آخر دم تک انھوں نے اپنی فکر کے لہو سے اس کی آبیاری کی اس لئے اس کی آنکھیں اس کی ظاہری چمک دمک سے خیرہ نہ ہو سکیں۔ "The clash of Civilization......" کے مترجم محمد شفیع خان شریعتی یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

''علامہ اقبال نے جس تہذیب کی خاکہ کشی کی ہے اس کی
اساس قرآنی تعلیمات پر ہے۔ وہ ''مغربی تہذیب'' کی
چکا چوند سے مرعوب اور گمراہ ہوئے بغیر انسانیت کی وہ

تصویر سامنے رکھتے ہیں جو انسان کے شایانِ شان ہے۔ وہ
جغرافیائی، لسانی، لونی، قومی و وطنی اور دوسری ناپائدار اور
انتہائی پست درجہ بنیادوں پر مبنی تہذیبوں کو انسان کے لئے
ناموزوں سمجھ کر ایسی تہذیب کا خاکہ پیش کرتے ہیں جس
کی بنیاد احترامِ آدم پر ہو۔'' ۱۸

مغرب والے مادیت کے اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ ان کی نظر میں انسان بھی ایک مادی شے بن گیا ہے۔ احترامِ آدم اور اخلاقی قدروں کا وہاں فقدان پایا جاتا ہے۔ اُن کے نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار مادی کامیابی ہے۔ مغرب کی بنیادی فکر مادیت نے روح کے بجائے مادہ، خدا کے بجائے کائنات، آخرت پر دنیا کو مقدم رکھ کر اور غیب کے بجائے حقایق پر اصرار کر کے دورِ حاضر میں نئے شرک کو جنم دیا ہے۔

علامہ اقبال کی نگاہ میں مغربی تہذیب میں حکومتوں کی وسعت اور اقتدار کے باوجود ایک بے چینی اور اضطرابی کا دائمی احساس موجود ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی ہر طرف نظر آتی ہے مگر دلوں میں روشنی کی کوئی کرن موجود نہیں۔

دراصل اقبال نے یورپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ بظاہر یورپ میں علم و ہنر کی روشنی بہت ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس لادینی تہذیب میں مادیت کا غلبہ ہے۔

برصغیر کے ایک معروف عالم دین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی یوں رقمطراز ہیں۔

''اقبال نے اس پر بہت زور دیا ہے کہ لادینی تہذیب کی اساس ہی دین و اخلاق کی دائمی دشمنی پر ہے اور ہر زمانے میں مادیت کے بتکدے میں نئے بُت تراشنا اس کا محبوب مشغلہ ہے، ''مثنوی پس چہ باید کرد'' میں فرماتے ہیں کہ یہ بے خُدا تہذیب ہمیشہ اہل حق کے ساتھ نبرد آزما رہی ہے، یہ فتنہ روز گار حرم میں لات و عُزیٰ کے صنم کو جگہ دے کر ہمیشہ نئے نئے فتنے پیدا کرتا رہا ہے، قلب اس کے سحر سے بے بصیرت اور روح سراب تشنگی سے ہلاک ہو کر رہ جاتی ہے، اس سے دل کی تب و تاب ہی نہیں ختم ہوتی بلکہ قلب ہی اس سے خالی ہو جاتا ہے۔''[19]

مغربی تہذیب کے فروغ کا نقطۂ آغاز پندرہویں صدی میں ہوا۔ اس تہذیب نے روحانیت سے توجہ ہٹا کر دولت کی طرف توجہ دی۔ آہستہ آہستہ سے اس تہذیب نے اپنی شناخت یہ بنائی کہ یہ تہذیب صرف دولت کے انبار جمع کرنے کا فن سکھاتی ہے۔

اس تہذیب میں فرد کی آزادی، جمہوریت، انفرادی ملکیت، قانون کے

سامنے سب کی برابری اور فرد کی انفرادیت کے تحفظ کو اپنے امتیازات میں شمار کیا مگر مادیت نے اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا۔ یہی مادیت ،لادینیت، وطنیت اور مساوات پر مبنی یہ جدید تہذیب ہے۔

یہ تہذیب دنیا تو سنوار سکتی ہے لیکن آخرت میں سرخ روئی حاصل کرنے کی تدبیر نہیں بتا سکتی۔اسی لئے علامہ بار بار ایسے اشعار دوہراتا ہے ؎

سُرور و سوز میں ناپایدار ہے ،ورنہ
مئے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں ناصاف! [۲۰]

کہتے ہیں کہ ادنیٰ قسم کے مغربی علوم بھی بہت ہی فائدہ مند ہیں لیکن ان کا فائدہ عارضی ہے اور یہ آخرت میں ہمیں کسی قسم کا فائدہ نہیں دے سکتے ہیں الغرض مغربی علوم سے دنیا کی ہر خوشی تو مل سکتی ہے لیکن آخرت درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تہذیب روحانیت سے خالی ہے۔

اس کے بارے میں معروف ماہر اقبالیات خلیفہ عبدالحکیم یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اور فرنگ روحانیت کی طرف لوٹتا نظر نہ آیا تو اقبال تیس برس تک اس پیشن گوئی کو دہراتا چلا گیا مجھے فرنگ رہ گذر سیل بے پناہ کی زد میں آتا ہوا دکھائی

دیتا ہے۔اس کا تمدن سُست بنیاد ہے اور اس کی دیواریں
شیشے کی ہیں، جو ایک دھماکے سے چکنا چور ہو جائیں گی۔
عقل بے عشق کی مموری، دل کی خرابی میں اضافہ کرتی گئی۔
غیب کی منکر دانشِ حاضر انسان کے لئے عذاب بن گئی
محسوسات کے ادراک کے لئے آنکھیں روشن ہوتی گئی
لیکن دورِ انسان سے نمناک نہ ہوئیں۔'' ۲۱

بال جبریل کی ایک غزل میں علامہ نے موخرالذکر خیال کی عکاسی یوں کی ہے۔

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پُر کار و سخن ساز ہے! نمناک نہیں ہے ۲۲

مغربی تہذیب کی ایک اہم خرابی خود پرستی اور فرد کو اس کی ذات تک محدود رہنے کی خامی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک رہنے کے لئے پیدا کیا ہے اسلئے اس خود پرستی کی بیماری یعنی (Individualism) کی وجہ سے یہ تہذیب ایک دوسرے کا دُکھ درد بانٹنے سے بالکل محروم رہی ہے۔ ہر فرد کی یہ آزاد زندگی انھیں بہت مہنگی پڑ گئی۔اس تہذیب نے ڈارون کا انسان نُما حیوان کُھلا

کا کُھلا چھوڑ دیا نہ اس کو خدا کا خوف رہا نہ ماں باپ کا اور نہ کسی اور کا۔آزادی کا یہ متوالا انسان دیو کی شکل اختیار کر گیا جسے کسی بھی چیز کا امتیاز نہ رہا۔

تہذیب مغرب نے پوری دنیا کا نظام درہم برہم کر دیا ہے۔ برصغیر کے ایک محقق احمد سجاد مغربی لوٹ کھسوٹ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

''مغربی نظام فکر نے محض انسانی آبادی اور تاریخ وتہذیب ہی کو نہیں بلکہ پورے ماحول اور کائناتی توازن واعتدال کو بھی بگاڑ کے رکھ دیا ہے کیونکہ تین ابدی صداقتوں یعنی خدا، کائنات اور انسان کے وہ منکر ہیں ان کے یہاں ان تینوں صداقتوں کے درمیان متوازن رشتے کا کوئی تصور ہی نہیں پایا جاتا۔جس کے نتیجہ میں تین انسانی رشتوں (یعنی مرد کا عورت سے،فرد کا اپنے نفس سے،اور مرد کا مرد سے) میں معتدل اور منصفانہ ربط وتعلق کا فقدان پایا جاتا ہے۔سائنس اور مادی علوم نے جائز وناجائز،حرام وحلال،حق وباطل، اسراف وتبذیر،صحیح وغلط کے تمام روایتی اور اخلاقی عوامل وامتیازات کو مٹا کے رکھ دیا۔لمحاتی خوشی اور مادی خوشحالی کی ہوس ایسی بڑھی کہ دریاوں،سمندروں، پہاڑوں،جنگلوں،

جانوروں پرندوں ،آبی ذخائر اور خلائی فضا کی صدیوں

تک لوٹ کھسوٹ جاری رہی۔'' ۲۳

مغربی تہذیب کو سیاسی وسائنسی برتری نے بھی بہت ہی مغرور بنا دیا ہے وہ اپنے بغیر پوری دنیا کے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں اسلئے دوسروں پر ظلم کرنا، اُن کے اموال پر قبضہ کرنا وہ اپنا جائز حق سمجھتے ہیں۔ اسی طرح وہ مشرقیت اور مشرقی روایات کو ختم کر کے مغربی معاشرہ برپا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ مغربی تہذیب کو صرف اسلام سے خطرہ لاحق ہو رہا ہے جیسا کہ ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں ابلیس یہ کہتا ہے کہ

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشترا کی کوچہ گرد

یہ پریشاں روز گار، آشفتہ مغز ،آشفتہ ہُو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمّت سے ہے

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو ۲۴

چنانچہ دوسرے حصہّ میں وہ اسلام کی وہ خصوصیت بیان کرتا ہے جن کی بنا پر اسے اپنے نظام کی شکست کا اندیشہ اور خوف لاحق ہے۔

اسلئے تیسرے حصہ یعنی آخر میں وہ اپنے مشیروں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہمیں صرف اسلام سے خطرہ ہے اس لئے تم سب اس کوشش میں لگے رہو کہ مسلمان اسی طرح

اسلام سے بے گانہ رہے جس طرح ایک ہزار سال سے بیگانہ چلا آرہا ہے۔ چنانچہ اُن سے کہتا ہے۔

مست رکھو ذکر وفکرِ صبح گاہی میں اِسے

پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اِسے ۲۵

مغربی تہذیب چونکہ ایک لادین تہذیب ہے وہاں توحید کی دعوت کا کوئی دیرپا اثر قائم نہ رہ سکا۔ پورا مغرب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا منکر ہو کر شرک میں مبتلا ہو گیا۔ جب حضرت عیسیٰؑ کی توحید کی دعوت وہاں پہنچی تو انہوں نے اُس کو بھی ایسا کا تیسا کر دیا۔ اسلئے تثلیث والی شرک آمیز عیسایت نے ہی وہاں فروغ پایا۔ اور دھیرے دھیرے مذہب کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہ رہا۔

مغربی تہذیب کے پاس عیسائی مذہب جو کچھ بھی تھا اس کے سبب وہ لوگ مذہبی اقدار سے وابستہ تھے اور ہفتے میں ایک دن چند گھنٹے عبادت کے لئے وقف کرتے تھے لیکن آگے بڑھ کر جدید تحقیقات نے اس جھوٹے مذہب کا ساتھ نہ دیا۔ اس لئے مذہب بیزاری کی وبا تیزی سے پھیلی اور علوم وسائنس کو بھی مذہب بیزاری کی راہ پر دھکیل دیا۔ جس کے نتیجے میں مغربی مفکرین نے مذہب کو شخصی زندگی کے اندر محدود کر کے اپنی پوری اجتماعی زندگی اور علوم عامہ کو لامذہب اور سیکولر بنا کر رکھ دیا ہے۔

تہذیب جدید نے انسانوں کو مذہبی اصولوں اور پاکی کی عائد کردہ تنظیمات

سے آزاد کر دیا ہے اور یہ انہیں ہر ممکنہ طریقہ سے مادیت پرستی اور خدا بیزاری کی ترغیب دیتی ہے۔

مفکر انسانیت علامہ اقبال مغربی تہذیب کی اس ہلاکت خیزی کے بارے میں یوں فرماتے ہیں

ہوئی دین ودولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری [۲۶]

چونکہ مغربی تہذیب کا بنیادی ستون مادیت ولادینیت ہے جس میں روحانی اوراخلاقی قدروں کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے بنیادی انسانی اقدار کا سر چشمہ خشک ہوگیا، انھوں نے حُب اللہ کی جگہ حُبِ نفس، حُبِ آخرت کی جگہ دنیا اور شریعت الٰہیہ کی جگہ تمام تر سرمایہ دارانہ اقتصادیات کے اصول پر انحصار کیا۔

حالانکہ پیارے نبی ﷺ کے ذریعہ جب اللہ تعالیٰ نے خالص توحید کی دعوت کو پھر سے مستحکم کیا تھا تو وہ لوگ اس کی عظّمت کو برداشت نہ کر سکے دشمنی اورنفرت کا طوفان اُن کے اندر پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے یہ لوگ توحید کی شمع کو بجھانے کی سازش میں جُٹ گئے۔

چونکہ مغربیوں کے دل ودماغ میں حسد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اسلئے اسلام سے دشمنی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ روز بہ روز لوگ اسلام کی آغوش میں پناہ لے رہے

ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ متفکر ہیں کہ کہیں اسلام ان پر غالب نہ آئے ۔اس خوف سے وہ اسلام کے فروغ کو اپنے لئے زبردست خطرہ سمجھتے ہیں علامہ اقبال نے مغربی ابلیس کی خوفزدگی کی تصویر اس شعر میں کھینچی ہے:

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں ۲۷

اِن ہی اسباب کی وجہ سے یہ لوگ مغربی نشاۃ ثانیہ کے بعد اسلام کو زیر کرنے اور مٹانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

چونکہ مشرق میں (ہندوستان میں) بھی انھوں نے ظلم واستحصال کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا تعلیمی نظام رائج کیا جہاں بقول لاڈ میکاے (Lord Mackalay) شکل وصورت کے لحاظ سے مشرقی لیکن ذہن وطبیعت کے اعتبار سے مغربی انسان پائے جانے لگے جہاں نہ اخلاقی قدریں ہوں نہ روحانیت اور نہ معرفتِ اللہ۔

برصغیر کے ایک مشہور عالمِ دین سید ابوالحسن علی ندوی یوں رقمطراز ہیں

''اقبال نے جب اپنی بصّیرت سے جدید نظام کا جائزہ لیا تو انھیں چند بڑی کمزوریاں اور خامیاں نظر آئیں جنھیں انھوں

نے اپنی تنقیدی اوصاف گوئی کا نشانہ بنایا اور حاضرین تعلیم
کو اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ، وہ جہاں مدرسہ اور
طالب علم کے جرم کا ذکر کرتے ہیں ، وہاں اس سے مراد
مغربی مدارس اور اس کے طلبہ ہی ہوتے ہیں'' ۔ ۲۸

مغربی تہذیب والے اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں کیونکہ یہ مذہب بے زار لوگ ہیں جس کی بنیاد صرف مادیت اور ظاہری چمک ودمک پر ہے یہ سمجھتے ہیں کہ صرف وہی حکمرانی کے حقدار ہیں وہ اپنے علاوہ کسی کے (یعنی Super Power اللہ تعالیٰ) کنٹرول کو برداشت کا مزاج نہیں رکھتے اس لئے خدا پرستی اور خدائی نظام اُن کو پسند نہیں آیا وہ مکمل آزادی کے خواہاں اور دوسروں پر مظالم کے متمنی ہیں ۔

برصغیر کے ایک مسلم اسکالر ثنا اللہ مغرب کی جارحانہ عمل کی نقاب کشائی کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں ۔

''یورپ ہی کے باشندے شمالی امریکہ میں گئے اور وہاں کی
غیر متمدن انسانی آبادی کو کُچل کر خود اُن کی سرزمین کے مالک
بن بیٹھے ایسا ہی آسٹریلیا میں بھی ہوا ۔ وہاں کی آبادی پس منظر
میں چلی گئی اور علمی ،فکری اور سیاسی سطح پر یورپ کے لوگ

چھا گئے اس لئے سیاسی اور فکری رجحان میں یورپ اور ان
ممالک کے اندر یکسانیت پائی جاتی ہے۔''۲۹

مغربی تہذیب کو مادیت نے اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ یہ اخلاقی اور روحانی پہلو سے اس قدر بیزار اور بے فکر ہو گئی کہ اس نے دنیا کی کمزور قوموں کو اپنے پیروں تلے روند دیا۔ انھیں ڈرا دھمکا کر اپنے قابو میں رکھنے کا طرز عمل اختیار کر لیا۔ اور دوسروں کو ترقی کے خواب دکھا کر اپنے جال میں پھنسا کر اپنی اور راغب کیا۔ جس کی وجہ سے انسان بلند روحانی مقاصد حیات سے غافل ہو گیا اور مادی آسائش اور دنیاوی عیش و عشرت ہی کو مقصدِ زندگی سمجھنے لگا۔ اسی لئے شاعرِ مشرق مسلمانوں سے خطاب کر کے کہتے ہیں کہ اپنا زاویہ نگاہ آفاقی بنا اور مادیت سے بلند تر ہو جا ؎

گر چہ ہے دلکشا بہت حُسنِ فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گذر! ۳۰

مغرب کے متعدد مفکر اپنی تہذیب کی اس خامی کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور متفکر بھی ہیں۔

اِن مفکرین اور دانشوروں کا ایک بہت ہی بڑا اور منظّم گروہ بن گیا ہے جو آئندہ صدی میں اسلام کو مغرب اور بالخصوص امریکہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ

پیش کرنے میں مصروف ہے۔

چنانچہ اس گروہ کے ایک لیڈر سموئیل پی ہنٹنگٹن یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''تہذیبوں میں صرف مغربی تہذیب کا دوسری ہر ایک تہذیب
پر ایک زبردست اور بعض اوقات تباہ کُن اثر رہا ہے'' ۳۱؎

مغربی تہذیب ایک ایسی تہذیب ہے جس نے اپنے اور پرائے کا لحاظ نہ رکھ کر بہت سے فلاسفروں کو بھی راہ سے بھٹکا دیا کیونکہ یہ تہذیب صرف اور صرف مادیت پر مبنی ہے۔ جب علامہ اقبال پر یہ بات واضح ہوگئی کہ نطشؔہ کا دماغ شوپنؔ ہاور کے ملحدانہ افکار سے متاثر ہو گیا تھا لیکن اُن کا دل کسی محبوب حقیقی کی تلاش میں بیتاب تھا تو علامہ کو بہت افسوس ہوا تھا۔ کہ کاش نطشؔہ حضرّت مجدد الف ثانی کے عہد میں پیدا ہوا ہوتا تو اُن کے فیضِ صحبت سے اسے ایمان کی دولت حاصل ہو جاتی اسی لئے علامہ بڑے افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ

اگر ہوتا وہ مجؔذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے! ۳۲؎

علامہ اقبال کی نظر میں مردِ کامل کی پیروی اور صحبت سے ہی انسان منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے چونکہ مغربی مفکرین نے مذہب کو شخصی زندگی کے اندر محدود کر کے

اپنی پوری زندگی اور علومِ عامہ کو لا مذہب اور سیکولر بنا دیا ہے۔ اُن کی نظر صرف مادیت اور اقتصادیات پر ہے۔ اُن کا معاشرہ ظاہر سے تو چمک دار اور روشن ہے لیکن اُن کا باطن تاریک ہے اور اُن کا دل نورِ ایمانی سے خالی ہے یعنی جس قدر روشنی نظر آتی ہے اسی قدر تاریک ہے۔ یہ سب بجلی کے چراغوں کی روشنی ہے ظاہر میں اُن کے پاس سب کچھ ہے باطن میں کچھ بھی نہیں اسی خیال کو علامہ نے یوں پیش کیا ہے ؎

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی برّاقی! ۳۳

کلام اقبال کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں اقبال دنیا کی نجات اسلامی اصولوں کی اشاعت میں مضمر سمجھنے لگے تھے اسی لئے انھوں نے مسلمانوں کے اندر جوش پیدا کرنے کے لئے بہت سی نظمیں لکھیں اور مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی سے آگاہ کیا۔

مغربی تہذیب اس اعتبار سے مشرق اور اسلام سے مختلف ہے کیونکہ اس کی پُشت یونان اور روما ہیں اس کی ترکیب و کیفیت میں یہ حقیقت سب سے زیادہ روشن ہے کہ یونان کی روایت، اس کی آزادی، اس کا علاج، اس کا غیر مذہبی اور دنیا دارانہ زاویہ نگاہ، اس کی تنقید اور انسانی عقل وادراک کے تمام واقعات اور حقایق

بے تکلیف اور آزادانہ تنقید ہی وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مغربی دنیا کا وجود ممکن ہو گیا ہے۔

یونان میں فلسفہ کے آغاز سے پہلے اور بہت حد تک کسی ایسے مذہب اور عقیدے کا ثبوت نہیں ملتا جو علم وحی سے براہ راست مستفید ہوا ور جس میں یونانیوں کی اخلاقی و معاشرتی رہنمائی کی صلاحیت ہو۔

جبکہ مسلمانوں کی تاریخ شاندار بھی ہے اور جاندار بھی، صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ شاندار تاریخ رکھتی ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگوں کے کارناموں کی نسبت ایسا یقینی علم حاصل کر سکتی ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے۔

مغرب نے علوم وفنون خصوصاً سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے وہ قابل رشک ہے حالانکہ یہ دولت انھوں نے مسلمانوں سے ہی حاصل کی ہے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا محمد تقی امینی صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''مغرب نے تشکیلی مراحل میں مشرق سے کافی استفادہ کیا ہے لیکن اس کی نفسیاتی بنیادیں براہِ راست یونانی ورومی تہذیب سے منتقل ہوئی ہیں۔''[۳۴]

اہل مشرق خصوصاً مسلم ممالک نے مغرب کی تہذیب وتمدن کے خراب اور مُضر پہلوؤں کی اندھا دھند تقلید کر کے اسلامی معاشرے کے اجزائے ترکیبی کو درہم

کر دیا ہے اور اس اندھی پیروی سے اقوامِ مشرق ذہنی جمود وسکوت میں گرفتار ہوا ہے۔ اور علوم وفنون کے اصول سے اکثر مشرق نے مُنہ موڑ لیا ہے جبکہ مغرب نے علوم وفنون اور خاص کر سائنس کے میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے اور تسخیر کائنات کا فریضہ جس کی قرآن حکیم میں بار بار تاکید کی گئی ہے مسلمانوں کے بجائے اہل مغرب نے سرانجام دے کر بحر و بر اور فضائے آسمانی پر اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے۔ چونکہ مغرب کے اہل علم سائنس داں تسخیر کائنات کے مقصد کو جو فلاح و بہبود بنی آدم ہے، ہدایت ربانی سے محروم ہونے کی وجہ سے بھول چکے ہیں اور سائنسی ترقی کو انتہائی مہلک ہتھیار، ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کو بنا کر اور استعمال کر کے انسانی تباہی اور بربادی کے سامان پیدا کر لئے ہیں۔ کیونکہ ان کا جنون قوّتِ فکر کا نتیجہ ہے نہ کہ قوّتِ ذکر کا۔ علامہ نے اس خیال کو یوں بیان کیا ہے۔

ے ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک

اگر چہ مغربیوں کا جنوں بھی تھا چالاک ۳۵

مغرب کے خلاف مسلم دنیا ہی نہیں ہے بلکہ پوری عالمِ انسانیت میں اس کے خلاف نفرت کا رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور مغرب میں بھی بہت سے ایسے محققین ومفکرین بھی یہ محسوس کر رہے ہیں جو بحیثیت مجموعی مغرب کے استحصالی طرز عمل سے سخت

متنفر ہیں۔اگر چہ مغرب میں ہرطرف ترقی ہی ترقی ہوئی ہیں۔علامہ اقبال اُن کی ترقی کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا؟
دماغ روشن ودل تیرہ ونگہ بیباک! ۳۶

علامہ اقبال نے مغربی فلسفیوں میں کانٹؔ، ہیگل، مارکس، نٹشے برگساں وغیرہ سب ہی کا عمیق مطالعہ کیا اور اُس مطالعے میں بہت سارا وقت صرف کیا۔اُن میں جو انھوں نے خوبیاں دیکھی اُن سے استفادہ بھی کیا۔ بانگ درامیں بہت سی اخلاقی، روحانی اور جذباتی نظمیں ایسی دیکھنے کوملتی ہیں جوانگریزی ادب سے ماخوذ ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ کہیں کہیں پرانھوں نے مغربی مفکرین سے انحراف بھی کیا ہےاوراستفادہ بھی۔جیسے شوپن ہار نے کہا تھا کہ نابغہ ہر شخص نہیں ہوسکتا۔فطرت یہ عطیہ اپنے خاص بندوں کو ہی دیتی ہے اقبال اس سلسلے میں اُن سے متفق ہیں۔

جرمن مفکر گوئٹے سے بھی علامہ متاثر تھے کیونکہ گوئٹے نے ''نغمۂ محمدؐ'' کے نام سے ایک عمدہ نظم لکھی ہیں اور اقبال نے اس سے متاثر ہوکر ''جوئے آب'' لکھی اور علامہ نے گوئٹے کی ''پیامِ مغرب'' کے جواب میں پیامِ مشرق لکھی ہے۔اس کے باوجود علامہ مغربی تہذیب کے سب سے بڑے نقاد ہیں جس نے اپنے طالبِ علمی

کے زمانے میں ہی مغرب کو ہدفِ تنقید کا نشانہ بنایا اس کی وجہ مغرب کی تاریخ اور تہذیب کا تجزیاتی مطالعہ اور مشاہدہ تھا جس کی وجہ سے یہ بات اُن پر عیاں ہوئی تھی کہ یہ تہذیب ،فتنوں فسادوں، ہنگامہ آرائیوں اور ظلم واستحصال کی ایک داستان ہے۔عیسائیوں کی آپس کی آویزشوں نے مغرب میں کیا کچھ نہیں دیکھا، انسانوں نے ملکوں اور قوموں کی صورتیں اختیار کر کے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا۔اوران جنگوں نے بڑی ہی بھیانک صورتیں اختیار کرلیں۔

نیز مغرب نے نو آبادیاتی نظام جگہ جگہ قائم کر کے انسانوں کو زنجیروں میں باندھ لیا جو تاریخ میں فراموش نہیں کیا جائے گا۔اس کے علاوہ خود مغرب میں سرمایہ ومحنت کی کشمکش جیسے طبقاتی تفریق نے جو کچھ بھی دکھایا وہ بھی کبھی تاریخ بُھلا نہیں سکتی اور پھر نظریات کی جنگ شروع ہوگئی اور ہر ایک زندگی سے بیزار ہوگیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے فرانس اور پھر روس میں انقلابات آئے۔اور نئے نظام سے آشنائی ہوئی۔ علامہ کو کارل مارکس سے جو دلچسپی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اصول اسلام کے ساتھ بعض جزوی مشابہت رکھتے ہیں اور وہ اس انقلاب سے خوش بھی تھے۔اِسی لئے انھوں نے یہ کہا ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیِ رفتار! ۳۷

ایسا صرف علامہ نے ہی محسوس نہیں کیا تھا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سرمایہ داروں نے مزدوروں کو اپنا غلام بنا کراُن کا استحصال کیا تھا جیسا کہ علامہ نے محسوس کیا ہے

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدّر میں سجود

ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام ۳۸

مغربی تہذیب کے اشترا کی رجحان کی مزاج دانی کے زیر اثر اقبال نے متعدد خوبصورت نظموں کو تخلیق کیا ہے۔ اُردو میں اُن کی نظمیں ''خضرِ راہ''، ''لینن خدا کے حضور میں''، ابلیس کی مجلس شوریٰ ایسی نظمیں ہیں جو انہیں مغربی تہذیب کا ایک انسان دوست شاعر ثابت کرتی ہیں۔

اقبال نے جس روایت اور راستے کو اپنایا وہ نہ صرف مسلم سماج بلکہ عالم انسانیت کے لئے اہم اور ضروری ہے اُن کی فکر عالمگیر حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس کو کسی محدود اور تنگ نظریے کی چار دیواری میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال کے افکار ونظریات کے بارے میں ہمیشہ ہی اختلاف رہا۔ ایک جماعت نے اقبال کو اسلام تک محدود کیا تو دوسرے نے صرف مغرب و یونان کے نظرئے کو لے کر انھیں مغربی سمجھا۔ اس یک رُخے انداز کو رد کرتے ہوئے پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں

''اعلیٰ شاعری کسی فلسفے یا تائید یا تردید کا نام نہیں، ایک بڑا

وسیع المطالعہ شاعر دوسروں کے نظریات کو پسند بھی کر سکتا
ہے اور ناپسند بھی۔ دوسرے بڑے شعراء اور فلسفیوں کے
افکار سے اثر پذیر بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی''۔[۳۹]

مغرب کی ذہنی تاریخ میں کارل مارکس اور نٹشے کی بڑی اہمیت ہے۔ طاقت کا تصور اقبال کی طرح نٹشے کے یہاں بھی ہے لیکن اقبال کا مردِ مومن نٹشے کے فوق البشر سے بالکل مختلف ہے۔ اقبال کے مردِ مومن میں وہ طاقت ہے جو اس کو انتہائی بلندی پر پہنچاتی ہے۔ نیز علامہ نے اس میں اسلامی آب و رنگ بھر کر اس میں انسانیت پیدا کی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ دونوں فرد کی مخفی قوتوں کو ابھارنا چاہتے ہیں۔

کسی بھی تہذیب و تمدن کو جلا بخشنے یا پست کرنے میں مفکرین کا ہاتھ ہوتا ہے۔ مغربی تہذیب جو آج کل برائیوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں اس کے ذمہ دار بھی متعدد مغربی مفکرین ہیں جنھوں نے اخلاق کی دھجیاں اُڑا دی ہیں، شرافت ملیا میٹ کی ہے، اعلیٰ قدریں دفن کی ہیں۔ سماجی معاشرتی، مذہبی غرض ہر طرح کے قانون بے اثر کر دیئے ہیں۔ جیسے فرائیڈ نے بوتل میں بند جن کو باہر نکالا جس نے تمام دنیا کو روند ڈالا، مارکس نے عورتوں کو گھروں سے باہر نکالا۔ فرائیڈ نے سماج کو جنس کی آلودگیوں کے جال میں پھنسا دیا اس کے یہاں اخلاقی ضمیر کا کوئی وجود نہیں اس کی نظر میں ضمیر فطری جذبات کے کچلے جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی نظر میں

اخلاق بدترین جُرم کی پیداوار ہیں۔

اسلئے سگمنڈ فرائیڈ نے نفسیات کا سہارا لے کر ڈارون کے جانور نما انسان کے ذریعہ صدیوں سے ابھرنے والی زندگی کو تباہ و برباد کردیا۔

دوسرے یہودی عالم ڈرکائیم ہے جس کے نزدیک اخلاق، شرافت عقیدہ و مذہب، شادی اور بیاہ، خاندان اور گھر سب بکواس ہیں اس کی نظر میں جو کچھ بھی ہے اجتماعیت اور ماحول کے مطابق ہی گذارنی چاہیے۔

مارکس، فرائیڈ اور ڈرکائیم کے نظریوں کی وجہ سے متضاد قوموں کے درمیان دائمی کشمکش برپا ہوگئی کہیں اقتصادی اور سیاسی نظام کی کشمکش ہے تو کہیں کسانوں اور زمین داروں کی کہیں بیٹیوں کی کشمکش ہے تو کہیں زن وشوہر کی، کیونکہ مارکس نے عورتوں کو مردوں کا غلام بتایا اور اس غلامی سے نجات کا ذریعہ خود کفالتی بتایا۔

اِن کے نظریات تو بظاہرا لگ الگ ہیں لیکن مقصد ایک ہی ہے۔ دونوں کے چیلے اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے زیادہ طاقت اور مادی وسائل حاصل کرنا چاہتے ہیں دونوں عوام کے اخلاق کو تباہ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ جنسی فلمیں، کتابیں، گانے، شرمناک تصویریں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مخلوط محفلوں کے ذریعے جی بھر کر نفساتی جذبات کو ابھار رہے ہیں۔ تا کہ عوام برائیوں میں ڈوب جائے اور کوئی انھیں لگام دینے والا نہ ہو۔ ڈارون کے چیلوں چمچوں نے انسان جس کو اللہ

تعالیٰ نے اشرف المخلوقات یعنی (Super Creature) بنایا تھا حیوان سے بھی بدتر کر دیا۔

چنانچہ مغربی تہذیب نے آسمانی رہنمائی اور اخلاقی و دینی قدروں سے آزاد ہو کر اپنی پسند اور رجحان کی قدروں کو اختیار کیا اس سے ان لوگوں کی سیرت میں انارکی پیدا ہوگئی اور اس طرح کے رجحانات آہستہ آہستہ پیدا ہو گئے جو جانوروں کی آزادانہ زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان من مانے رجحانات کو اُن کے اہل قلم نے بھی اپنی علمی و عقلی دلیلوں سے مناسب اور صحیح قرار دینا شروع کر دیا۔لیکن حقیقت حقیقت ہوتی ہے۔سیرت و اخلاق کی انارکی نے جو نتائج پیدا کیئے اور جو صورت حال بنی وہ بڑی ہولناک اور افسوس ناک ہے۔

مغربی تہذیب نے جب دنیا کے مختلف حصوں میں غیر معمولی فوجی کامیابیاں حاصل کیں اور اپنی فوجی برتری کا سکہّ بٹھا دیا تو اسے یہ خود فریبی لاحق ہوگئی کہ اس کی تہذیب سب سے اعلیٰ وارفع تہذیب ہے۔ٹوائن بی کے الفاظ میں اپنے دورِعروج میں تہذیبوں کی یہ خود فریبی انہیں اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور لا فانیت کا یہ سراب انھیں بہت سی خرابیوں کا شکار بنا دیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرًا [40]

ترجمہ:۔ بیشک اللہ اس سے محبت نہیں کرتا جو مغرور اور فخر کرنے والا ہو۔

مغرب کے متعدد مفکر بڑھتی ہوئی اس خرابی سے متفکر ہیں، انسانی اقدار کی پامالی، استحصال، جنسی انارکی، ماحول کی آلودگی وغیرہ جیسی پریشانی سے وہ جلد نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ ایک نوبل یافتہ دانشور جارج برناڈ شاہ نے کب کا اس بات کا کھلے طور پر اعتراف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ

" England in Particular and the rest of western Europe in general are bound to embrace islam"

(خصوصی طور پر انگلستان اور عمومی طور پر بقیہ مغربی یورپ بالآخر اسلام قبول کرلیں گے)

عصر حاضر میں یہ بات سچ ثابت ہوئی ہے کہ مغرب کے بہت سارے لوگ آئے دن اسلام کی آغوش میں پناہ لے رہے ہیں اگر اسلام کی صحیح تفہیم اور مسلمان اپنے اعمال کی درستی کریں تو ایسے لوگوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوسکتا ہے۔

آریہ اور بُدھ مت تہذیبیں

قدیم ہند مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں کا گہوارہ تھا۔ یہ مختلف قومیں اور تہذیبیں ایک ہی اصول پر کار بند تھیں اور اس ایک اصول کو سبھی تہذیبیں اور قومیں مانتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تاریخ مذاہب ہند میں یورپ یعنی یہود ونصاریٰ کی تاریخ مذاہب کے مقابلے میں ہند کے مختلف مذاہب کے درمیاں فرقہ وارانہ تصادم اور اشاعت مذاہب اور عقائد میں جبر اور تشدّد کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

جغرافیائی اعتبار سے آج قدیم ہند کے نقشے میں کافی تبدیلیاں آئی ہیں جدید دور کے وہ ممالک جو ہند میں تھے اُن کے نام ہیں پاکستان، ایران کا بیشتر حصہ، روس کا کچھ حصہ، بنگلہ دیش، برما، سری لنکا، تبت جس کا زیادہ حصہ چین میں ہے پاک مقبوضہ کشمیر اور نیپال کا کثیر حصہ۔ قدیم ہند کا جغرافیائی رقبہ کئی صدیوں تک اسی طرح رہا تھا۔

ہند کے اصل باشندے دو گروہوں میں منقسم تھے جو اونچی اور نیچی (پاک اور ناپاک) سے جانے جاتے تھے۔

آریہ تہذیب:۔

آریہ کسی نسل یا قوم کا نام نہیں بلکہ آریہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کا آبائی وطن ایران تھا انھوں نے دو ہزار قبل مسیح کے لگ بھگ ایشیا کی چراگاہوں سے نکل کر جنوب مغربی ایشیا کا رُخ کیا تھا۔ چونکہ اُن لوگوں کو اپنی برتری کا بڑا گھمنڈ تھا اس لئے وہ اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے۔

اُردو میں آریہ کے لغوی معنی عزت دار یا بزرگ ہے۔ [41] سنسکرت میں آریہ کے معنی اونچی ذات، شریف اور آزاد کے ہیں۔ آریہ گائے، بیل، بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور اُن کی زندگی کا انحصار انہیں مویشیوں پر تھا۔ گھوڑا اُن کی سواری کا جانور تھا۔ اُن کی پوشاک اونی ہوتی تھی۔ عورت اور مرد دونوں پگڑی باندھتے تھے۔ اُن کے سر کے بال کافی لمبے ہوتے تھے البتہ عورتیں چوٹیاں رکھتی تھیں۔ گوشت اُن کی اہم غذا تھی سوم رس یہ لوگ مذہبی رسموں کے وقت پیا کرتے تھے۔

آریوں کی تہذیب ایک قبیلہ واری تہذیب تھی مگر وادئ سندھ کے برعکس قبیلہ اور خاندان دونوں کے سربراہ مرد ہوتے تھے۔ اُن کے گھر لکڑی یا گھاس پھوس کی بڑی بڑی جھونپڑیاں ہوتی تھیں یا نمدے کے خیمے۔ گھرانے کے سب لوگ ایک ہی گھر میں رہتے تھے ہر گھر میں ایک ''اگنی شالہ'' ہوتا تھا اور ایک ''زنانہ خانہ''۔ گھر کے مالک کو وہ ''دم پتی'' کہتے تھے۔ آریہ گروہ تین ذاتوں پر مشتمل تھا لیکن قدیم

معاشرہ ہند دو طبقوں میں **منقسم** تھا۔ اول تو وہ طبقہ جو ہند کے اصل باشندے تھے دوسرا آریہ جو غیر ملکی تھے۔ آریہ تہذیب میں عورت کا درجہ مرد سے کم تھا۔ پھر بھی ''رِگ وید'' میں اُن رشیوں کے بھجن موجود ہیں جو عورتیں تھیں۔ آریوں میں عام طور پر ایک مرد کو ایک ہی عورت سے شادی کرنے کا رواج تھا لیکن بیواوں کی دوبارہ شادی کرادی جاتی تھی اُن کے یہاں ستی کا رواج نہ تھا۔

آریوں کے مذاہب کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک ویدک اور دوسرا غیر ویدک۔ اِن ادیان کے متعلق جید عالم ڈاکٹر ذاکر نا یک مزید جانکاری دیتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اب آریائی مذاہب کو مزید دو اقسام میں بانٹا جاسکتا ہے اول ویدک اور دوم غیر ویدک۔ ویدک مذہب کو عام طور پر ہندومت اور برہمنیت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جبکہ غیر ویدک مذاہب میں سکھ مت ، بدھ مت، جین ازم وغیرہ شامل ہیں۔ تقریباً تمام مذاہب میں پیغمبروں کا تصوّر موجود نہیں''۔[۴۲]

آریائی تہذیب میں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں تھی لیکن اُن کا معاشرہ تین طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ چھتری ، برہمن اور ویش۔ اول چھتری جو قبیلے کی سرداری

کرتے تھے۔ دوم برہمن جو مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور تیسرے ویش جو مستری، بڑھی، کانسے وغیرہ ہوتے تھے یا کھیتی باڑی کرتے تھے۔ تینوں طبقوں میں آپس میں شادی بیاہ ہوتا تھا۔ پیشے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ بلکہ ہر شخص آزاد تھا کہ جو پیشہ چاہے اختیار کرے۔ آریائی قوم کے یہ تینوں طبقے اپنے آپ کو اعلیٰ تصور کرتے تھے اس کے برعکس غیر آریہ یعنی ہند کے اصل باشندے داس یعنی غلام کہلاتے تھے اور یہی بعد میں نچلہ طبقہ یعنی شودر کہلانے لگے۔ جس کے بارے میں ہمارے ایک معروف محقق اسلم بابر علی یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''آریہ قوم ہند میں داخل ہوئی اور اس نے یہاں کے اصل باشندوں سے گھل مل کر اپنی ایک بہت اچھی شاخ بنالی اور ہند کے ذرخیز علاقوں نے انھیں یہاں کے اصلی باشندوں کے ساتھ غداری کرنے پر مجبور کر دیا جس کی وجہ سے آریہ ہند نے آریہ ایرانی گروہوں کو ہند کی طرف مائل کیا اور مستقل طور سے آریہ ہند میں اپنا جائے وطن بنانے کا خواب پورا کرنے لگے۔ ہند کے اصل باشندوں سے جنھیں داس یعنی غلام کہتے تھے ان سے ان کا حق چھیننا شروع کر دیا''۔ [۴۳]

آریہ تہذیب کے کئی محبوب مشغلے بھی تھے۔ جیسے گھوڑ سواری، گھوڑ دوڑ، رتھوں کی دوڑ اور جنگلی جانوروں کا شکار وغیرہ رتھوں کی دوڑ میں بھی گھوڑوں کو ہی استعمال کرتے تھے۔ یہ لوگ پانسہ پھینک کر جُوا کھیلنے اور لوک ناچ کے بھی بہت شوقین تھے۔

آریہ چونکہ گلہ بانی اور خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے تھے اس لئے یہ قبیلے کسی ایک مقام پر ٹھہرا و کر کے نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جب ایک چراگاہ میں چارے گھاس کی قلت ہونے لگتی تو یہ اپنے مویشیوں کو لے کر کسی دوسری چراگاہ میں ڈیرے ڈال دیتے تھے۔ خانہ بدوشی کی اس زندگی کے باعث اُن میں نہ مورتیوں کی پوجا کا رواج تھا اور نہ وہ مستقل عبادت گاہیں تعمیر کرتے تھے۔ البتہ اُن کے مذاہب میں مظاہر قدرت کو دیوتاوں کا مرتبہ حاصل تھا۔ وہ اُن دیوتاوں کی خوشنودی کے خاطر بھجن گاتے اور جانوروں کی قربانی کرتے تھے اُن کے سب سے بڑے دیوتا ورُنا (آسمان) اگنی (آگ) وایوُ (ہوا) اور مترا (مہر سورج) تھے اُن کا سب سے بڑا دیوتا وَرُنا تھا اور رگ ویداُن کی مذہبی کتاب تھی جس کے بارے میں پاکستان کے ایک مشہور محقق سبطِ حسن یوں رقمطراز ہیں۔

''ہند آریاؤں کی سب سے مقدس کتاب رِگ وید ہے۔
رگ وید میں کل ۱۰۱۸ بھجن ہیں جو ۱۵سو قبل مسیح اور ایک
ہزار قبل مسیح کے درمیان وادیٔ سندھ میں مرتب کئے گئے

تھے۔ یہ بھجن اگنی (آگ) سورج، ہوا، اندر اور دوسرے
دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں''۔۴۴؎

آریہ تہذیب میں مادرِ ارض کی پوجا نہیں کی جاتی تھی جیسے کہ دوسرے قدیم تہذیبوں میں دیکھنے کو ملا ہے۔ ایسا اس وجہ سے تھا کیونکہ آریہ تہذیب میں عورت کا مقام نسبتاً پست تھا اُن کے معاشرے میں برتری مردوں کو ہی حاصل تھی خواہ وہ انسان ہو یا دیوتا۔ اس لئے اُن کے بڑے دیوتا سب مرد تھے۔ اس لئے ہر فیصلہ مرد ہی لیتے تھے۔

آریہ تہذیب میں ہتھیاروں کی بڑی اہمیت تھی۔ ہتھیار اُن کی طاقت کا اہم جُز تھا۔ اُن کے خاص ہتھیار تلوار، نیزہ، تیر کمان، تبر، گرُز تھے۔ اُن کے تیروں کے پھل زہر میں بُجھی ہوئی سینگ کی نوک کے ہوتے تھے یا تانبے اور لوہے کے۔ اُن کا ایک جنگی آلہ ''پور چر شنو'' (شہر کو چھلنی کرنے والا) تھا۔ اس جنگی آلہ سے شہر کی دیواروں اور پھاٹکوں کو توڑا جاتا تھا۔ یہ لوگ رتھوں میں سوار ہو کر لڑتے تھے۔ اُن کے دور میں رتھوں کی بڑی اہمیت تھی۔

آریہ تہذیب کی آمد وادیٔ سندھ میں دو ہزار قبل مسیح میں شروع ہوئی اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ یہ لوگ مقامی باشندوں کو زیر کرتے اُن کی زمینوں اور دوسری چیزوں پر قبضہ کر کے اُن کو غلام بنا لیتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ پورے

ملک پر چھا گئے اور جب وادئ سندھ میں جگہ نہ بچی تو اُن کے کئی قبیلوں نے وادئ گنگ وجمن کا رُخ کیا اور پورے ملک میں چھا گئے۔

آریوں کی آمد کی وجہ سے وادئ سندھ میں ایک نئی تہذیب وارد ہوئی اور ہر طرف سے تبدیلی رونما ہوئی لیکن انہوں نے یہاں کے قدیم زرعی نظام کو نہیں بدلا بلکہ زمین بدستور گاؤں یا مشترکہ لوگوں کی ملکیت رہی۔ کہا جاتا ہے کہ رگ وید میں بھی کہیں زمین کے بٹوارے یا خرید وفروخت کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ آریوں نے قدیم سندھ کے طریقہ کار کے بجائے زمین داری میں نئے تجربے کروائے۔ انہوں نے زمین کی جتائی کے لئے ہل اور بیل کا استعمال شروع کیا۔ اُن کے ہلوں میں لوہے یا کانسے کے پھل لگے ہوتے تھے اِس کی وجہ سے زرعی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا۔ یہ چیزیں وادئ سندھ کے باشندوں کے لئے نئی تھی۔

آریوں کو شہری زندگی کی کوئی بھی واقفیت نہیں تھی اور وہ بند فضا کو پسند بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ ابتدا سے ہی اِن کو خانہ بدوشانہ زندگی کی عادت تھی جس کا اثر اُن میں اب بھی موجود تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ رِگ وید میں بھی شہر (نگر) کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی اور مویشیوں کو پالنا پسند کرتے تھے۔ گاؤں کے مکھیا کو وہ لوگ ''گرامنی'' کہتے تھے۔

آریوں کی مذہبی کتاب ''رگ وید'' کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ یہ

دنیا کی سب سے قدیم کتاب ہے اور یہیں یعنی وادیٔ سندھ میں تصنیف ہوئی تھی۔ یہ کتاب بھجنوں کا مجموعہ ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ اُن بھجنوں میں جابجا ایسے واقعات کا ذکر بھی آتا ہے جن میں آریوں کی تہذیب کے خدوخال صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ''رگ وید'' کے علاوہ اور بھی تین وید ہیں۔ ''سام وید'' ''یجرُوید'' ''اتھروید'' اِن میں ''رگ وید'' کے اشلوکوں کی دُھنیں، جادومنتر کے نسخے اور مذہبی رسموں کی ادائیگی کے طریقے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

آریوں کو تجارت کرنے میں کوئی واقفیت نہیں تھی اسلئے یہ کام بدستور مقامی لوگ ہی انجام دیتے تھے۔ اُن کے یہاں چیزیں مبادلے کے اصول پر خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ اُس وقت تک سکہّ ایجاد نہیں ہوا تھا۔ لیکن دھات کا ایک مخصوص وزن کا ٹکڑا رائج تھا جسے ''نِشکا'' کہتے تھے۔

آریوں کا دیوتا ''اندرا'' دریاؤں کے بند توڑ کر اُن کے کھیتوں کو غرقاب کر دیتا تھا مگر وہ افزائشِ نسل وفضل کے جادو سے ناواقف تھا۔ اس نسخے کا علم تو فقط دھرتی ماتا (شکتی) اور شیوا (پرش) کو تھا۔ جن کی پرستش مقامی باشندے کرتے تھے۔ اور یہی وہ سماجی ضرورت تھی جس نے آریوں کو دھرتی ماتا اور شیوا کی پرستش کرنے اور افزایشِ نسل وفصل کی رسموں کو اپنانے پر مجبور کر دیا۔ دھرتی ماتا کو پاروتی، اُما درگا اور جگدمبا کا لقب ملا اور اندرا کو سناسیرا (ہل جوتنے میں شرکت کرنے والا) کا۔ اب

وہ جنگ کا دیوتا نہ رہا بلکہ بارش اور کھیتی باڑی کا دیوتا قرار پایا۔لیکن اندرا کی پرانی روایت اتنی قوی تھی کہ یہ نیا روپ اُس پر نہ سجا تب آریوں نے اندرا کو پسِ پشت ڈال دیا۔اور شوا کی پرستش غیر مشروط طور پر کرنے لگے۔ مقامی باشندوں کے مانند انہوں نے شوا کو مہالنگم کا خطاب دیا۔اور جگدمبا، درگا، پاروتی، اُما کو اس کی بیوی بنا دیا۔دھیرے دھیرے آریوں نے اپنے پرانے دیوتاوں، ورُنا، وایو اور اندرا وغیرہ کو پورا بھلا دیا اور شوا، درگا کی پوجا کرنے لگے۔

وادیٔ سندھ میں آباد ہونے سے پیشتر آریہ نہ بُت بناتے تھے اور نہ بُتوں کی پوجا کرتے تھے مگر مقامی باشندوں کے نزدیک شکتی اور پروش (مادرِارض اور شوا) دونوں باقاعدہ شخصیتیں تھیں جن کے بت قدیم ہند میں موجود تھے۔ دُرگا اور شوا کو اپنانے کے بعد آریوں کو بُتوں کی پوجا بھی کرنی پڑی۔اس طرح آریوں کو بہت ساری چیزیں مقامی باشندوں سے سیکھنی پڑیں اور افزائش فصل کی خاطر اُن کے عقائد کو قبول کر کے بُت پرستی بھی شروع کرنی پڑی۔لیکن انہوں نے مادری نظام کے بدلے پدری نظام کو رواج دیا۔

اس طرح سے آریوں نے ہند کے اصلی باشندوں کو داس بنا کر ہزاروں سال تک اسی طریقے سے قدیم ہند پر حکومت کی اور اپنے دور میں شودروں یعنی نچلے طبقے کے لوگوں یعنی اصلی باشندوں پر طرح طرح کی زیادتیاں کیں اور ہند کے اصل

باشندے اُن کا ظالمانہ سلوک دیکھ کر اُن کے آگے سرخم کر دیتے تھے اور اُن کا ہر حکم ماننے کے لئے مجبور تھے کیونکہ آریہ سب سے پہلے اُن کے کمزور طبقہ یعنی بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو اپنا شکار بناتے تھے جس کی وجہ سے اِن کے آگے ہند کے اصلی باشندوں کی کچھ نہیں چلتی تھی۔ چنانچہ ایک معروف محقق اسلم بابر علی اپنے احساسات کو یوں الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ''تاریخ کے علم سے دور اور جدید ہندوستان کے جو غیر مسلم افراد جس آریہ دورِ عہد کی دُہائی دیتے ہیں اُن کو میرا مشورہ ہے کہ پہلے وہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور برہمن، ویش، چھتری کے بہکاوے میں نہ آئیں کیونکہ ان ہی لوگوں نے قدیم ہند کے اصلی باشندوں کی تہذیب وقومیت کو تباہ کیا ہے مسلمانوں سے بے جا دشمنی سے باز آجانا چاہیئے''۔[۴۵]

بُدھ مت تہذیب کے پیروکار آریہ نہیں تھے اُن کا بانی گوتم بدھ کپل وستو کا ایک حساس راجکمار تھا۔ کپل وستو کی راجدھانی بہار کی اتری سرحد پر واقع تھی یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔

گوتم بدھ سدھودن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ لیکن اُس کو راج محل کی زندگی اچھی نہیں لگتی تھی کیونکہ راج محل کی زندگی اس کے لئے قید خانہ کے برابر تھی۔

گوتم بدھ کو عام لوگوں کی زندگی سے بہت دور رکھا گیا کیونکہ اس کے باپ کو کسی نجومی نے اس کے بچپن میں ہی یہ پیشن گوئی دی تھی کہ گوتم بدھ لوگوں کے دُکھ درد کو مٹانے کے لئے عیش وعشرت کی زندگی چھوڑ دے گا۔ اس ڈر کی وجہ سے سدھودن نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تربیت راج محل میں ہی کی اور اس کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی اس کی وجہ سے باہر کی زندگی اس کے لئے زیادہ ہی کشش کا سبب بنی رہی۔

انتیس سال کی عمر میں وہ ایک رات گھر والوں کو سوتا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ پہلے اُس نے اُپ نِشد ھ کا درس لیا۔ لیکن اُپ نِشد ھ اسے شانتی نہ دے سکا۔ اس کے بعد اس نے تپسیا شروع کی اور فاقوں سے جسم کو گھلاتا رہا کہ شاید روح کو سکون مل جائے لیکن جب اس سے سکون میسر نہ ہوا تب اس نے سفر کا ارادہ کیا اور اُدھر اِدھر مارا پھرنے لگا۔ جب اس کو بھُوک لگتی تو بھیک مانگ کر پیٹ بھر لیتا۔ رات کے وقت کسی پیڑ کے نیچے آرام کرتا۔ ایک دن وہ پیپل کے ایک درخت کے نیچے گیان دھیان کرنے بیٹھ گیا تو کہا جاتا ہے کہ محویت کے اس عالم میں اسے پہلی بار معرفت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد بنارس کے قریب سارناتھ کے مقام پر ایک باغ میں پہلی بار گوتم بدھ کا وعظ ہوا۔ پھر وہ اپنے راج محل گیا اور بہت سے درباریوں نے بدھ مت قبول کر لیا۔ دھیرے دھیرے بہت سارے لوگوں پر بدھ مت کا اثر ہوا اور لوگ جوق

در جوق بدھ مت قبول کرنے لگے۔

بدھ مت کو قبول کرنے والے زیادہ تر نیچ ذات کے لوگ تھے وہ جہاں جہاں جاتا تھا چنڈال، نائی، ڈوم، بڑھی اور غریب کسان اس کے پیرو کار بن جاتے۔ وہ محل کو چھوڑ کر ان ہی غریبوں کے پاس رہتا اور انہیں کو اپنا چیلا مانتا تھا۔

بدھ مت کے پھیلاو کے کئی اسباب تھے سب سے پہلا گوتم بدھ کو ویدک رسوم وعقاید کے ساتھ بڑی نفرت تھی کیونکہ ویدک دھرم میں رسم و رواج کی بھر مار تھی۔ اسلئے یہ ایک مہنگا مذہب تھا غریبوں کے لئے۔ بچے کی پیدائش، بیاہ، غمی، فصلوں کی کٹائی بوائی اور دوسرے کاموں میں بہت سی رسمیں مقرر تھیں۔ ہر موقع پر نچلے طبقوں کے لوگوں کو برہمنوں کی خدمت کرنی پڑتی تھی۔ اس کے برعکس بودھ مت میں کوئی خرچہ نہیں تھا جیب سے کچھ بھی نہیں نکالنا پڑتا تھا۔ بدھ مت کے پیرو کاروں کو گھر بار، زمین جائداد، مویشی بیو پار سب کی ممانعت تھی وہ بھیک مانگ کر گذارہ کرتے تھے اور یہ بھکشو ذات پات کے قید سے بھی آزاد تھے۔ بھکشو سنگ میں کوئی بھی شامل ہوسکتا تھا اور کسی سے بھی بھیک مانگ سکتا تھا۔

دوسری بات برہمن سنسکرت زبان میں اپنے اشلوک پڑھتے تھے یہ زبان بہت قدیم تھی اور عوام تک اس کی رسائی نہیں تھی۔ اور نچلے درجے کے لوگوں کو ان اشلوکوں کو سننے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

اس کے برعکس گوتم بدھ اوراس کے پیرو کار پالی زبان جو اس وقت کی عوامی زبان تھی اُسی میں پرچار کرتے تھے۔

گوتم بدھ کے نزدیک نہ بھگوان اور برہما کا وجود تھا نہ دیوی اور دیوتا کا اس کے نزدیک دنیا میں صرف دُکھ ہی دُکھ ہے اور اُس دُکھ کا کارن یہ ہے کہ انسان ہوس کا غلام ہو گیا ہے۔ طاقت کی ہوس مال و دولت کی ہوس، عیش وعشرت کی ہوس، جنسی لذتوں کی ہوس، غرض مختلف قسم کی ہوسیں ہیں جنھوں نے انسان کو جکڑ رکھا ہے۔ اسی وجہ سے انسان دُکھی رہتا ہے اس کے نزدیک دُکھ سے نجات پانے کے لئے ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ہوس پر قابو پالے تب ہی ان فتنوں سے آزاد ہوسکتا ہے۔

گوتم بدھ کے نزدیک ہوس پر قابو نہ تپسیاں سے پایا جا سکتا ہے اور نہ بدن کو ہلکا کرنے سے اور نہ دنیا کو تیاگ دینے سے، ہوس کی تسکین سے بھی کام نہیں چلتا کیونکہ ایک ہوس پوری نہیں ہو پاتی کہ دوسری چٹکیاں لینے لگتی ہے پس آدمی کو چاہیے کہ درمیانی راستہ اختیار کرے۔ درمیانی راستہ پر چلنے کی اُن کے یہاں کئی شرطیں ہیں اور یہی شرطیں بدھ مت کی بنیادی تعلیمات ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ درمیانی راستہ اختیار کرے اور انتہاوں سے بچے کہ سچائی کا راستہ بیچ کا راستہ ہے اس راستہ پر چلنے کی آٹھ شرطیں ہیں ۔ مناسب خیالات ، مناسب کسب ، مناسب جہد ، مناسب حافظ اور

مناسب دھیان، سچ بولنا، چوری نہ کرنا، دوسروں کے مال میں خیانت نہ کرنا، اور نہ دوسروں کی دولت پر قبضہ کرنا، پرائی بہو بیٹیوں پر بدنظر نہ ڈالنا اور نہ اُن سے ناجائز رشتہ رکھنا اور جیو ہتیا (اہنسا) سے بچنا۔

تیسری بات یہ کہ چھتری راجاؤں اور اُن کے پروہتوں کو اختیار تھا کہ ویشوں کے مویشی جب چاہیے مفت اُٹھا لیتے تھے اس لئے ویشوں میں بدھ مت کی قبولیت کا یہ بھی سبب بنا تھا کہ نیا مذہب قبول کرنے کے بعد اُن کو مویشیوں کی قربانی کے جھمیلوں سے نجات مل جاتی تھی۔

چوتھی بات یہ کہ ویدک روایت کے مطابق ایک عورت کے کئی شوہر ہو سکتے تھے اور جنسی بے راہ روی عام تھی اس سے بھی یہ لوگ نجات پانا چاہتے تھے جس کی وجہ سے بدھ مت کے پیروکاروں میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا۔

بدھ مت کی مقبولت کے اسباب و محرکات یہی تھے ابتدا میں اس نئے مذہب کو نیچی ذات والوں اور ویشوں نے اختیار کیا پھر سرحدی ریاستوں کے راجاؤں نے اور جب اشوک نے بھی بدھ مت کا پیرو ہو کر اپنے مذہب کو موریا سلطنت کے سرکاری مذہب کا رتبہ دے دیا تو بدھ مت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

برصغیر کے ایک معروف محقق اسلم بابر علی بدھ مت کے بارے میں مزید جانکاری دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

’’دین اسلام کے نقطۂ نظر سے اس دھرم کے ماننے والے
بھی مشرک ہیں لیکن ان کے دیوتاؤں کی تعداد ایک یا دو
ہے۔ بدھ دھرم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں
بھی وحدہ لاشریک کی پرستش کرنے کو کہا گیا ہے اور نبیوں
اور رسولوں کے آنے کی بابت ان میں بھی ذکر ملتا ہے لیکن
انداز بیان وزبان مختلف ہے۔اس دھرم کے ماننے والے
بھی مورتی کی پوجاوپرستش میں یقین رکھتے تھے اور رکھتے
ہیں حالانکہ ان دھرموں کی کتابوں میں بہت سی اچھی باتیں
پائی جاتی ہیں جن پر بدھ دھرم کے ماننے والے عمل نہیں
کرتے ۔ بدھ دھرم بھی کسی مورتی کی پوجا سے منع کرتا ہے
اور ایک ہی کی پوجا کی دعوت دیتا ہے۔‘‘ ۴۶ے

☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. The new oxford Dictionary,Judy Pearsall,Claronden Press,Oxford.1998

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''قومی انگریزی اُردو لغت'' ایجوکیشنل پبلک ہاوس دہلی۔

۳۔ محمد مسعود عالم قاسمی ''مغرب اور اسلام۔مفاہمت کے امکانات'' (مشولہ) ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام مرتب پرواز رحمانی ناشر منشورات، ملتان روڑ لاہور۔ص ۱۸۷

۴۔ ثناءاللہ ''مغربی فکر کی تفہیم'' (مشمولہ) ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام'' پرواز رحمانی منشورات ملتان روڑ لاہور۔ص ۱۰

۵۔ اکرام اللہ ''مغربی تہذیب انحطاط کی شاہراہ پر'' ناشر فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنو سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۱۴

۶۔ یوسف سلیم چشتی ''ضرب کلیم مع شرح'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی ص ۱۱

۷۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' اُردو اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۵۵۸۔

۸۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس مٹیا محل جامع مسجد ص ۲۷۱

۹۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس مٹیا محل جامع مسجد ص ۳۲۹

۱۰۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۱۴۱

۱۱۔ اقبالؔ ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۵۴

۱۲۔ اقبالؔ ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس مٹیا محل جامع مسجد ص ۴۴۸

۱۳۔ اقبالؔ ’’تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ‘‘ مترجم نذیر نیازی اسلامک بک سینٹر نئی دہلی ۱۹۸۶ء ص ۲۷۷

۱۴۔ خلیفہ عبدالحکیم ’’فکر اقبال‘‘ ناشر ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ سنہ ۲۰۰۲ء ص ۱۴۸

۱۵۔ اقبالؔ ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس مٹیا محل جامع مسجد ص ۳۲۸

۱۶۔ اقبالؔ ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس مٹیا محل جامع مسجد ص ۲۵۶

۱۷۔ علامہ اقبال "Stray Reflection" ’’بکھرے خیالات‘‘ مترجم پروفیسر عبدالحق بزم احباب دہلی ص ۳۷

۱۸۔ ڈاکٹر محمد شفع خان شریعتی مترجم ’’تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو‘‘ ملت پبلی کیشنز حیدر پورہ سرینگر سنہ فروری ۲۰۱۳ ص ۶

۱۹۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ’’نقوشِ اقبال‘‘ مترجم مولوی شمس تبریز خان مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سنہ ۱۹۸۵ء ص ۲۷

۲۰۔ اقبالؔ ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۷۰

۲۱۔ خلیفہ عبدالحکیم ’’فکر اقبال‘‘ ناشر ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ سنہ ۲۰۰۲ء ص ۱۳۶

۲۲۔ اقبالؔ ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۲۵

۲۳۔ احمد سجاد ''مغرب سے نفرت کیوں'' (مشمولہ) ''مطالعات'' ایک علمی رسالہ ناشر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹیڈیز نئی دہلی ص ۹۹

۲۴۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۶۵۴

۲۵۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۶۵۷

۲۶۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۴۱۰

۲۷۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۶۵۴

۲۸۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''نقوشِ اقبال'' مترجم مولوی شمس نذیر خان مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو ص ۸۵

۲۹۔ ثناءاللہ ''مغربی فکر کی تفہیم'' (مشمولہ) ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام'' مرتب پرواز رحمانی ناشر منشورات ملتان روڑ لاہور ص ۱۱

۳۰۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۲۱

۳۱۔ سموئیل پی ہنٹنگٹن ''تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو'' مترجم ڈاکٹر محمد شفیع خان شریعتی ملت پبلی کیشنز حیدر پورہ سرینگر فروری ۲۰۱۳ء ص ۲۵۳

۳۲۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۴۸

۳۳۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۵۰

۳۴۔ مولانا محمد تقی امینی صاحب ''تہذیب کی جدید تشکیل'' ندوۃ المصنفین اُردو بازار سنہ جون ۱۹۴۷ء ص ۱۷

۳۵۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۵۸

۳۶۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۳۵۸

۳۷۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۵۹۸

۳۸۔ اقبالؔ ''کلیات اقبال'' (اُردو) اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۳ء ص ۶۴۸

۳۹۔ جگن ناتھ آزاد ''اقبال اور مغربی مفکرین'' ناشر مکتبہ جامع لمیٹیڈ نئی دہلی ص ۴۱

۴۰۔ القرآن سورہ نساء آیت ۳۶

۴۱۔ پروفیسر عبدالحق ''عصری لغت'' ترقی اُردو بیورو نئی دہلی ص ۱۵

۴۲۔ ڈاکٹر ذاکر نایک ''مذاہب عالم میں تصوّرِ خدا'' قاری پبلیکشنز دہلی ۲۰۰۷ء ص ۸

۴۳۔ اسلم بابر علی ''دین اسلام اور قدیم ہند'' مقدس اکیڈیمی جامعہ نگر دہلی ص ۱۴۸

۴۴۔ سبطِ حسن ''ماضی کے مزار'' سہمت صفدر علی میموریل ٹرسٹ نئی دہلی ۲۰۱۰ء ص ۱۷۱

۴۵۔ اسلم بابر علی ''دین اسلام اور قدیم ہند'' ناشر مقدس اکیڈیمی جامعہ نگر دہلی ص ۱۵۰

۴۶۔ اسلم بابر علی ''دین اسلام اور قدیم ہند'' ناشر مقدس اکیڈیمی جامعہ نگر دہلی ص ۱۵۰

☆☆☆☆☆☆

﴿باب سوّم﴾

اسلامی اور مغربی تہذیب کا ایک تقابلی مطالعہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنانے کے بعد وقت وقت پر مختلف قوموں میں پیغمبروں کو وجود بخشا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ کے زمانے تک زمین کے بسنے والے صرف اللہ اور حضرت آدمؑ کے احکامات کے مطابق مذہب اسلام پر قائم رہے۔ اس کے بعد لوگوں نے کفُر کا راستہ اختیار کیا، تب اللہ نے اُن کی ہدایت کیلئے حضرت نوحؑ کو بطورِ پیغمبر بھیج دیا اور جب اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کھلم کھُلا خلاف ورزی اور حضرت نوحؑ کی مسلسل اور ان تھک تبلیغ اور سمجھانے کے باوجود اس کی قوم ان احکامات پر عمل کرنے کی مخالفت کرتی رہی تو حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس قوم کو دنیا سے نابود کرنے کی دُعا کی تا کہ کفُر کا خاتمہ ہو جائے اور اللہ نے دُعا کی قبولیت فرما کر اس کی ساری آبادی کو سیلاب کی نذر کیا۔ صرف حضرت نوحؑ اور اس کے ماننے والے ہی کشتی میں سوار ہوئے جس کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق حضرت نوحؑ نے تیار کیا تھا اس طوفانی سیلاب سے محفوظ رہے۔

حضرت نوحؑ کے بعد پیغمبروں کا دوسرا دور حضرت موسیٰؑ تک (جب فرعون اور اس کی قوم سمندر میں ڈوب گئی) اور پھر تیسرا دور پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ پر پایہ تکمیل کو پہنچا۔ معروف عالمِ دین مولانا سیدّ ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں۔

''انبیاء میں سے محمد ﷺ کی خصوصیت دراصل یہ ہے کہ وہ
خُدا کے آخری نبیؐ ہیں۔ان کے ذریعہ سے خدا نے اُسی
اصل دین کو پھر تازہ کردیا جو تمام انبیاء کالایا ہوا تھا۔اُس
میں جو آمیزش مختلف زمانوں کے لوگوں نے کر کے الگ
الگ مذاہب (Religions) بنالیے تھے اُن سب کو خدا
نے چھانٹ کر الگ کردیا اور محمد ﷺ کے ذریعے سے اصلی
اور خالص اسلام کی تعلیم نوعِ انسانی کو دی''۔[1]

اسلام دین فطرت ہے جو مکمل نظامِ حیات پیش کرتا ہے اور دنیا بھر کے لئے پیامِ امن کا داعی ہے۔مکمل دین ہونے کی صفت تنہا اسلام کی شان ہے۔دنیا کا کوئی دوسرا دین قدیم ہو یا جدید اس مقام تک نہیں پہنچتا، خواہ وہ دینِ سماوی ہو جیسے یہودیت ونصرانیت یا زمینی جیسے تمام مشرکانہ مذاہب بشمول ہندومت، بدھ مت اور وہ عقائد وخیالات جنہوں نے انسانی زندگیوں میں مذہب کی جگہ لے لی ہو۔

اسلام ایک جامع دین ہے۔جامع سے مراد یہ ہے کہ جو احکامات اس میں پیش کئے گئے ہیں ان میں اب مزید اضافہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ دین رب العالمین کی طرف سے آیا ہے اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے آخری سال میں اس کے مکمل کئے جانے کا اعلان بھی ہو چکا ہے۔

اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیکُمْ نِعْمَتِی
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً۔[2]

ترجمہ:۔''آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں
نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام کر دیا اور میں نے
اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔''

رسولِ محترم ﷺ ہمارے لئے ایک ایسا بہترین اور مکمل دین لے کر آئے
ہیں جس میں دونوں جہاں کی کامیابی کا راز مضمر ہے جس کے بارے میں معروف محقق
ظفر احمد نظامی رقمطراز ہیں۔

''پیغام محمدی ﷺ نے دین اور دنیا کی علٰحیدگی کے تصوّر کو
ختم کر دیا۔ پیغام محمدی ﷺ نے بتایا کہ اخلاص اور نیک
نیتی کے ساتھ اس دنیا کے کاموں کو اللہ کے بتائے ہوئے
اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے یعنی جس کو تم دنیا
داری سمجھتے ہو اگر اس کو اللہ کے اصول اور اس کے بتائے
ہوئے طریقے پر کرو گے تو وہی دینداری بن جائے گی۔
دوست واحباب، آل اور اولاد، ماں باپ قوم وملک، خود
اپنی مدد آپ، فکرِ معاش، پرورشِ اولاد، خدا کے حکم کے

مطابق ان حقوق و فرائض کو بخوبی ادا کرنا صحیح دینداری
ہے۔ یہاں دین، دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ دین
کی راہ دنیا سے ہو کر گزرتی ہے۔ عزلت نشینی، گوشہ گیری،
کسی غار یا کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا اور اللہ کی عائد کردہ
ذمہ داریوں سے دور بھاگنا کوئی دینداری نہیں ہے۔''[۳]

رسولِ پاک ﷺ کا پیغام ایک عالمگیر پیغام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پہلا اور آخری پیغام ہے اسلئے یہ پیغام سب کے لئے ہے۔ جس طرح ہمارا خالق ایک ہی ہے اسی طرح خدا کا رسول ﷺ تمام دنیا کا رسول ﷺ اور رحمۃً لِلعالمین ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا [۴]

ترجمہ:۔ تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو۔ رسول اللہؐ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

اسلام ایک مکمل دین ہے اسلئے مسلم کو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مالک کُل، اپنا رب اور اپنا آقا تسلیم کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان ہونے کی

حیثیت سے تمام مخلوق میں محترم بنایا ہے اور اس سے زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بھی دکھایا ہے اس راستے پر چل کر انسان اس دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اس سیدھے راستے کا نام اسلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سب سے برتر اور افضل دین بتایا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کو اسلام نے واضح نہ کیا ہو۔ تمدن، معاشرت اور اقتصادیات کی عمارت کو بہت خوبصورتی اور توازن کے ساتھ اسلام نے تعمیر کیا ہے۔

ایک مسلمان پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کو صحت الفاظ کے ساتھ صحیح تلفظ میں یاد کر کے اس کے معنی و مفہوم کو سمجھے اور ذہن نشین کرے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلم کلمہ کو دل کی گہرائیوں اور اپنے خون کے قطروں میں سمو دے اور اُس کی ہر حرکت اسکا ہر لمحہ اسی فکر اسی محور میں گذرے اس کو اچھی طرح یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ یہی کلمہ ''اسم عظم'' ہے اور اسی کی برکت سے تمام دنیا اور عُقبٰی کی نعمتیں اس کے حصے میں آئیں گی۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ توحید کا عقیدہ قوت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ اسلامی تہذیب کا گہرا مطالعہ رکھنے والے معروف محقق عماد الحسن آزاد فاروقی رقمطراز ہیں۔

> ''اسلامی تہذیب کی روح اس کے مرکزی دینی تصوّر یعنی توحید کے گہرے احساس سے عبارت ہے اس تصوّر کے

مطابق حقیقت اعلیٰ نہ صرف یہ کہ ایک اور منفرد ہے بلکہ
بنیادی طور پر عالم فطرت سے ماوراء ہے بہرحال اس
ماورائیت کے باوجود کائنات اس کی کارفرمائی کا مظہر ہے
اور یہاں کا ذرّہ ذرّہ اس کے وجود کے لئے ایک اشارہ
ہے''۔۵؎

ایک مسلم کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی فرمان برداری کرنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے اس تک بھیجے ہیں ان احکامات کو علم کے نور کی بدولت سمجھنے اور عمل کرنے میں ہی اُسکی کامیابی و کامرانی مضمر ہے کیونکہ اسلامی تہذیب عقائد، عبادات و احکامات اور معاملات پر مشتمل ہے اور یہی وہ تین پہلو ہیں جو انسانی زندگی پر محیط ہیں۔ عقائد کی بنیاد پر یہ طے ہوتا ہے کہ کن باتوں پر آدمی دین اسلام کے دائیرے میں داخل ہوتا ہے اور کِن باتوں کو نہ ماننے سے خارج ہوتا ہے اس لئے دین اسلام میں عقائد کو سب سے زیادہ بنیادی اور اولین حیثیت حاصل ہے۔

لہٰذا عقائد کی صحیح نوعیت اور ان کی تفصیل سے واقفیت ہونا ضروری ہے کیونکہ ناواقفیت کی بنا پر کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہوسکتا ہے۔ عقائد میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور صفات اس کے دینی پیغام لانے والے یعنی حضرت محمد ﷺ اور اُن

سے پہلے کے انبیاءؑ کا مقام نبوّت اوراس کی ضروری تفصیل نیز خدا کی پیدا کی ہوئی غیرمرئی یعنی دکھائی نہ دینے والی عام نظروں سے مخفی مخلوق فرشتوں ، اس کی اتاری ہوئی کتابوں اور یومِ آخرت کے ہونے اور وہاں حساب جزاوسزا ہونے پر یقین کرنا شامل ہے۔

مومن ومسلم ہونے کے لئے بنیادی طور پر جن چیزوں کا یقین کرنا ضروری ہے ان کا ذکر اس کلمہ میں ہے جسے ایمانِ مفصل کہتے ہیں یعنی کل سات چیزیں ہیں جب تک انسان انہیں نبی ﷺ کے بتائے ہوئے انداز پر نہ مانے مسلمان نہیں قرار پائے گا لیکن انہیں پر انحصار نہیں جو چیز بھی حضور ﷺ سے بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہواس کا بھی دل سے یقین رکھنا ضروری ہے اورعقائد کو صحیح طور پر ماننے کے بعد اسے ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی زندگی کو ان کے مطابق بنانا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق ومعبود ہے اس لئے اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا۔معروف عالمِ دین مولانا سیدابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں۔

> ''اسلام انسان کی پوری دنیوی زندگی کوعبادت میں تبدیل کردینا چاہتا ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو۔ لاالٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے

کہ جس اللہ کو آدمی نے اپنا معبود تسلیم کیا ہے اس کا عبد،
یعنی بندہ بن کر رہے اور بندہ بن کر رہنے ہی کا نام
عبادت ہے''۔۶؎

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کو سمجھانے کے لئے رسول بھیجے اور آخر میں حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا ان کی پوری پوری اطاعت کرنا ضروری ہے۔ پیغامِ محمدی ﷺ نے انسان کو وہ بلندی عطا کی کہ اس کا سر سوائے ایک خدا کے کسی کے آگے نہیں جھک سکتا اور اس کے ہاتھ خدا کے سوا کسی کے آگے نہیں پھیل سکتے۔ کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اکیلا پوری کائنات اور اس میں موجود ہر شے کو تخلیق کرنے، پالنے والا اور اسے برقرار رکھنے والا ہے یہی توحید ☆ ہے۔

اقبالیات کے مشہور شارح یوسف سلیم چشتی رقمطراز ہیں۔

''اسلام دنیا میں اصول وحدت کا تنہا علمبردار ہے اس کی
بنیادی تعلیمات یہ ہیں کہ خالقِ کائنات ایک ہے، ساری
کائنات ایک ہے، اس ساری کائنات کے لئے رسول یا رہنما
ایک ہے، ضابطۂ حیات ایک ہے یعنی (قرآن کریم) سارے
انسان ایک ہیں، یعنی سب برابر ہیں۔ گورے کو کالے پر۔

☆ توحید کے لفظی معنیٰ ''وحدانیت'' کے ہیں اس کا مطلب صرف ایک خدا کا اقرار اور اظہار کرنا ہے۔

سید کو شیخ پر، عربی کو عجمی پر، بادشاہ کو گدا پر، بحیثیت انسان کوئی
فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت کا صرف ایک معیار ہے
اور وہ ہے تقویٰ''۔ ے

اسلامی تہذیب کا دوسرا جُز اسلامی احکام ہیں۔ وہ یہ کہ قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں مسلمان پر پانچ بنیادی ارکان فرض کئے گئے ہیں۔ یہ ارکان گو اسلام کے پانچ محکم ستون ہیں۔ ان احکام و فرائض میں توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حجِ بیت اللہ شامل ہیں جیسے کہ مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ ''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، اگر وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہو''۔

عقائد و عبادات کے بعد زندگی کے عام معاملات آتے ہیں ان میں بھی خدا تعالیٰ کے احکامات جن کی وضاحت اس کے رسول ﷺ نے کی ہے ان کی تعمیل و تکمیل واجب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اور منتخب بندوں کے ذریعہ عام بندوں تک اپنی ہدایات اور قوانین و احکام پہنچائے اور نبوّت و رسالت کے منصب کے ذریعہ اسی ضرورت کو پورا فرمایا۔ نبوّت و رسالت اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ ہے اور محض بندوں کی ضرورت کی چیز ہے جیسے فطری ضرورتیں ہیں بلکہ

اِن سب سے اہم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو اس دنیا میں آتے رہے ہیں ان کا ایک خاص ہدف یہ بھی رہا ہے کہ اللہ کی زمین سے فساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور نوعِ انسانی کو امن وسکون کی زندگی میسر آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد پیدا کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ فساد برپا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُطِيعُوٓا اَمۡرَالۡمُسۡرِفِيۡنَ oالَّذِيۡنَ يُفسِدُوۡنِ وَفِي الاَ رۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَo۸ۓ

ترجمہ:۔ اور حد سے بڑھ جانے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قومِ ثمود☆ بڑی خوش حال اور تمدنی لحاظ سے اپنے وقت کی ایک ترقی یافتہ قوم تھی لیکن انہوں نے فساد فی الارض کا راستہ اختیار کر رکھا تھا جن کے متعلق قرآن پاک میں یوں ارشاد ہے۔

وَثَمُوۡدُ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ وَّآصحٰبُ لۡئَيۡكَةِ اُو لٰٓئك الۡاَ حۡزَابُo اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابo ۹ۓ

☆ قوم ثمود:۔ حضرت صالحؑ نے اس گمراہ قیادت کے خلاف آواز اُٹھائی تھی اور قوم کو دعوت دی تھی لیکن انہوں نے روگردانی کی اور خدا کا قہر اُن پر نازل ہوا۔

ترجمہ:۔اور ثمود اور قومِ لوطؑ اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تھا سو میرا عذاب اُن پر واقع ہو گیا۔

تاریخ گواہ ہے جب بھی کسی قوم نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تو اُن پر خُدا کا قہر نازل ہوا ہے۔اسلام کی پاک تعلیمات ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ انسان خدا سے اس کے پیغمبروں کی ہدایت کے تحت براہِ راست تعلق قائم کر سکتا ہے، اس کو یاد کر سکتا اس کی عبادت کر سکتا ہے اور اس کے لئے قربانی پیش کر سکتا ہے، مشکلات میں اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور اُس سے دعائیں کر سکتا ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا سَا لَكَ عِبادِیُ عَنِّیُ فَاِنِّیِ قَرِیُبُ اُجِیُبُ دَعُوَ ةَ الدَّا عِ اِذَادَ عَا نِ فَلُیَستَجِیُبُوُ الِیُ وَلُیوُ مِنُوُابِیُ لَعَلَّهُمُ یَرُشُدُوُنَo ١٠

ترجمہ:۔جب تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو بتادو کہ میں قریب ہوں۔دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں۔پس ان کو بھی میرا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے۔اس سے امید ہے

کہ وہ ہدایت پائیں گے۔

دُعا کرنا یعنی اللہ کو پکارنا۔ اپنی ضرورت اور حاجت کو پورا کرنے کی التجا کرنا یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہے اور یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ بندہ اپنی عاجزی، بیچارگی اور کمزوری کا اقرار کررہا ہے اور اللہ کو اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور حاکم وغیرہ تسلیم کررہا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

الدُّ عاءُ مُخُ العِبَادَہ یعنی دُعا عبادت کا مغز ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو نہ صرف انسان کو دُعا پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا ہے بلکہ زندگی میں جدوجہد کرنے پر بھی تیار کرتا ہے یعنی دُعا بھی کرنا سکھاتا ہے اور ذاتی جدوجہد بھی، جس کی وجہ سے ایک انسان عزّت کا مستحق بن جاتا ہے اور انسان جب اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو وہ ضرور اس کی تکمیل کرتا ہے اسی لئے شاعرِ مشرق نے ایسا کہا ہے۔

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے [11]

دُعا کرنے سے انسان کے اندر ہر وقت بندگی کا احساس رہتا ہے جس کی وجہ سے بندہ ہر وقت اپنے خدا سے رابطہ استوار کرنے میں لگا رہتا ہے اور اس طرح سے اس کے اندر خدا کے قوانین کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اقبال نے کیا خوب

فرمایا ہے۔

ترى دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی

مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے ۱۲؎

دُعا کرنے سے انسان کے اندر غرور و تکبّر ختم ہو جاتا ہے وہ ہر وقت خدا سے اپنی حاجت روائی کی درخواست کرتا ہے اور خدا ہی کا دامن ہمیشہ تھام لیتا ہے یہ کام دین اسلام کی روح ہے کیونکہ اسلام میں اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لئے کسی دیوتا، پنڈت یا کسی دوسرے کے واسطہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ انسان خود خدا سے رجوع کر کے اُس کا قرب حاصل کر سکتا ہے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رقمطراز ہیں۔

''پیغامِ محمد ﷺ نے مذہب کی ٹھیکیداری کے تصوّر کو بالکل ختم کر دیا۔ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلا کر بندوں کا تعلق براہِ راست ان کے مالک سے جوڑا اب عبد و معبود کے راز و نیاز میں تیسرا کوئی دخیل نہیں ہے یہاں کوئی کاہن کوئی پریسٹ کوئی پوپ اور کوئی برہمن نہیں ہے۔ ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے نکاح کر سکتا ہے مذہب کے تمام مراسم

بجالاسکتا ہے‘‘۔۱۳؎

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری بے شمار مخلوقات پر شرف وفضلیت عطا کی ہے اور اس سے اشرف المخلوقات یعنی Super Creature بنایا اور انسان کو بہترین خلقت عطا کی ہے وہ اپنی جسمانی ساخت، شکل وصورت ،قد وقامت اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے دنیا کی حسین ترین مخلوق ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقدْ خَلَقْنَاا لِا نُسَانَ فِیُ آحُسَنِ تَقُوِ یُمٍ o ۱۴؎

ترجمہ:۔ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیوان ناطق بنایا ہے اور اس سے قوتِ گویائی عطا کی وہ بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اپنی زبان کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کرسکتا ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

خَلقَ الِاُ نُسَان oعَلَّمَہُ الُبَیُاَنo ۱۵؎

ترجمہ۔اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو گویائی سکھائی۔

یہ امتیاز کسی جانور کو حاصل نہیں کہ وہ زبان کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک منتقل کر سکے۔اسلئے اسلام نے انسان کو ایک عظیم مرتبہ عطا کیا ہے اور

اس کو اللہ کا خلیفہ قرار دیا ہے۔ انسان کے عظیم مرتبے کے شایان شان یہ بات ہے کہ اس کا سر صرف خدا کے آگے جُھکے ۔شرک سے اجتناب کی یہ واضح تعلیم اسلام نے دی ہے اور توحید پر غیر معمولی زور دیا ہے کیونکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد ربّانی نظریہ حیات پر قائم ہے اس کا بنیادی عنصر لَاۤاِلٰـہَ اِلا اللّٰہ پر ایمان رکھنے والی قوم ہے۔ یہی اسلامی تہذیب کا بنیادی تصوّر بھی ہے۔

اسلامی تہذیب ، یونانی تہذیب ، رومی تہذیب ،مغربی تہذیب وغیرہ یہ سب انسانی تہذیبیں ہیں کیونکہ تہذیب انسان کے ارتقاء کے ساتھ رہی ہے اس کے ذریعے کسی ایک ملک ایک خطّہ اور ایک دور کے انسانی گرہوں کی پہچان کی جاتی ہے اسلئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ انسان اور تہذیب کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ۔ انسانی تہذیب کی وضاحت کرتے ہوئے معروف محقق ومترجم ڈاکٹر محمد شفیع خان شریعتی رقمطراز ہیں۔

> ''انسان کی ایک ہی تہذیب ہے جو انسانی تہذیب کہلاتی ہے۔ ہاں جب انسان اپنی انسانی فطرت سے مُنہ موڑ کر غیر انسانی فکر وعمل کا اظہار کرتا ہے تو وہ انسانی تہذیب سے بغاوت کرنے کی حماقت کا ارتکاب کرتا ہے۔اس لحاظ سے ہم انسانی تہذیب اور غیر انسانی تہذیب میں نوع انسانی کو تقسیم کر سکتے ہیں ۔فطرت انسانی سے مُنہ موڑنے والوں کو

> خالق انسان نے قرآن کی زبان میں ''کلانعام بل ھم اضل''
> کہہ کر خود انسانی تہذیب سے بے دخل کیا ہے۔ یہ تقسیم
> جغرافیائی، لسانی، ثقافتی، لونی اور مدنی تقسیم نہیں بلکہ اصولی
> اوراخلاقی تقسیم ہے''۔[١٦]

اس حقیقت سے کوئی انکار بھی نہیں کرسکتا کہ خیر اور شر، نیکی اور بدی، صحیح اور غلط، جھوٹ اور سچ کی کشمکش جیسے ازل سے ہی انسان کے ساتھ رہی ہے ویسے ہی تہذیبوں کی کشمکش بھی رہی اور آج تک دنیا میں جتنی بھی تہذیبیں وجود میں آئیں وہ ایک دوسرے سے کہیں نہ کہیں متضاد بھی رہی اور اثر پذیر بھی۔ مغرب کے ایک مشہور و معروف مفکر سموئیل پی۔ ہنٹنگٹن رقمطراز ہیں۔

> ''آج تک جتنی بھی تہذیبیں وجود میں آئی ہیں مغرب
> عیاں طور پر ان سے مختلف ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ
> ١٥٠٠ء سے جتنی بھی تہذیبیں رہی ہیں ان پر اس
> (مغربی تہذیب) کا غالب اثر رہا ہے اس نے تجدید کاری
> اور صنعت کاری کے کام کا آغاز کیا جو پوری دنیا میں پھیل
> گئے ہیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دوسری تہذیبیں دولت
> اور جدّت کو مغرب سے ہی حاصل کرنے کی کوشش کرتی

رہی ہیں''۔ ۱۷؎

اسی لئے دنیا میں آج تک جتنی بھی تہذیبیں وجود میں آئی ہیں وہ یا تو مغربی تہذیب میں ضم ہوگئی ہیں یا آہستہ آہستہ اسی کے اثرات میں ڈوبتی جا رہی ہیں اور یہ تہذیب خدا فراموشی، اخلاقی گراوٹ، بے حیائی و فحاشی، حرص و ہوس، جھوٹ اور ناانصافی و زیادتی سے عبارت ہے۔

مغربی تہذیب کے مضر اثرات سے بچانے کے لئے اگر کوئی محفوظ انسانی نظام ہے تو خدا کا دیا ہوا نظام حیات ہے جو ہمارے لئے ایک مکمل طرزِ حیات پیش کرتا ہے، اسلئے مغربی تہذیب کے ساتھ اگر کوئی دوسری تہذیب مقابلہ کرنے والی ہے تو وہ اسلامی تہذیب ہے جو قرآن و سُنت پر مبنی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو سارے انسانوں کے لئے بہترین نصیحت ہے اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے حقوق کی وضاحت کرتی ہے اور اُن کی ادائیگی کا سیدھا سادہ طریقہ بتاتی ہے۔

اسلام اور مغرب دو الگ الگ تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے ہر اعتبار سے مختلف ہے اور دونوں کا طرزِ حیات مختلف ہے اسلئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اور مغربی تہذیب میں کوئی قدر مشترک نہیں کیونکہ جو چیزیں (مذہبی، اخلاقی و انسانی اقدار) مشترک ہوسکتی تھیں انھیں اہل مغرب نے

بُھلا دیا ہے یا تو اُن کا مفہوم ہی بدل دیا ہے اس لئے مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کی ضد ہے۔

انگریزی زبان وادب کے ایک مشہور شاعر رڈیارڈ کپلنگ نے شاید اس مشہور شعر میں اس کی مناسب عکاسی کی ہے۔ ؎

East is East and West is West.

And the Twin never shall meat.

ترجمہ :۔ مشرق، مشرق ہے اور مغرب مغرب

اور یہ جڑواں بچے کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔

حقیقت میں اسلام اور مغرب کے درمیان کشمکش کی تاریخ بہت قدیم بھی ہے اور طویل بھی ۔کیونکہ اسلامی تہذیب اپنی ساخت اور مزاج کے اعتبار سے مغربی تہذیب سے ممتاز ہے۔ یہ مغربی تہذیب سے کئی امور میں مختلف اور منفرد ہے۔

اسلامی تہذیب میں قانون خدا نافذ ہے۔ اس میں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو سنوارنے کی بھی تاکید کی گئی ہے جبکہ مغربی تہذیب میں انسان کا بنایا ہوا قانون لاگو ہے، یہ تہذیب مادیت سے دلچسپی رکھتی ہے،غیب کی باتوں سے انکار کرتی ہے اس کیلئے دنیا کی لذّتیں ہی سب کچھ ہے، آخرت کا تصوّر اُن کے یہاں مفقود ہے۔

تہذیب کے متعلق بھی مشرق ومغرب کے تصوّرات الگ الگ ہیں اسلام کے مطابق پہلے دن سے ہی انسان تہذیب کے شعور سے ہمکنار تھا جبکہ مغربی تہذیب یہ سمجھتی ہے کہ انسان کو اپنے ارتقاء کے آخری مراحل میں تہذیب کی روشنی ملی ۔ پہلے وہ بندر پھر جنگلی ووحشی انسان تھا پھر آہستہ آہستہ تہذیب سے آشنا ہوا۔

اسلامی اور مغربی تہذیبوں میں تصوّرِ خدا، تصوّر کائنات اور تصوّر انسان کا جو فرق رہا ہے اس سے دونوں کی راہیں الگ الگ ہوگئی ۔اور دونوں میں آسمان وزمین کا فرق رہا اس لئے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کی ضد ہے ۔

سب سے اہم بات یہ کہ انسان کی پیدائش جو اس زندگی کا پہلا زینہ ہے دونوں کے بیچ میں پہلا اختلاف یہاں سے ہی شروع ہوتا ہے کیونکہ اسلام ایک فطری دین ہے اس میں ابتدائی انسان کی رونمائی حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۱۸

ترجمہ:۔اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں

سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب ۔

حضرت آدمؑ کی زندگی کے ابتدائی حالات وواقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں خود شعوری (خود شناسی) کا وصف اور ذی شعوری (خدا شناسی) طاقت وجود کے

پہلے ہی دن سے موجود تھے۔

چونکہ جب فرشتوں کو اس کے خصّائص کے بارے میں شک ہوا تو نیازمندی سے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ

اَتَجعَلُ فِیُهَا مَنُ یُّفسِدُ فِیُهَا وَیَسُفِكُ الدِّ مَاءَ ۱۹

ترجمہ:۔ کیا آپ اُس کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟

تو اُن کو رب العالمین کی طرف سے فوراً جواب ملا!

اِنّیُ اَعُلَمُ مَالاَ تَعُلَمُوُنَ ۲۰

ترجمہ:۔ میں جانتا ہوں اس بات کو جسکو تم نہیں جانتے۔ پھر فرشتوں کو رب العالمین کے سامنے اعتراف بھی کرنا پڑا۔

جبکہ مغربی تہذیب میں انسانی اِرتقاء کا تصوّر جسم انسانی پر ختم ہو گیا ہے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے جناب مولانا حافظ محمد تقی امینی رقمطراز ہیں۔

’’مغربی تہذیب کا انسان زندگی کی ادنیٰ شکل سے وجود میں آیا ہے۔ پہلے وہ بندر تھا، پھر لاکھوں سال کی مدّت میں بتدریج ترقی کرکے انسان کی شکل اختیار کی ہے‘‘۔ ۲۱

اسلامی تہذیب کے مطابق حضرت آدمؑ میں خود شعوری اور ذی شعوری طاقت کی کارفرمائی ابتدا سے ہی رب العالمین نے دی رکھی تھی جس کا مظاہرہ اس طرح بھی ہوا جب حضرت آدمؑ اور اُن کی بیوی حضرت حوّا رب العالمین کی نافرمانی پر زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے بلکہ وہ انتہائی ندامت کے ساتھ گردن جُھکا کر کہنے لگے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔[۲۲]

ترجمہ:۔ پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہمارے اوپر رحم نہ کریں گے تو ہمارے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

مغربی تہذیب کو خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کی ایجاد میں کسی مافوق الفطرت ہستی کو دخل ہے۔ مذہب کے ساتھ اُن کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے بلکہ اُن کی نظر میں مذہب انسانی توہمات وخیالات کا تراشیدہ اور خدا بھی ذہنی ارتقاء کی ایجاد قرار پایا ہے۔

مغربی مفکرین کا تصوّر ابتدائی انسان کے متعلق یہ ہے کہ جب انسان میں کچھ شعور پیدا ہوا اور اس نے اپنے گرد وپیش کا مشاہدہ کیا تو اس کو خوف ناک اور ڈراونی

چیزوں سے اپنے تحفظ کی فکر لاحق ہوئی جس کی وجہ سے مذہبی جذبہ نمودار ہو کر انسان کی جبلت میں داخل ہو گیا۔

اس کے برعکس اسلامی تہذیب کا تعلق قانونِ فطرت سے ہے جس میں ایک ذی شعوری طاقت کی کارفرمائی ہے جس میں اس کو مخالف طاقتوں سے ہوشیار رہنے کی ہدایتیں دی گئی ہیں، وہ یہ ہے۔

بَعضُکُم لِبَعُضٍ عَدُوٌّ ۲۳

ترجمہ:۔تم میں بعض بعض کے دشمن ہیں ۔

مغربی تہذیب کے پاس ذی شعور طاقت نہیں ہے جبکہ اسلامی تہذیب میں ذی شعور طاقت ابتداء سے موجود ہے جس کی وجہ سے عبادت اور اطاعت کا جذبہ بھی انسان کے اندر پہلے سے ہی موجود تھا۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ والاِ نْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۲۴

ترجمہ:۔میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔

عبادت وہ اصل مقصد ہے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔عبادت کی وضاحت کرتے ہوئے معروف عالمِ دین سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

''اسلام کا تصوّرِ عبادت یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی خدا

کی بندگی میں بسر ہو، آپ اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقتی ملازم
(Whole-time servant) سمجھیں، آپ کی زندگی کا
ایک لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو، اس دنیا میں آپ جو
کچھ بھی کریں خدا کی شریعت کے مطابق کریں، آپ کا سونا
اور جاگنا، کھانا اور پینا، آپ کا چلنا اور پھرنا غرض سب کچھ خدا
کے قانونِ شرعی کی پابندی میں ہو، خدا نے جن تعلقات میں
آپ کو باندھا ہے ان سب میں آپ بندھیں اور ان کو اس
طریقہ سے جوڑیں یا توڑیں جس طرح خدا نے انہیں جوڑنے
یا توڑنے کا حکم فرمایا ہے''۔[۲۵]

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے انسان کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے اور انسان کی پریشانی ایک دم ختم ہو جاتی ہے۔ انسان ہشاش و بشاش اور چاق و چوبند رہتا ہے۔ حضرت مولانا پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''اللہ کے ذکر کے اندر ایک فنائیت ہے اور اسی فنائیت کے
ذریعے انسان کے غم دور ہوتے ہیں۔ جس سے اس کے
دل کو سکون ملتا ہے اور وہ اللہ رب العزّت کی محبت میں
آگے بڑھتا رہتا ہے اسی لئے ذکر کرنے کی بار بار تاکید کی

جاتی ہے اگر ہم اللہ کا ذکر کثرت اور باقاعدگی کے ساتھ

کریں گے تو ہمیں دین اور دنیا میں فائدہ ہوگا۔ اب تو یہ

بات سائنس سے بھی ثابت ہوچکی ہے‘‘۔۲۶

اسلام میں ذکر اللہ کی بڑی اہمیت ہے اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کثرت سے ذکر اللہ کیا کرتے تھے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

ذِکُرُ اللّٰہِ شِفَاءُ القُلُوب

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کی یاد دلوں کے لئے شفا ہے۔

عبادت واطاعت کا گہرا تعلق ذی شعور طاقت سے قائم ہوتا ہے۔ یہ اس کی ایک اہم وجہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یآ یُّھَا الَّذِینَ اٰمنُوااذِ کُرُوُاللّٰہ ذِکُرً کَثِیراً ۲۷

ترجمہ:۔اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

اَلاَ بِذِکُرِ اللّٰہِ تَطَمَئِنُّ الُقُلُوبُ ۲۸

ترجمہ:۔خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے روح کو تسکین اور قلب کو سکون ملتا ہے۔روح کے ذریعے انسان اپنے سرچشمہ سے تعلق قائم کرتا ہے اور پھر اُس سرچشمہ سے سب کچھ حاصل کیا جاتا ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب روح اور باطنی حقیقت سے ناآشنا ہے اس لئے

اُن کے وہاں عیش وعشرت کے تمام سامان کے باوجود روح کی تسکین اور قلب کے اطمیان کا کوئی بھی سامان میسر نہیں ہے۔مغرب کی ایک بڑی تعداد سکون کی تلاش میں اُدھر اِدھر بھٹک رہی ہے۔

فرائڈ ☆ کے مطابق بعض طبقات کی تسکین اور چیزوں سے بھی ہوسکتی ہے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنا سارا زورِ قلم صرف کیا اور اخلاقیات کو ملیا میٹ کیا۔اُس خواہش کا تعلق حیوانی جبلت سے ہے اور اسلام نے اس فطری خواہش کو پورا

☆سگمنڈ فرائڈ اس کا پورا نام ہے۔یہ آسڑیا کے شہر فیرمبرگ کے ایک یہودی گھرانے میں ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوا۔ ۱۹۳۷ء میں آسڑیا سے بھاگ کر اس نے انگلینڈ میں پناہ لی۔یہ طب کا ماہر اور ماہر نفسیات تھا اس نے تحلیل ذات (Self analysis) کے ذریعہ اپنے اور اپنے مریضوں کے لاشعور کا مطالعہ کیا اور انسانی شخصیت کے بارے میں ایک نیا نظریہ پیش کیا۔اس کی دو مشہور کتابیں ہیں ''تعبیر خواب'' (Interpretation of dreams) اور روز مرہ کی زندگی (The Psychology of everyday life) ہیں۔ان دونوں کتابوں نے یورپ اور امریکہ کی اجتماعی زندگی پر گہرا اثر ڈالا اور ان کی اندھی تقلید کی وجہ سے تمام دنیا میں اثرات نمایاں ہونے لگے۔اُن کے نظریۂ لاشعور (Unconscious) اور انسانی اعمال کی جنسی تعبیر (Sexual Interpretation) نے تمام دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے۔اس کے مطابق انسان کی تمام زندگی جنس سے ابھرتی ہے جس کی وجہ سے انسان کی اعلیٰ قدریں دفن ہوگئیں۔

کرنے کے لئے ایک باضابطہ نظامِ حیات (نکاح) مقرر کیا ہے اور قرآن پاک میں اُس مقام کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جس کو مغرب والے ترقی کا اعلیٰ زینہ تصوّر کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ذِیَّنَ لَھُمُ الشَّیطٰنُ اَعمَا لَھُمْ ۲۹؎

ترجمہ:۔ شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے۔

اس وجہ سے اخلاقیات کے سارے چشمے سوکھے پڑ جاتے ہیں جب حیوانی زندگی کو پورا پورا غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور مغرب والے اس کو آزاد خیالی تصوّر کرتے ہیں۔شاید یہ لوگ ابھی اس بات سے واقف نہیں ہیں

"آزاد خیالی کا رجحان بالعموم تفرقہ اور انتشار کی طرف ہوتا ہے۔" ۳۰؎

فرائڈ نے شاید اُس مقام کی تحقیق کی ہے جس میں ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جس میں ہر چیز یعنی علم، ادب، اخلاق وغیرہ پر جنسی خواہش کا غلبہ ہو جاتا ہے۔اُن کی اس حالت کے متعلق قرآن حکیم میں یوں اِرشاد کیا گیا ہے۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلیٰ قُلُوْبِھِمْ وَعَلیٰ سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَا رِ ھِمْ غِشَا وَ ۃُ ۳۱؎

ترجمہ:۔ بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر اور اُن

کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

حقیقت میں یہ حکمت اور دانائی کی باتیں ایمان والے ہی سمجھیں گے نہ کہ وہ لوگ جنھوں نے خدا اور مذہب کا انکار کیا ہے۔ مغربی تہذیب میں روحانیت کا کوئی تصور نہیں ملتا ہے۔ یہ ارتقاء صرف اور صرف جسم انسانی تک محدود ہے اور اس کے آگے اس کی راہ کا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور ان کے مطابق یہاں تک پہنچنے کے لئے ہزار سال درکار تھے۔ معروف محقق سید جلال الدین عمری اس کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ''اسلام اس تصوّر کے خلاف ہے کہ انسان ایک طویل عرصے تک ظلمت اور تاریکی میں رہا، پھر آہستہ آہستہ اسے علم وفکر کی روشنی ملی۔ اس کے نزدیک انسان اول بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ اس زمین پر آباد ہوا۔ اس کے بعد ہر دور میں اس کی ہدایت اور رہنمائی کا انتظام ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اسے حقوق اللہ اور حقوق العباد سے باخبر کرتے رہے۔'' ۳۲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی فکر جہاں ختم ہو جاتی ہے وہاں اسلامی فکر کی ابتداء ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں ارتقاء کی ابتدا جسمِ انسانی سے ہوئی ہے لیکن اس کے بعد روحانی ارتقاء کا ایک طویل سلسلہ جاری رہتا ہے یعنی مغرب کی پرواز کا جو آخری مقام ہے وہ اسلامی تہذیب کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب کا دائرہ فکر بہت ہی محدود ہے۔

اسلامی تہذیب میں دوسرے عالم پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے جس کا نام حیات اخروی ہے اُس کے لئے ایک اہم عمل سے گذرنا ضروری ہے جس کا نام موت ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل شروع ہوتی ہے جس کی طرف انسان کو لوٹ کر جانا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَيُفَ تَكُفُرُ وُنَ بِااللّٰهِ وَ كنُتُم اَمُو اتًا فَاَ حيَا كُمُ ثُمَّ يَمِيُتُكُمُ ثُمَّ يُحيِكم ثُمَّ اِلَيُهِ تُرُجَعُوُنَ ۳۳

ترجمہ:۔ تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے اس نے زندگی دی، پھر موت دے گا، پھر زندگی دے گا اور پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان کی زندگی ایک ایسا مقام ہے جس میں انسان کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

جَزَآءً بِمَا كَانُو يَعُمَلُوُنَ ۳۴

ترجمہ:۔ یہ انکوان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کو ہر چھوٹے اور بڑے کام کا بدلہ دیتا ہے اور اس نے اس کی ہدایت پہلے ہی دی ہے۔

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرہ ٥ وَمَنۡ یَّعۡمَل مِثۡقَالَ ذَرّۃٍ شَرًّا یرَّہ ٥ ۳۵

ترجمہ:۔ سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ اسکو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اسلئے مردِ مسلمان کی نظر میں زندگی مسلسل روحانی ترقی کا نام ہے۔ مسلمان کبھی منزل پر پہونچ کر بھی آرام نہیں کرسکتا اس لئے اس کی زندگی میں منزل یا سکون کہیں نہیں ہے کیونکہ مردِ قلندر کی طبیعت قید اور حد سے نفرت کرتی ہے۔ اقبالؔ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کی وضاحت اِن اشعار میں کی ہیں۔

؎ مرقد کا شبستاں بھی اسے راس نہ آیا
آرام قلندر کو تہِ خاک نہیں ہے
خاموش افلاک تو ہے قبر میں لیکن
بے قید و پنہائی افلاک نہیں ہے ۳۶

اور دوسری جگہ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

؎ ہر اِک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اسلامی تہذیب میں عالمِ غیب کی صداقتوں پر ایمان لانا لازمی چیز ہے جبکہ مغربی ذرائع علم محسوسات تک ہی محدود ہیں ان کے پاس کوئی ایسا ذرائع علم نہیں ہے جو موت کے بعد کی نشاندہی کر سکے۔ اِن کا سب کچھ اسی دنیا تک محدود ہے کیونکہ ان کے لئے یہ زندگی ہی سرور وانبساط کی جگہ ہے۔

اسلامی تہذیب میں سب ربانی طاقت کے محتاج ہیں اور یہ ربانی طاقت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس کا علم سب سے بڑا خزانہ ہے اور اس کی رحمت سب پر ہے اور یہ ایک ایسی ہستی ہے جو سب پر غالب اور اس کی حکمرانی سب پر حاوی ہے اُس کی نظر میں سب یکساں ہے وہ سب کا خالق، اور مالک ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن ٥ الرَّحمٰنِ الرَّحِيْم مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن ۳۷

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر عالم کے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے بدلہ کے دن کے

مالک ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ زبردست طاقت والا اور حکمت والا ہے وہ ذات وصفات میں یکتا ہے کوئی اس جیسا نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ۳۸

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفّات میں) ایک ہے اللہ بے نیاز ہے (کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں) اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اسکے برابر کا ہے۔

اسلامی تہذیب میں قانونِ ربّانی نافذ ہے اس میں ایک ایسا ذریعۂ علم بھی موجود ہے جو آگے کی منزل کی وضاحت کرتا ہے اور یہ ذریعہ ''وحی'' ☆ ہے اس پر ایمان لانا اس تہذیب کا ایک اہم جُز ہے اس کی رہنمائی علم وعقل کی سرحد سے بہت آگے جاتی ہے اور اس سے حاصل شدہ علم میں کسی بھی شک کی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ یہ

☆ وحی:۔ خدا کا پیام، وہ پیام جو حضرت جبریل کے ذریعہ کسی نبی یا رسولؐ پر آتا تھا۔

علم یقینی ہوتا ہے یہ علم ایسا ہوتا ہے جو زمین کے لوگوں کو آسمان کا راز داں بنا دیتا ہے اوراس علم کا موضوع یہی انسان ہے۔

مغرب کے پاس جو ذرائع علم ہیں اُن کا تعلق صرف عقل اور محسوسات سے ہیں جبکہ اسلامی تہذیب کا گہرا تعلق غیب کی حقیقتوں سے ہیں اس کے متعلق معروف شارح یوسف سلیم چشتی یوں رقمطراز ہیں۔

> ''پس ہم عقلاً اس نتیجہ پر پہو نچتے ہیں کہ اگر حیات اپنے اسرار ورموز کی شرح خود ہی نہ کرے تو ہمیں کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ فلاں عمل اچھا ہے فلاں عمل براہے؟ اگر حیات خود شرح اسرار نہیں کرتی تو پھر فعلِ تخلیق انسان عبث قرار پائے گا یعنی جب کوئی صحیح رہنما نہیں تو انسان راہِ حیات کس طرح طے کرسکتا ہے؟ تو پھر اُسے پیدا کر کے خدا نے اس سے یہ کیوں کہا کہ صراط مستقیم پر چل؟ پس ثابت ہوا کہ خود حیات کا تقاضا ہے کہ اُسے ہدایت ملے اور یہ ہدایت جو بعض کامل اور اکمل انسانوں کے واسطہ سے دنیا کو ملتی ہے اصطلاح میں وحی کہلاتی ہے اور سرورعالم ﷺ کی ذات بابرکات اس کائنات میں وحی کا سب سے

بڑا اور سب سے اعلیٰ سرچشمہ ہے''۔ ۳۹؎

اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے اگر انسان کی زندگی محروم رہے گی تو نہ کائنات کے مسائل حل ہونگے اور نہ زندگی کے مسائل سُلجھ سکیں گے۔ اسی علم سے کائنات کے معاملات اور مسائل حل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِمَّا یَاتِیَنَّکُمْ مِنِّی ھُدیً فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلا خَوْفٌ عَلیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن o وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْ وَکَذَّبُوْبِاایٰتِنَآ اُوْلٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ۔ ۴۰؎

ترجمہ:۔ پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کریگا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہونگے، اور جو لوگ کُفر کریں گے اور تکذیب کرینگے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کے برعکس خدا کی منکر مغربی تہذیب کے یہاں علم و اِدراک کا صرف ایک ذریعہ (عقل) کافی سمجھا جاتا ہے۔ مادی ذہنیت کی وجہ سے اُن کے یہاں یہ

عقل مادی ذرائع علم کا انتہائی مقام ہے اس کا خاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ مادی خوشحالی کو ہی انسان کی معراج بتاتی ہے اور انسان کی کامیابی کو اسی پیمانہ سے ناپتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں وحی، قلب اور عقل ان سب کی رہنمائی ضروری ہے، ان میں سے صرف ایک کی رہنمائی کافی نہیں ہے۔

اسلام میں عقل کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن پاک میں مظاہر فطرت پر غور کرنے اور عقل سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے رسول پاک ﷺ نے بھی عقل کی اہمیت وفضیلت بیان فرمائی ہے۔

انبیاء واولیاء کے نزدیک دل نورانی طاقت کا مرکز' جوہرِ محبت کا مسکن، ایمان وشعور کا گھر اور امتیاز کا مقام ہے۔ انسان کے وجود میں دل ایک ایسا مقام ہے جس میں اللہ کی معرفت کا چراغ روشن ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [41]

ترجمہ:۔ اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قوّی محبت ہے۔

مغربی تہذیب میں دل کی اہمیت یہ ہے کہ اُن کے نزدیک یہ صرف ایک پمپ ہے جو جسم کو خون پہنچانے کا فرض انجام دیتا ہے۔ انسان کی نفسیات پر ان گنت تحقیقات کرنے کے باوجود انھوں نے دل کے معنوی وجود کا اب تک پتہ نہیں لگایا

حالانکہ یہ حیات انسانی کا سرچشمہ اور نورانی طاقت کا مرکز ہے اور زندگی کے تمام گوشوں میں اس کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

اللہ رب العزّت نے رسولوں کے ذریعہ ہدایات ورہنمائی کا سلسلہ جو جاری رکھا تھا اس کے مطابق سب سے زیادہ اہمیت کائنات میں انسان کے مقام کو حاصل ہے کیونکہ اس کا موضوع ہی انسان ہے اسلئے وحی اور انسان ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں انسان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت اور کائنات کی قیادت کی ذمہ داری دی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ۴۲

ترجمہ:۔ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور انسانی کائنات میں علم وحی کے سبب ربط وتعلق پیدا ہو گیا ہے اور انسان کی زندگی خالقِ کائنات کی حکمتِ عملی کا ظہور ہے۔ان دونوں میں باہمی تعلق اس قسم کا ہے کہ اگر ایک سے غفلت برتی گئی تو نتیجہ بربادی کی شکل میں ظاہر ہونا لازمی ہے جیسے،قوم عاد☆،قوم ثمود☆،قوم لوط☆ وغیرہ۔

☆عاد:۔ حضرت ہودؑ کی قوم۔

☆ثمود:۔حضرت صالحؑ کی قوم۔

☆لوط:۔ایک پیغمبر کا نام جنھیں روم کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔

مغربی تہذیب ایک لادین تہذیب ہے اسلئے اُن کے یہاں کوئی ایسا ذریعۂ علم نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے اوپر حد بندی کرے۔ یہ ایک آزاد تہذیب ہے جہاں ہر قسم کی آزادی میسر ہے۔ مذہب کے ساتھ بھی اُن کا کوئی رشتہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن کی زندگی میں ہر طرف انتشار ہی انتشار پھیل گیا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے معروف محقق سید مشتاق علی ریوانی یوں رقمطراز ہیں۔

''مذہب سے رشتہ توڑنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج پوری انسانی زندگی انتشار وخلفشار کا شکار ہو کر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے اس کی نظیر اس نام نہاد ترقی کے مقابلے میں پس ماندہ زندگی کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ مادہ پرستی نے انسان کو حرص وحوس ،خواہشاتِ نفس اور نفرت وعناد کے تیز وتند جذبات کا مرقع بنادیا ہے۔اس دائمی اضطراب و پریشانی میں کوئی ہستی یورپ میں نہیں جس کے سائے میں اہل یورپ پناہ لے سکیں یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مفکرین اب اس بیماری کا حل سوچنے پر مجبور ہورہے ہیں۔ ماہر فلکیات (Janes Jeans) جوایک ملحد تھا کہنے پر مجبور ہوا کہ'' مذہب انسانی زندگی کی ناگزیر ضرورت ہے کیونکہ خدا پر ایمان لائے بغیر سائنس کے بنیادی

مسائل حل ہی نہیں ہو سکے“ ماہر عمرانیات Jeans)

(Bridge نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ”مذہب اور روحانیت

کے امتزاج سے عقیدہ وعمل کے ایک متوازن نظام کی تشکیل پر

اسلام سے بہتر کوئی مذہب نہیں“ ۔[۴۳]

مغربی تہذیب عبادت اور اطاعت سے آزاد ہے جبکہ اسلامی تہذیب میں تابعداری اس کی اصل روح ہے۔ اسلئے اس میں عبادت کی پابندی بھی ہے اور اطاعت کی پابندی بھی۔

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات! [۴۴]

اسلامی تہذیب میں انسان کی اصل حقیقت ”نورانی“ تسلیم کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْن [۴۵]

ترجمہ:۔ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اسمیں اپنی طرف سے

(روح) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا۔

اسلئے اسلامی تہذیب میں صفات الٰہی کے پیمانے سے انسانی سیرت و کردار کو ناپا جا سکتا ہے اور اُن ہی صفات کو قابل قدر مانا جاتا ہے جن میں براہِ راست صفات

الٰہی کا عکس دکھائی دیتا ہو۔ جبکہ مغربی تہذیب میں سیرت و کردار کا پیمانہ بھی دنیوی مفاد پر مبنی ہے اُن کے یہاں یہ حقیقت ''حیوانی'' تسلیم کی گئی ہے اس وجہ سے اُن کے یہاں طاقت وقوت اور دنیوی مفاد کے ''پیمانہ'' سے سیرت وکردار کو ناپا جاتا ہے اور وہی صفات قابل قدر شمار کی جاتی ہیں جن کا تعلق دنیاوی کامیابی سے ہو۔ اور جن صفات سے اُن کو واضح دینوی مفاد نہ ہو اُن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے بلکہ ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبّہ جامع صفات کی حامل ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہم سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین نمونہ ہے ۔ آپ ﷺ کے بعد شخصیت سازی (کردار سازی) کا نمونہ صحابہ کرامؓ کی زندگی ہے جنھوں نے زندگی کے ہر میدان میں قابل قدر کام انجام دیئے جس کی نظیر دنیا اب تک پیش نہیں کر سکی اگر اُن کی تگ دو (جدوجہد) کسی ایک گوشہ میں محدود رہتی تو اسلامی تہذیب وجود ہی میں نہ آتی نہ ہی اس کی ترقی کا سلسلہ ہنوز جاری ہوتا۔

اسلامی تہذیب نے انسان کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے اور کائنات کی ساری چیزیں انسان کے لئے بنائی ہیں ۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے

جہاں ہے تیرے لئے، تو نہیں جہاں کے لئے ۴۶

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے اس کے نزدیک انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوقات کے ساتھ شفقت ، مہربانی، حفاظت اور انصاف کا طریقہ اختیار کرے۔ اور انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کے تمام معاملات میں اپنی مرضی کا مالک نہیں بلکہ خدا کی مرضی کا پابند رہے۔

اسلامی تہذیب انسان کی زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی کرتی ہے اور اللہ کی خوشنودی کو منزلِ مقصود قرار دیتی ہے اور یہ تہذیب زندگی میں ہی آخرت کی راہ تلاش کرنے کی ہدایت بھی دیتی ہے یہ راستہ ہمیں حقیقی زندگی یعنی (Real Life) میں ہی تلاش کرنا ہے جیسے قرآن پاک میں آیا ہے کہ یہ زندگی آخرت کی کھیتی ہے یعنی جیسا ہم یہاں بوئیں گے ویسا ہی پائیں گے۔ اس سے یہ حقیقت ہم پر آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمیں زندگی سے دور جنگلوں میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ زندگی کے ساتھ ساتھ ہم آخرت کی سرخ روئی بھی حاصل کر سکتے ہیں اور اسلامی تہذیب کا یہی تقاضا ہے اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے معروف عالمِ دین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی یوں رقمطراز ہیں۔

’’دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور اللہ اللہ

کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اور
دنیوی زندگی کی ساری ذمہّ داریوں کو سنبھال کر خدا کے
قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے''۔[۴۷]

حقیقت میں انسان کو زندگی میں بہت سے کار ہائے انجام دینے کی ذمہّ داری دی گئی ہے اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ زندگی کی ان ذمہّ داریوں کو نبھاتے وقت خدا کے قانون کو مدِ نظر رکھو نہ کہ اپنی خواہشات کو مدِ نظر رکھ کر انھیں پورا کرو۔ کیونکہ اسلامی تہذیب کا دارمدار ایک خالقِ کائنات پر یقین اوراس کے قانون کی اطاعت ہے اسی تصوّر نے انسان کو غیر معمولی عظمت عطا کی ہے نیز انسان کو سکون واطمینان کا بیش بہاخزانہ عطا کرتا ہے جو کسی دوسری غیر اسلامی تہذیب سے حاصل نہیں ہوسکتا۔اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے برصغیر کے معروف عالمِ دین مولانا سیدابوالاعلیٰ مودودی یوں رقمطراز ہیں۔

''اسلامی تہذیب انسان کو دنیا میں کچھ دیگر مذاہب اور
تہذیبوں کی طرح حقیر و ذلیل وجود نہیں قرار دیتی، نہ اسے
مجبور محض سمجھتی ہے۔اسلامی (مشرقی) تہذیب میں دنیوی
زندگی اوراس کی مسرتوں اورلذّتوں کو گناہ نہیں قرار دیا گیا
ہے نہ اس سے ترک کرنا یا اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا
بزرگی کی علامت قرار دیا گیا ہے دنیا کے بارے میں

اسلامی تہذیب کا تصوّر فطرت وحقیقت کے عین مطابق ہے
چنانچہ اسلامی تہذیب زندگی اور کائنات کے بارے میں
اس تصوّر کی بنا پر خالصِ عملی تہذیب بن گئی ہے''۔ ۴۸؎

اسلامی تعلیم کے مطابق ترکِ دنیا کر کے کسی پہاڑ کی کھوہ میں زندگی بسر کرنا بزدلی ہے۔ اسلامی تہذیب میں ترک دنیا کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو غیر اسلامی تہذیب سے بالکل مختلف ہیں جیسے حضرت عمر فاروقؓ کروڑوں انسانوں پر حکمراں تھے لیکن اس کے باوجود ان کے کُرتے میں پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ چٹائی پر سوتے تھے۔ کیا یہ ترکِ دنیا کا عُمدہ نمونہ نہیں ہے؟

اسلامی تہذیب کے اور ایک علمبردار عالمگیرؒ اورنگ زیب جنھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو ترک دنیا کا اسلامی نمونہ دکھایا۔ انھوں نے پچاس سال تک سارے ہندوستان پر حکومت کی لیکن خزانہ شاہی سے کوئی رقم اپنے لئے خرچ نہ کی بلکہ ٹوپیاں اور رومال سی کر اپنی روزی کا سامان مہیا کیا۔ اقبال اسی طریقِ زندگی کے بارے میں یوں گویا ہیں ؎

گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
ناپختہ ہے پرویزی، بے سلطنتِ پرویز ۴۹؎

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں ایسی مثالیں ناپید ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے ہی خوبصورت نہیں بنایا ہے بلکہ اندرونی اعتبار سے بھی اس میں بے شمار خوبیاں پیدا کی ہیں جب یہ خوبیاں صحیح راہ پر لگتی ہیں تو ایسا انسان تیار ہوتا ہے جو صفات الٰہی کے سبب ایک طرف صحیح طریقے سے دنیا کی تعمیر کرتا ہے اور دوسری طرف سے ایمان ویقین کے ذریعے آنے والی زندگی یعنی آخرت کو بھی سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔

حقیقت میں یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء کا پرتو ہے اور اس کے جس قدر اسماء ہیں وہ سب اس کی صفات ہی تو ہیں مثلاً رحیم، کریم، قہار، جبّار، خالق، رحمٰن، باری، غفّار، رازق، علیم، مجید، حکیم، نافع، ہادی، حی، قیوّم، وہاب، حمید، حکیم وغیرہ ہر ایک کی الگ الگ خاصیتیں ہیں۔ انہیں صفات کی تجلی ہر دم ہوتی رہتی ہے۔ معروف عالم محمد عبیداللہ الاسعدی اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں!

"اس کی صفات بے حد و بے حساب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس
کے نام بڑی تعداد میں ہیں، انہیں اسماء سے ان کی صفات کا
اندازہ لگایا جا سکتا ہے جیسے کہ کائنات میں بکھری ہوئی اس کی
قدرت کی نشانیوں سے اس کی صفات کو سمجھا جا سکتا ہے"۔۵۰

اللہ تعالیٰ کی ان ہی صفات کے پرتو سے انسان کے سیرت و کردار میں کئی جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس سے ذات الٰہی کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے اور سیرت

وکردار کا پیمانہ بھی مقرر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے جمالی،[1] جلالی[2] اور کمالی[3] صفات پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس کے بعد ذاتی[4] امتیازی[5]، تعمیری[6] اور تکمیلی[7] صفات پیدا ہوجاتے ہیں۔شاعرمشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ے نگہ پیدا کراے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا [151]

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں مادیت کے سوا کوئی پیمانہ میسر نہیں جس سے وہ سیرت وکردار کی حد مقرر کرے۔

اللہ تعالیٰ کی تجلیاں ہر جگہ اور ہر لحظہ کار فرما ہیں اسلئے حقیقی مسلمان کے اندر اللہ تعالیٰ کے صفات کے پرتو سے اور بھی خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے جیسے عزّت نفس، وسعت نظر،

۱؎ جمالی:۔ اس سے محبت وشفقت، عفو و درگزر، رحم وکرم وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔

۲؎ جلالی:۔ اس سے عظمت، کبریائی اور شہنشاہی وغیرہ پیدا ہوجاتی ہے۔

۳؎ کمالی:۔ اس سے کمال، خوبی و بزرگی پیدا ہوجاتی ہے۔

۴؎ ذاتی:۔ اس سے خودشناسی اور خداشناسی کا عنصر پیدا ہوجاتا ہے۔

۵؎ امتیازی:۔ اس سے انسان کی سیرت حیوانیت سے ممتاز ہوجاتی ہے۔

۶؎ تعمیری:۔ اس سے انسان کی سیرت کا امتیاز بلند ہوجاتا ہے۔

۷؎ تکمیلی:۔ اس سے انسان کی سیرت فرشتوں سے ممتاز ہوتی ہے۔

اطمینانِ قلب ،صبر وضبط ، قناعت و استغناء توکل و اعتماد شجاعت و بہادری ، سچائی ، خلوص، سخاوت و فیاضی ،عفت و پاکبازی وغیرہ

عزّت نفس اللہ تعالیٰ کا عکس ہے اس سے انسان کے اندر پستی سے بلندی کی طرف پرواز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے سامنے جُھکنے میں انسان بے عزتی تصوّر کرتا ہے کیونکہ حقیقی مسلمان کے سامنے اللہ تعالیٰ سب سے بڑی طاقت کا سرچشمہ ہے۔اور جب تک ایک مسلمان نفسِ امارہ ☆ کو مغلوب نہیں کرلے گا تب تک وہ عزّت نفس کا متحمل نہیں ہوسکتا اور تب تک اس کی خودی بھی مسلمان نہیں ہوسکتی شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبال نے شاید اسی لئے یہ کہا ہے۔

ترے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے ۵۲

انسان کی خودی تب ہی مسلمان ہوسکتی ہے جب وہ مرشد کی صحبت اختیار کرے کیونکہ نفسِ امارہ صحبت مرشد کے بغیر مغلوب نہیں ہوسکتا۔اس بات کی تصدیق صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے بخوبی ہوسکتا ہے اِن حضرات نے رسول پاک ﷺ کی صحبت میں رہ کر نفسِ امارہ کو مغلوب کیا تھا اور بعض تو اس اکتسابِ فیض

☆نفسِ امارہ:۔ مشایخ کے نزدیک نفسِ امارہ پانچ دشمنوں کے مجموعہ کا نام ہے یعنی شہوت،غضب، حُبِ جاہ و جمال،حرص وطمع ،خود بینی جس کی دوصورتیں ہیں عُجب اور تکبر

کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ کر رسول پاک ﷺ کے قدموں میں ہی آ بیٹھے تھے۔ اُن کا لقب ''اصحابِ صفّہ''☆ ہے۔ان کے کارناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرشدِ کامل (حضرت محمد ﷺ) نے اُن کی تربیت کس قسم کی کی تھی۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

عَدُوُّكَ فِي جَنْبِكَ

ترجمہ:۔ تیرا دشمن تیرے پہلو میں پوشیدہ ہے۔

اس دشمن کو مار کر ہی انسان عزّتِ نفس کا متحمل ہوسکتا ہے اور اس دشمن کو مارنا بھی ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کیونکہ پاکیزگیٔ نفس اور عفّت وعصمت جیسی اخلاقی قدروں کے بغیر حقیقی اور پائیدار سرخ روئی ممکن نہیں ہیں۔

مغربی تہذیب میں عزّتِ نفس کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کی رگ رگ میں نفسِ امارہ کا غلبہ ہے۔شہوت حرص ہوس،تکبُر خود بینی اُن کی تہذیب کے اعلیٰ اوصاف تصوّر کئے جاتے ہیں کیونکہ اُن کی زندگی کی باگ ڈور خود ان ہی کے ہاتھ میں ہے ان کو قابو میں رکھنے کے لئے کسی بھی فطری ماخذ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

وسعت نظر بھی اللہ تعالیٰ کا عکس ہے اس سے انسان کے اندر وسعت نظر پیدا

☆اصحابِ صفّہ:۔مسجدِ نبوی سے متصل صحابہؓ کی شخصیت سازی کے لئے ایک درسگاہ قائم تھی اس درسگاہ کے زیر تربیت صحابہؓ کو اصحابِ صفّہ کہتے ہیں۔اصحابہ صفّہ کے چند نام یہ ہیں حضرت بلال حبشیؓ،حضرت سلمان فارسیؓ،حضرت ابو ہریرہؓ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ

ہو جاتی ہے تو وہ ذاتی قومی اور وطنی حد بندیوں سے نکل کر پوری کائنات میں پھیل
جاتا ہے کیونکہ مسلمان کا زاویہ نگاہ نہ ذاتی نہ وطنی اور نہ قومی ہوتا ہے بلکہ اُس کا زاویہ
نگاہ آفاقی ہوتا ہے شاعر مشرق نے اس بات کی وضاحت اس طرح کی ہے ؂

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند ۵۳؎

اس طرح سے مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو میں آفاقیت پیدا ہو جاتی ہے وہ
کائنات کی ہر چیز کو اس بنا پر اپنی سمجھتا ہے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔
شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؂

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گُم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گُم اس میں ہے آفاق

اس کے برعکس مغربی تہذیب کا زاویۂ نگاہ ذاتی، قومی اور وطنی حد بندیوں میں
ہی قید ہوتا ہیں چونکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اسلئے شاعر مشرق نے
اس کی وضاحت اِن اشعار میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی ہے ؂

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے ۵۴؎

حقیقی مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پوری کائنات سے محبت ہوتی ہے کیونکہ یہ ساری کائنات یوں ہی پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کو بنانے والا حضرت اللہ ہے اس نے ساری چیزیں ہمارے لئے ہی پیدا کی ہیں اسلئے ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ ہم اس کی ہر بنائی ہوئی چیز کی قدر کریں۔ایک مشہور واقعہ حضرت نوحؑ کا ہے جب وہ ایک کُتے کو دیکھتے ہیں جس کی جلد خارش کی بیماری کی وجہ سے خراب ہوگئی ہوتی ہے حضرت نوحؑ عجیب سی نظر اُن پر ڈالتے ہیں تو خدا بہت ناراض ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نوحؑ سے کہتے ہیں کہ کیا تم مجھ سے بہتر پیدا کر سکتے ہو۔ پھر اُن کا بیٹا کنعان پیدا ہوتا ہے جو نافرمان ثابت ہوتا ہے اسلئے یہ ہمارے لئے ایک سبق ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنا چاہیے اور محبت وہمدردی سے پیش آنا چاہیے اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے۔ نیز اس سے ہمارے دل کو بھی سکون فراہم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا بھی ایک بہترین عبادت ہے یہ ساری چیزیں ہمارے لئے ہی اللہ

تعالیٰ نے پیدا کی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَ رْضِ جَمِیْعًا ۵۵

ترجمہ:۔ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کی ہمارے فایدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات یعنی (Super Creature) بنا کر بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے نیز یہ ساری کائنات اسی کے لئے بنائی اسلئے انسان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرئے۔اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے قلب میں اطمنان پیدا ہوتا ہے۔اسلام میں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور رسولِ محترم ﷺ کے قول کے مطابق اللہ کی یاد دلوں کے لئے شفا ہے۔علامہ اقبال کے معروف شارح یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں۔

''اطمینان قلب نہ تاریخ سے پیدا ہوسکتا ہے نہ فلسفہ سے نہ اقتصادیات واخلاقیات سے یہ نعمت تو صرف ذکر الٰہی سے حاصل ہوسکتی ہے''۔۵٦

برعکس اس کے مغربی تہذیب میں اطمینان قلب کا فقدان پایا جاتا ہے ایسا اس لئے ہے کیونکہ یہ تہذیب خدا کی مُنکر ہے اتنی دولت اور ترقی کے باوجود وہ اسلامی تہذیب کی ہمسری نہیں کرسکتے۔اطمینان قلب کو حاصل کرنے کے لئے عقل وفلسفہ کی

انتھک کوشش بے کار ثابت ہوئی۔

اسلامی تہذیب میں زندگی کے ہر گوشے کے لئے رہنمائی کی گئی ہے خوشی اور غم زندگی کی دو کروٹیں ہیں جب ایک مسلمان کو زندگی میں مشکلات درپیش آتے ہیں تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوَا اسْتَعِینُوُ بِالصَّبْرِ والصَّلٰوۃ

ترجمہ۔اے ایمان والوں صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔

صبر کرنے سے قوت برداشت بڑھ جاتا ہے اور انسان اس کا عادی بن جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے Habits are easy to form but hard to break. اور اس سے انسان کا دل مضبوط ہوجاتا ہے اور وہ زندگی کی ہر تکلیف کو برداشت کرنے کا حوصلہ پاتا ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول مقبول ﷺ ایک دن صحابہؓ سے فرماتے ہیں کہ مومن کے ساتھ یہ کیسا معاملہ ہے کہ وہ دونوں ہی حالتوں میں خیر ہی خیر سمیٹتا ہے؟ صحابہؓ دریافت فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ کس طرح مومن دونوں ہی حالتوں میں خیر ہی خیر سمیٹتا ہے تو رسول اللہ ﷺ جواب میں فرماتے ہیں کہ جب مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خوشی ملتی ہے تو وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور جب اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلف ملتی ہے تو وہ اس وقت صبر کرتا ہے اس طرح سے وہ دونوں ہی حالتوں میں خیر ہی خیر سمیٹتا ہیں۔

شاعرِمشرق علامہ اقبال نے اس کو بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں پیش کیا ہے ؎

نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل وپاک باز

ایک حقیقی مومن ہر حال میں خدا کا ہی دامن تھام لیتا ہے۔ اسلامی تعلیم میں صبر کرنے کی بڑی فضیلت اور تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن ۵۸

ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مغربی تہذیب میں صبر اور شکر جیسی اخلاقی قدروں کا کوئی تصوّر نہیں ہیں ان کی ساری خوشیاں مادی وسائل میں ہی پوشیدہ ہیں۔

جبکہ اسلامی تہذیب ایک پابند تہذیب ہے اس لئے انسان ایسے اعمال سے پرہیز کرتا ہے جس سے اس کی عزّت کو ٹھیس پہنچے۔ اس وجہ سے اس میں قناعت واستغنا جیسی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے اس کو بہت سے رکیک جذبات سے چھٹکارا ملتا ہے اور وہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے تو حرص وہوس اور حسد جیسے فتنے اس کی شخصیت پر غالب نہیں آتے ہیں۔

برعکس اس کے مغربی تہذیب کے سارے تانے بانے حرص اور ہوس سے

جڑے ہوتے ہیں اُن کے یہاں دنیاوی لذّت ہی سب کچھ ہے لیکن مغرب میں بھی بہت سے ایسے مفکر پیدا ہوئے ہیں جو اُس آزاد تہذیب کی خرابیوں کا کُھلم کُھلا اعتراف کرتے ہیں۔

ایک حقیقی مسلمان اپنے رب کو سب سے بڑے طاقت کا ''سرچشمہ'' تصوّر کرتا ہے اس سے اس میں انکساری و عاجزی کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ انکساری و عاجزی کی وجہ سے انسان ہر وقت خدا کے سامنے عاجز و بےبس تصور کرتا ہے کیونکہ اس کو اس بات پر ایمان ہوتا ہے کہ موت شہ رگ سے بھی نزدیک ہے اور یہ دنیا عارضی ہے اور مجھے اُسی کی طرف واپس پلٹ کر جانا ہے اور ہر نیکی و بدی کا حساب دینا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَة قَةُ الْمَوْتِ ۵۹

ترجمہ:۔ ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں آخرت کا کوئی تصوّر نہیں۔ اسی لئے کافر اور مومن میں یہ فرق ہے کہ کافر اس طرح زندگی گذارتا ہے کہ اس سے کبھی خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب نہیں دینا ہوگا لیکن مومن ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھتا ہے کہ دنیا فانی ہے اور ایک دن اس کو خدا کے حاضر ہو کر جوابدہی کرنی

ہےاور یہ آخرت کا خوف بڑی چیز ہے ؂

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت

لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے ۶۰؎

کافر کے لئے یہ زندگی ایک خوشحال گھر ہے جبکہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں ہی خوشحالی ملتی ہے ۔مسلمان کی نظر میں یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہےاور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے کیونکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو سیاسی مساوات پر بھی توجہ دیتا ہےاور سماجی مساوات پر بھی اس میں سب برابر ہے اگر کوئی برتر اور افضل ہے تو وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔پیغمبر آخرالزماں حضرت محمدﷺ کا ارشادمبارک ہے کہ کسی عربی کوکسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور کسی عجمی کوکسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہےاسی طرح کسی گورے کوکسی کالے پر یا کسی کالے کوکسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اگر کوئی زیادہ عزّت کا مستحق ہےتو وہ فرد ہے جوزیادہ متقی ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب اپنے آپ کوسب سے برتر قوم تصوّر کرتی ہے غروراورتکبر اُن کی نس نس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے وہ ہمیشہ دوسروں کو پیچھے دھکیل دینا چاہتے ہیں اور خودسب سے بڑی طاقت یعنی (Super Power) بننا چاہتے

ہیں جبکہ مسلمان غرور وتکبرّ کی گلیوں میں جانکتا بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غرور اور تکبرّ کرنے والوں کو بہت ناپسند کرتا ہے۔مسلمان خدا کی خوشنودی کو ہی اپنی خوشنودی تصور کرتا ہے جبکہ کافر اپنا رشتہ خدا سے توڑ کر مادیت سے جوڑتا ہے۔اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے معروف محقق سیدّ مشتاق علی ریوانی یوں رقمطراز ہیں۔

''جب انسان خدا سے اپنا رشتہ توڑ کر نفس سے جوڑ لیتا ہے تو وہ طویل عمر چاہتا ہے اس کی یہ خواہش جان کی قربانی دینے میں مانع ہوتی ہے۔ دوسرے مستقبل کی ضرورت سے بے فکر ہونا چاہتا ہے اس کے لئے بڑی تیزی سے دوسروں کے حقوق پامال کرتا رہے یہی حال قوموں کا ہے اور جب قومی سطح پر ایسی فطرت پیدا ہو جاتی تو قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔دورِنو کے مشہور انگریز فلسفی برٹرینڈ رسل نے کہا ہے کہ سفید فام انسان کا دورِ اقتدار بیت چُکا ہے کیوں نہ ہو، اس کی قیادت وسیادت کا ابدتک قائم رہنا کوئی قانونِ فطرت تو نہیں تھا، مجھے اس بات کا پختہ یقین ہے کہ سفید فام آدمی کو قدرت نے گذشتہ چار صدیوں میں

جوزریں مواقع فراہم کئے تھے،اب دوبارہ اسے کبھی میسر

نہ آئیں گے''۔[61]

یہ ایک حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب نے طاقت واقتدار حاصل کرنے کے لئے دوسری اقوام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔اُن کے لئے دنیاوی دولت ہی سب کچھ ہے اس کے برعکس مسلمان کا بھروسہ دولت وامیری پر نہیں بلکہ اللہ پر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ [62]

ترجمہ:۔اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب (برتر) ہیں۔

اس لئے مومن اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہے جس سے اُس کی ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے جیسا کہ حدیث پاک سے بھی یہ ثابت ہے کہ جب بندہ اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہے تو وہ اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اُس کے ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے۔شاید اسی لئے شاعرِ مشرق نے ایسا کہا ہے ؎

ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب وکار آفریں، کارکُشا،کارساز [63]

اسلئے توکل واعتماد مومن کی ایک بڑی دولت ہے وہ اپنی زندگی اسی کے سہارے جیتا ہے اس کے لئے وہ پوری دنیا سے لڑتا ہے پوری دنیا کو ناراض کرسکتا ہے مگر اللہ کا دامن کبھی نہیں چھوڑتا۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ یَّنصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۶۴؎

ترجمہ:۔ اگرحق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں اس عظیم نعمت (توکل واعتماد) کا فقدان ہے اُن کے پاس عقل کے سوا کوئی ایسا ذریعہ علم نہیں ہے جو ان کی رہنمائی کرے۔اور عقل کی پرواز بہت ہی محدود ہے اسلئے معروف شارح یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں کہ

''دنیا کے حاصل کرنے کا طریقہ عقل ہے اور خدا کے حاصل کرنے کا طریقہ عشق ہے''۔۶۵؎

ہر طبقہ اور ہر گروہ عقل کی عظمت تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی رسائی اور رہنمائی نقص سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس کی رسائی مادیات اور حسی تجربات تک محدود ہے اور عقل سے ہر بات ٹھیک ویسی حاصل نہیں ہوتی جیسی وہ حقیقت میں ہے جیسے ؎

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں ۶۶؎

مغربی تہذیب کا سب سے اہم ذریعہ علم عقل ہی ہے اس کی بدولت انھوں نے نوائے فطرت کو مسخر کرلیا لیکن اُن سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس کائنات کا بنانے والا کون ہے؟ اس بات کو علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس شعر میں پیش کیا ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا ۶۷؎

مغرب میں عقلیت پرستی کا دور ایک مدّت سے چلا آرہا ہے اس کے لئے ان کو کیا کچھ نہیں کرنا پڑا اس بات کا اندازہ علامہ اقبال کے اس شعر سے ہوگا ؎

لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو

جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے

اقبالیات کے معروف شارح یوسف سلیم چشتی اس شعر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس شعر میں اسی آویزش کی طرف اشارہ ہے جو ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کے رومن کیتھولک کلیسا (مسیحیت) اور حکما و فلسفہ کے درمیان پیدا ہوگئی تھی۔ کلیسا کی تعلیم یہ تھی کہ

> حق وہ ہے جو کلیسا پیش کرے اس کے خلاف حکما یہ کہتے
> تھے کہ حق وہ ہے جو عقل سے ثابت ہو سکے۔ حکما کا خاتمہ
> کرنے کے لئے کلیسا نے محکمہ احتساب قائم کیا اور کئی سو
> سال تک ان کے قتل کا سلسلہ جاری رہا بالآخر کلیسا کو شکست
> ہوئی اور یورپ میں عقلیت کا بازار گرم ہو گیا''۔ ۶۸

اسی وجہ سے مغربی تہذیب کا رشتہ ہمیشہ کے لئے مذہب سے منقطع ہو گیا اور انھوں نے عقل کو ہی طاقت کا سب سے بڑا سرچشمہ تصوّر کیا۔

شجاعت و بہادری بھی مومن کا ایک اہم وصف ہے اس سے اس میں حقیقی زندگی گذارنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے وہ اُن خیالات وتصوّرات کو اپنے ذہن میں جگہ ہی نہیں دیتا ہے جو اُسے خیالی پلاو کی لذّت دے۔ وہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے ہر مشکل پر فتحیابی حاصل کرتا ہے اور جُھوٹی خواہشات وآرزوٗں کو چھوڑ کر حصولِ مقصد کے لئے کوشاں رہتا ہے وہ اپنی زندگی میں مسلسل کوشش، محنت، یقین اور عشق ولگن سے اپنے اندر خود اعتمادی کا جوہر پیدا کر کے دین ودنیا میں کامیابی وکامرانی حاصل کرتا ہے شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جا بہ جا مردِ مسلمان کے صفات بیان کئے ہیں ۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرھان

قہاری وغفاری وقدوسی و جبروت

یہ چار عناصرِ ہوں تو بنتا ہے مسلمان۶۹ے

مغربی تہذیب نے دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں زندگی کے ہر میدان میں سب سے زیادہ ترقی کی ہے حصولِ زندگی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ بھی اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر بڑی بڑی تحقیقیں کرتے ہیں اور ہر خطرے کو مول لے کر منزل تک پہنچ جاتے ہیں لیکن اُن کے یہاں آخرت کا تصوّر مفقود ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا ہی اُن کے لئے اول بھی اور آخر بھی ہے علامہ اقبال نے اس بات کی وضاحت بڑے ہی پرُ اثر انداز میں کی ہے ۔

بُرانہ مان ،ذرا آزما کے دیکھ اسے

فرنگ دل کی خرابی، خرد کی معمُوری ۷۰ے

سچائی اور خلوص انسان کی سب سے امتیازی صفت تسلیم کی جاتی ہے اس کی کئی قسمیں ہیں جیسے زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰه حَدِ یْثاً ۱۷ے

ترجمہ:۔اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہو گی۔

صفاتِ الٰہی کے پر تو کے سبب مومن کی زندگی پابند اصولوں پر قائم ہوتی ہیں وہ یہ کہ وہ ہمیشہ سچ بات بولتا ہے اور حق گوئی وحق پرستی میں کسی سے نہیں ڈرتا یعنی مومن کے اندر دو خاص خوبیاں پائی جاتی ہیں حق گوئی اور بے باکی۔یہی دو خوبیاں اسلامی تہذیب کے علمبردار حضرت علیؓ کی سب سے اہم خوبیاں تھی جس کو شاعر مشرق نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے ۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ۲ے

حقیقی مسلمان ہر حال میں سچ پر قائم ودائم رہتا ہے۔سچائی بالکل شمع کے مانند ہوتی ہے جو اپنے اِردگرد کے ماحول کومنور کرتی ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول محترم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں ، پھر پوچھا گیا گیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا، ہاں تیسری مرتبہ سوال کیا گیا، کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ فرمایا نہیں

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مومن بزدل بھی ہوسکتا ہے بخیل بھی ہوسکتا ہے مگر جھوٹا کبھی نہیں ہوسکتا۔

کبھی کبھی دنیا کے لوگوں کو سچی بات کڑوی اور ناگوار معلوم ہوتی ہے اس لئے سچ بولنے والا دنیا والوں کی نگاہ میں عزّت کا مستحق نہیں سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقی مسلمان وہی کرتا ہے جس سے اُس کا خدا راضی ہو، چاہے اس کے لئے اس کو دنیاوی لوگوں کی ناراضگی ہی کیوں نہ مول لینی پڑے۔ حقیقی مسلمان کی ترجمانی علامہ اقبال نے ان اشعار میں کی ہیں ۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق!

نے ابلہ مسجد ہوں ، نہ تہذیب کا فرزند

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش

میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند! ۳۷

سچائی اور خلوص کی ضد جھوٹ ہے۔ قرآن پاک میں جھوٹ بولنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ اس سے دنیا میں اور آخرت میں بھی رسوائی ہو جاتی ہے۔ انسان کو ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ اس کو قرآن پاک میں ساری برائیوں کی ماں کہا گیا ہے۔

مغربی تہذیب میں سچائی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ دنیاوی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے وہ جھوٹ کا سہارا بھی لیتی ہے جو اس کی نظر میں کوئی غلط بات نہیں ہے وہ مادی خوشحالی کو ہی عظیم نعمت تصوّر کرتی ہے اور معاشرے کی ہر ایک چیز کو اسی

پیمانہ سے ناپتی ہے اس بات سے اُن کو کچھ لینا دینا نہیں ہوتا ہے کہ یہ خوشحالی اُن کو کس طرح سے حاصل ہو، چاہے اس کے لئے حقوقِ انسان کی پامالی ہی کیوں نہ ہو یا اس کے لئے فریب کا راستہ ہی کیوں نہ اپنایا جائے۔ ایسا کرنا اُن کے یہاں جائز قرار دیا جاتا ہے۔

سچائی کے ساتھ ساتھ مومن بہت ہی سخی ہوتا ہے کیونکہ سخاوت وفیاضی بھی اللہ تعالیٰ کا عکس ہے، اس سے انسان کے اندر محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو انسانیت کا ایک اہم وصف تصوّر کیا جاتا ہے۔ سخاوت وفیاضی کا مطلب ہے دوسروں کو فائدہ پہنچانا۔ اس کے بہت سے طریقے ہیں جیسے اپنی ضرورت کو دوسروں کی ضرورت پر اہمیت دینا، اپنی طاقت کو دوسروں کی بہبودی کے لئے استعمال کرنا، اپنا نقصان برداشت کر کے دوسروں کے لئے آسانی فراہم کرنا وغیرہ

سخاوت اور فیاضی انسانیت کا زیور ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اس سے حکمت اور دانائی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت اور دانائی عطا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سی برائیوں جیسے بخل، حرص، بے رحمی، سنگ دلی، تنگ نظری، بدسلوکی، خودغرضی اور نفرت سے انسان اپنے آپ کو باز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو لوگوں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَنْ تَنَا لُو االْبِرَّ حَتیٰ تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۹۲؎

ترجمہ:۔تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ

اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب جو کہ خود پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے اسلئے اُن کے یہاں ایسے اخلاقی عناصر ناپید ہیں۔ دوسروں کے درد و کرب سے انھیں کچھ لینا دینا نہیں ہے جبکہ اسلامی تہذیب میں حقوق و فرائض کے درجے الگ الگ مقرر کئے گئے ہیں جیسے ماں باپ کے حقوق، استاد کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، وغیرہ

سخاوت و فیاضی کے ساتھ ساتھ مومن میں اور ایک صفت پاکدامنی ہوتی ہے۔عفت و پاکدامنی حقیقی مسلمان کا ایک اہم ''جوہر'' ہے اس سے انسانیت اور حیوانیت میں تمیز پیدا ہوتی ہیں۔

اسلامی تہذیب میں سیرت و کردار کا پیمانہ ''صفاتِ الٰہی'' ہیں اس لئے اس وصف کی بہت زیادہ اہمیت اوراس کی حفاظت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

عفت و پاکبازی کی ضد فاحشہ ہے یہ لفظ اگر چہ قول و فعل کی ہر چھوٹی بڑی

برائی پر مشتمل ہے لیکن یہ کھلی بے حیائی اور بڑی بُرائی (زنا) کے لئے استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس جانے کی ممانعت کی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّہٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ؁ ۵۷

ترجمہ:۔ اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلا شبہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔

مغربی تہذیب میں سیرت و کردار کا معیار ''دنیوی مفاد'' ہے اس لئے اُن کے یہاں عفت و پاکدامنی کی نہ قدر و قیمت ہے اور نہ اس کی حفاظت کی طرف کوئی توجہ دی جاتی ہے حالانکہ وہاں پر اس برائی کی پوری آزادی دی گئی ہیں مثلاً نمائش حُسن ، رقص و سرور کی محفلیں، آزادانہ میل ملاپ، نائٹ کلب، عریاں تصویریں، عریاں لباس اور ڈانس کے شہوت انگیز طریقے۔

جبکہ اسلامی تہذیب میں فحاشی کے مرتکب کے لئے سخت قوانین اور سنگین سزائیں مقرر ہیں جس کی وجہ سے مجرموں کو سزا بھی ملتی ہے اور معاشرے کو بھی عبرت و تنبیہ حاصل ہوتی ہے۔

احادیث میں فحش سے بچنے اور عفت و پاکدامنی کو قائم رکھنے کے لئے مختلف قسم کی ہدایات ہیں اور اس کے علاوہ لباس، چال ڈھال میں آزادانہ روش اختیار

کرنے ، خوشبو لگا کر نکلنے جسم اور کپڑوں کی نمائش وغیرہ جن سے کسی درجہ میں عفت و پاکدامنی کی حفاظت میں خلل پڑنے کا خطرہ ہے ان سب سے منع کیا گیا ہے۔

مغربی تہذیب عفت و پاکدامنی سے بالکل محروم ہے جیسا کہ مغربی تہذیب میں زنا کو رضا اور جبر میں تقسیم کر کے زنا بالجبر کو جرُم قرار دیا گیا اور زنا بالرضا کو ذریعہ تفریح تسلیم کیا گیا ہے پھر جبر کے ثبوت کے بعد بھی کوئی ایسی سنگین سزا مقرر نہیں کی گئی ہے جس سے مجرم اور معاشرہ دونوں کو آئندہ کے لئے عبرت حاصل ہو سکے۔ اس کے برعکس وہاں فاحشہ کو فروغ دینے کے لئے فکری و عملی دونوں قسم کے انتظامات موجود ہیں۔ عہد حاضر کے متکلم اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس کے بارے میں یوں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مغربی قانون زنا کو بجائے خود کوئی جرم نہیں سمجھتا۔ اس کی نگاہ میں یہ فعل صرف اس وقت جُرم ہوتا ہے جب کہ اس کا ارتکاب جبر و اکراہ کے ساتھ کیا جائے یا کسی ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو دوسرے شخص کے نکاح میں ہو۔ بالفاظِ دیگر اس قانون کے نزدیک زنا خود جرم نہیں ہے بلکہ جُرم دراصل جبر یا حق تلفی ہے بخلاف اس کے اسلامی

قانون کی نظر میں یہ فعل خود ایک جُرم ہے اور جبر واکراہ
یا حقِ غیر میں مداخلت سے اس پر ایک اور جرم کا اضافہ ہو
جاتا ہے۔اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے سزا کے باب
میں بھی دونوں کے طریقے مختلف ہو جاتے ہیں۔مغربی
قانون زنا بالجبر میں صرف سزائے قید پر اکتفا کرتا ہے اور
منکوحہ عورت کے ساتھ زنا کرنے پر عورت کے شوہر کو
صرف تاوان کا مستحق قرار دیتا ہے یہ سزا جرم کو روکنے والی
نہیں بلکہ لوگوں کو اور جرأت دلانے والی ہے اسی لئے ان
مما لک میں جہاں یہ قانون رائج ہے زنا کا ارتکاب بڑھتا
چلا جارہا ہے اس کے مقابلے میں اسلامی قانون زنا پر ایسی
سخت سزا دیتا ہے جو سوسائٹی کو اس جرم اور ایسے مجرموں
سے ایک مدّت کے لئے پاک کر دیتی ہے جن مما لک
میں زنا پر یہ سزا دی گئی ہے وہاں اس فعل کا ارتکاب کبھی
عام نہیں ہوا''۔۶۷

اسلامی تہذیب میں اس فعل خبیث کے لئے جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں یہ

سزائیں تہذیب جدید کو سخت بلکہ وحشیانہ معلوم ہوتی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے یہاں عفت و پاکدامنی کی زیادہ اہمیت اور معاشرہ پر اس فعل کے بُرے اثرات ونتائج کا احساس نہیں بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے دراصل مغربی تہذیب کو اس فعل کی خباثت اور جرم کی سنگینی کا شعور ہی نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن کے یہاں کسی سخت قانون یا سزا کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ۔ اِسی لئے مغربی تہذیب بے حیائی میں ڈوبی ہوئی ہے اور بے حیائی کی وجہ سے اُن کے معاشرے میں بے شمار برائیاں پیدا ہوئی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کو سخت ناپسند کرتا ہے اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ شرم وحیا سے خیر اور بھلائی حاصل ہوتی ہے نیز شرم وحیاء ایمان کا لازمی جُزاور انسانیت کا ایک اہم جوہر ہے ۔

شرم وحیا سے بہت سی اخلاقی خوبیوں کی نشونما ہوتی ہیں اور عفت وعصمت کا دامن بہت سی آلودگیوں سے محفوظ رہتا ہے اگر بچپن سے ہی اس کی تربیت کا اہتمام کیا جائے گا تو یہ وصف اور بھی بڑھ جاتا ہے اور اچھی تربیت کرنا والدین کا بنیادی فرض ہے ۔

جبکہ مغربی تہذیب میں شرم وحیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہیں اور نہ اس کی حفاظت وتربیت کا کوئی انتظام ہے کیونکہ یہ صفت خدائی صفت ہے جس سے وہ لوگ

نا آشنا ہیں اور جس ماحول میں بچہ پلتا ہے وہ اُسی کا اثر قبول کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب میں ابتدا سے ہی بچے کی تربیت اور اس کی نگہداشت کا حکم دیا گیا ہے جیسے برہنگی سے روکنا، بے حیائی کی باتوں کو بولنے اور دیکھنے سے منع کرنا، ستر عورت کا اہتمام، نگاہیں نیچی رکھنا، یہاں تک کہ غسل خانہ اور خلوت خانہ میں بھی احتیاط کا حکم ہے یہ سب اسی لئے ہے کہ انسان شرم وحیاء کی حدود میں زندگی بسر کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس میں شرم و حیاء نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں ہے۔ایمان انسان کی سب سے بڑی اور اہم دولت ہے۔

ایک مسلمان پاک دامن ہونے کے ساتھ ساتھ امانت دار بھی ہوتا ہے امانت و دیانت داری انسانیت کی اساس ہے اس کے بغیر زندگی کے معاملات کبھی درست نہیں ہو سکتے ہیں اسلئے یہ اخلاق کا ایک اہم جوہر ہے۔

قرآن پاک کی بیشتر آیات واحادیث سے امانت کے مفہوم کی وسعت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ یہ زندگی کے ایک شعبہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ مالی، اخلاقی، قانونی، اقتصادی، معاشی وغیرہ ہر شعبے کو وسعت دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں مثلاً حقوق وادائیگی میں کمی اور فرائض میں کوتاہی نہ کرنا، کسی کی چیز کو ٹھیک ٹھیک واپس کرنا، کسی کے بھید کو چُھپانا، ایک جگہ کی بات دوسری جگہ نقل کرنے سے پرہیز کرنا صحیح مشورہ دینا، ڈیوٹی ٹھیک انجام دینا وغیرہ

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو نبوّت سے پہلے ''امین'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ رسول محترم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اسلامی تہذیب میں زندگی کی ہر ایک چیز انسان کے پاس امانت ہے یہاں تک کہ انسان کی زندگی بھی اللہ کی امانت ہے اور انسان کی حیثیت ''امین'' کی ہے۔ امانت کی ادائیگی کے بغیر انسان کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ہر عمل حساب مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عدالت سب سے بڑی عدالت ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۷۷

ترجمہ:۔ اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اُسی نے دنیا میں ترازو رکھ دی۔

عدل کے ذریعہ ہر ایک کو اس کا حق مل جاتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ کائنات کے ہر شعبے میں نمایاں ہے اسی پر کائنات کا پورا نظام قائم ہے اسی لئے قرآن پاک اور احادیث میں مختلف انداز سے اس کی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ مشرقی و مغربی مفکرین جیسے امام غزالی، شاہ ولی اللہ، افلاطون، جان ڈیوی وغیرہ نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کو ایک ''روحانی جوہر'' قرار دیا ہے۔

مغربی تہذیب میں عدل و عدالت کی بنیاد وطن پرستی اور قوم پرستی پر ہے جبکہ

اسلامی تہذیب میں اس کی بنیاد خدا پرستی اور روحانی پاکیزگی پر ہے دراصل اسلامی تہذیب، اخوت، خدا پرستی اور پاکیزگی کا نام ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہیں اور تمام لوگ بھائی بھائی ہیں اس لحاظ سے اسلامی تہذیب میں عدل وعدالت کا معیار نہایت بلند ہے جس کی نظر میں دوست و دشمن، اپنے پرائے، قریب وبعید میں کوئی فرق نہیں ہیں۔

عدل وعدالت کی ضد ''ظلم'' ہے یہ اجتماعی زندگی میں بھی اور شخصی زندگی میں بھی پایا جاتا ہے۔قرآن پاک میں اس کا استعمال کئی معنوں میں آیا ہے جیسے شرک، حق تلفی، کفر اور ایک دوسرے پر زیادتی وغیرہ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افتَرٰی عَلیٰ اللّٰہِ کَذِباً۔۸ے

ترجمہ:۔سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول مقبولﷺ مقام حجر ☆ سے گذرے تو آپؐ نے اپنا سر جُھکایا اور تیزی سے اس جگہ سے گذر گئے۔ نیز یہ بھی فرماتے گئے کہ جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے جب اُن کے گھروں میں داخل ہو تو

☆ قوم ثمود کی تباہ شدہ بستی

قوم ثمود:۔ایک قدیم عربی قبیلہ جو حضرت صالح کی نافرمانی سے عذاب کا مستحق ہوا۔

روتے ہوئے داخل ہو کہ مبادا وہی عذاب تمہیں پہنچے جو اُن کو پہنچ چُکا ہے۔

قرآنِ پاک کی بہت سی آیتوں میں بھی ظلم کی بُرائی اور مظلوم کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور اسلام میں ظلم کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں جیسے کسی کا مال کھانا، کسی کو مارنا، خونریزی کرنا، گالیاں دینا، کسی پر تہمت لگانا، کفر وشرک کرنا وغیرہ

انصاف کرنے والوں اور رحم کرنے والوں کو بہت پسند کرتے ہیں کیونکہ اللہ جو سب سے بڑا رحیم ہے اور رحم اللہ کی صفتوں میں سب سے بڑی صفت ہے صفاتِ الٰہی کے بارے میں معروف ادیب و محقق مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

''قرآن نے خدا پرستی کی بنیاد ہی اس جذبے پر رکھی ہے کہ
انسان خدا کی صفتوں کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے''۔۷۹؎

رحم انسانیت کی معراج ہے اور رسول پاک ﷺ کی صفتوں میں بھی رحم کو سب سے بڑی صفت قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کو تمام جہاں کے لوگوں پر رحمت بنا کر بھیجا ہیں اور اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا رحمت کا سرچشمہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۸۰؎

ترجمہ:۔ اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے رسول محترم ﷺ فرماتے ہیں۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ تُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا ۔

ترجمہ:۔ یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بڑوں کی عزّت نہ کی۔

رسول پاک ﷺ نے بے رحمی اور سنگ دلی جیسی بداخلاقی سے پرہیز کرنے کی تاکید مختلف طریقوں سے کی ہیں ابوداؤد میں ایک روایت ہے کہ ایک بدّو[1] نے آپ ﷺ سے کہا کہ لوگ بچوں کو پیار کرتے اور اُن کا بوسہ لیتے ہیں ہم لوگ بوسہ نہیں لیتے، اس پر رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم نکال لیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔

اسلام میں رحم کی تعلیم صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس میں بے زبان جانوروں کے ساتھ بھی رحم سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔

رحم، عدل[2]، احسان[3]، عفوودرگذر وغیرہ بھی اہم صفاتِ الٰہی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُبِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَان ۸۱

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۱؎ بدّو:۔ عرب کا خانہ بدوش

۲؎ عدل کا لغوی معنی برابر تقسیم کرنا، انصاف کرنا ہے۔

۳؎ احسان:۔ دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جس سے اس کا دل خوش ہو اور اس کو راحت ملے۔

عدل کے ذریعہ ہر ایک کو اس کا برابر حق مل جاتا ہے اور کسی کے ساتھ کوئی بھی ناانصافی نہیں ہوتی اور احسان کے ذریعہ لوگوں کی تکلیف و آرام اور رنج و راحت کا خیال رکھا جاتا ہے جو لوگ دوسروں پر احسان کرتے ہیں خُدا ان سے بہت خوش ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاللّٰہُ یُحِبُّ المُحِسنِینَ ۸۲

ترجمہ:۔اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

عفو و درگذر بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں قرآن میں کئی بار اس وصف کا تذکرہ آیا ہے کیونکہ عفو و درگذر پر ہی یہ دنیا قائم ہے اس دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کے یہ اوصاف نہ ہوتے تو یہ دنیا کب کی ختم ہوگئی ہوتی جیسا کہ پچھلی قوموں پر۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے غضب اور قہر نازل ہوا جیسے قومِ ثمود اور قومِ لوط وغیرہ پر اسلامی تہذیب میں عفو و درگذر کی تعلیم جس انداز سے کی گئی ہے اس سے انسان کی عزت یہاں بھی اور وہاں بھی بڑھ جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگذر کرنے والوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے۔

وَجزٰٓؤُا سَیّئَۃٍ سَیّئَۃٌ مِثلُھَا فَمَنْ عَفَاوَ اَصلَحَ فَا جرُہ‘
عَلیَ اللّٰہِ اِنّہٗ لَا یُحِب الظّٰلِمیِنَ ۸۳

ترجمہ:۔اور برائی کا بدلہ برائی ہے پھر جو شخص معاف کرے

اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمّہ ہے واقعی
اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلئے عفوو درگذر سے کام لینا بلند اخلاق کی عظیم مثال ہے۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء کا پرتو ہے اوراس کے جتنے اسماء ہیں وہ سب اس کے صفات ہی تو ہیں مثلاً رحیم، کریم، قہار، جبّار وغیرہ انہیں صفات کی تجلی ہر دم ہوتی رہتی ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۸۴؎

ترجمہ:۔ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو سارے جہاں کا
پروردگار ہے۔

بڑائی اور عظمت اللہ کے صفات میں سے ہیں اس سے انسان میں مختلف قسم کی محنت ومشقت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور انسان اپنے آپ کو کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور وہ صرف ایک ہی کام پر قائم نہیں رہتا بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَفِيْ شَاْنٍ ۸۵؎

ترجمہ:۔ ہر روز وہ ایک نئے کام میں ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال بھی حقیقی مسلمان کو اسی قسم کا درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

؎ اِسی روز وشب میں اُلجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان ومکاں اور بھی ہیں ۸۶؎

محنت ومشقت سے پھر انسان میں ترقی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی شخصیت پُر ہیبت بنتی ہے اور جب انسان اِن مراحل کو طے کرتا ہے تو جلال و جبروت جیسی صفات کا حامل ہوتا ہے۔جلال و جبروت اللہ تعالیٰ کی صفات الجباراور ذوالجلال کا عکس ہے۔

صفتِ جلالی سے انسان کے اندر بہت سے صفات پیدا ہوتے ہیں جن کے ذریعہ زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے اور خلافت و نیابت کی شان نمایاں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو بنایا اور اس کو خلافت و نیابت کے عہدے پر سرفراز کیا تو اس نے آدم کو اشیاء صفت اور اُن کے خواص سکھائے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اسطرح کیا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَ سْمَاءَ کُلَّھَا ۸۷؎

ترجمہ:۔ اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے آدم کو کل چیزوں کے اسماء کا۔

اس علم کی بدولت انسان کو حقائق ایشاء کی معرفت حاصل ہوئی اور اسی صفت کی بدولت انسان نئے نئے انکشاف کر کے ترقی کے مدارج طے کرتا ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے اور مخلوقات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی صفت علاَّمُ الغُیُوب کا عکس ہی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان ریسرچ اور تحقیق سے نئ

نئی ایجادات کرتا ہے نیز اس سے انسان صنعت وکاری گری کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اور مختلف چیزوں کو استحکام بخشتا ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے صفات کے پرتو سے ہی ممکن ہوتا ہے۔اسی لئے علامہ اقبال ''پیامِ مشرق'' میں خدا سے عرض کرتے ہیں ؂

تو شب آفریدی چراغ آفریدم

سفال آفریدی ایاغ آفریدم

چونکہ اللہ تعالیٰ خود ایک بڑا کاریگر ہے اور یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا کارخانہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

صُنُعَ اللّٰهَ الَّذِ ی اَتُقَنَ کُلَّ شَیءٍ ۸۸؁

ترجمہ:۔ یہ خدا کا کام (کاریگری) ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

سب سے عظیم اور حکیم ہے وہی سب کا معبود ہے کوئی اس جیسا نہیں ہے اس کا عکس انسان پر پڑتا ہے اور وہ اس کو حسبِ استعداد جذب کرتا ہے۔

غور وفکر کا مادہ بھی انسان کے اندر خدائی صفات کا ہی پرتو ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت کی دولت عطا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا یُحِیُطُوُنَ بِشَیءٍ مِّنُ عِلُمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۸۹؁

ترجمہ:۔ اللہ جتنا چاہیے اس کے علاوہ اور کسی چیز کا اس کے

علم سے لوگ احاطہ نہیں کر سکتے ۔

اسلام سب سے بہتر اور برتر دین ہے اس میں ہر قانون خدا کا بنایا ہوا ہے اس میں زندگی کے ہر گوشے میں مقرر اور واضح قانون ہے یہ دین ہمیں خدا پرستی ، اخوت ،خلوص ومحبت ، ہمدردی اور ایثار وقربانی کا درس دیتا ہے ۔

جبکہ مغربی تہذیب میں معاشری نظام درہم برہم ہو گیا ہے جس میں ایسے جذبات سرد پڑ گئے ہیں اور ہر شخص اپنے آپ میں کھویا ہوا ہے یہاں تک کہ وہاں ماں باپ اور اولاد پرورش وخدمت کی ذمہ داری بھی نہیں لیتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے پر بوجھ تصوّر کئے جاتے ہیں اور اُن کے درمیان حقوق وفرائض کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے کیونکہ بچوں کی پرورش وتربیت بورڈنگ سکول (Boarding schools) میں ہوتی ہے اور بوڑھے ماں باپ کی نگہداشت اُن گھروں میں ہوتی ہے جو خاص اُن کے لئے علٰحیدہ (old age houses) بنائے جاتے ہیں اس سے ابتدا سے ہی اُن کے درمیان محبت اور خلوص کا جذبہ منقطع ہو جاتا ہے اس کے متعلق معروف محقق محمد اسجد قاسمی ندوی یوں رقمطراز ہیں ۔

''ماں ساٹھ سال سے زیادہ عمر کو پہنچ جائے تو اسے معزورین کے لئے موجود خاص مکان میں منتقل کر دیا جاتا ہے ، نرسیں اس کی دیکھ بھال کرتی ہیں نتیجتاً ماں محبت ، خلوص اور بے غرض خدمت سے محروم ہو جاتی ہے وہ کسمپرسی

اور بے چارگی کی شکار ہو کر موت کی منتظر رہتی ہے۔کسی
بیماری کا شکار ہو جانے پر اِسے ہاسپٹل میں ہی شفٹ کر دیا
جاتا ہے اور ہاسپٹل کا عملہ دیکھ ریکھ کرتا ہے، اولاد کی
ذمّہ داری صرف مصارف ادا کرنے کی ہی رہ جاتی ہے
غرض یہ کہ مغربی نظام نے آزادی ،جدّت اور مساوات
کے نام پر پورا فیملی سسٹم تباہ کر دیا ہے''۔۹۰

اس کے برعکس اسلامی تہذیب میں فیملی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے اس میں ہر ایک کے حقوق اور فرائض مقرر کئے گئے ہیں اور ہر ایک کے لئے الگ الگ درجہ مقرر کیا گیا ہے یہاں تک کہ سفر میں جو ساتھی ہوتا ہے اس کا بھی حق ہوتا ہے۔

اور پھر خاندانی رشتہ اتنا قوی ہوتا ہے کہ یہ رشتہ زندگی تک ہی نہیں محدود ہوتا ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ ورثہ میں مال و دولت کی تقسیم کا حکم رشتے کی بنیاد پر ہی ہے۔

اگر اسلام کا خاندانی نظام پوری طرح سے اپنا لیا جائے تو تمام مسائل سُلجھ سکتے ہیں۔اسلامی نظامِ معاشرت اور مغربی نظامِ معاشرت کا سب سے واضح فرق یہی ہے کہ مغرب میں خاندانی نظامِ بالکل ختم ہو رہا ہے میاں بیوی کا آپس میں کوئی بھروسہ نہیں رہا ہے ماں باپ کی محبت ختم ہوگئی ہیں اور والدین اپنی ذمّہ داریوں سے

مُنہ موڑ رہے ہیں۔

جبکہ اسلامی نظامِ معاشرت ، اُنس ومحبت ،اعتماد، اتحاد اور مساوات کی بنیادوں پر استوار ہے جس سے کبھی توڑا نہیں جاسکتا۔عورتیں حقوق میں دینی معاملات میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں ہر شعبے میں اُن کی خدمات ہیں، علم وادب، حدیث وتفسیر، جہاد واستقامت میں غرض ہر میدان میں ان کے قابل قدر اور قابل رشک کارنامے ہیں اور سب سے بڑی بات کہ اللہ کی رحمت ومغفرت میں بھی مساوات ہے۔

اسلامی تہذیب میں چونکہ دینِ فطرت کا نظام قائم ہے اس لئے اس میں فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماں باپ اور اولاد کے درمیان تعلق کی طرف توجہ دی گئی ہے اور مختلف انداز سے اُن کے حقوق وفرائض کی تفصیل بیان کر کے اُن کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے قرآن پاک میں متعدد آیات میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اکثر جگہ یہ تاکید توحید اور خدا پرستی کی تعلیم کے بعد ہے جیسے

وَاعۡبُدُوۡاللّٰہَ وَلَا تُشۡرِ کُوۡابِہٖ شَیۡـًٔا وَّ بِالوۡ الِدَیۡنِ اِحۡسَاناً ۹۱

ترجمہ:۔اور تم اللہ کی عِبادت کرو اُسکے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

رِبِ ارۡحُمۡھمَا کَمَا رَبَیَّانِیۡ صَغِیۡرا

اسلامی تہذیب میں جس طرح ماں باپ کے فرائض اولاد پر ہیں اسی طرح اولاد کے حقوق بھی ماں باپ پر ہیں۔ ماں باپ کے بنیادی فرائض ہیں اچھا نام دینا، اچھی تربیت دینا اور شادی کرنا۔ ان سب میں مقدم اچھی تربیت ہے اور بچوں کے پیار ومحبت میں مساوات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مغربی تہذیب نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی ترقی کی ہے مگر انسان سے متعلق علم میں وہ بہت پیچھے ہے اور بہت سارے مغربی مفکرین اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

اسلامی تہذیب میں انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے جس میں دونوں جہاں کا علم پوشیدہ ہے اور کائنات سے متعلق ہر چھوٹی سے چھوٹی اور ہر بڑی سے بڑی بات کو بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں اُن کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ رسول پاک ﷺ کی حیاتِ طیبّہ قرآن پاک کا عملی نمونہ ہے۔

اسی لئے اسلامی تہذیب میں کائنات سے متعلق ہر مفید علم سے استفادہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ قرآن پاک کی ابتداہی پڑھنے کے حکم لفظ ''اقرا'' سے ہوئی اور جو آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس مادّہ ☆

☆ مادہ:۔ یعنی جما ہوا خون جو نطفہ کے بعد کا درجہ ہے۔

سے انسان کی پیدائش ہوئی اس کے اعتبار سے اگر چہ وہ کسی بھی صفت کا مستحق نہیں ہے۔لیکن علم کی بدولت وہ ترقی کا ہرزینہ طے کرسکتا ہے۔قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِقْـرَاْبِـاسْـمِ رَبِكَ الَّـذِیْ خَلَقُ oخَـلَـقَ الْاِ نْسَانَ مِنْ عَلَق oاِقْرَاْوَرَبُّكَ الْاَکْرَمُ oالَّـذِیْ عَلَّمَ بَالْقَلَم oعَلَّمَ الْاِنْسانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ o ۹۲

ترجمہ:۔اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، انسان کو جمے ہوئے خون سے ۔آپ پڑھیے آپ کا رب نہایت کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔

اسی لئے اسلامی تہذیب میں علم سیکھنے اور سکھانے کی بڑی تاکید کی گئی ہیں۔علم کی فراوانی سے کوئی بھی انسان بڑے سے بڑے عہدے پر فایز ہوسکتا ہے۔علم کا دائیرہ نہایت ہی وسیع ہے۔رسول پاک ﷺ ہر مفید علم کے لئے دور دراز سفر کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

اُطْلُبو الِعُلمَ وَلَو کَانَ بِالصّین

ترجمہ:۔علم حاصل کرو اگر چہ چین میں ملے۔

اسلامی تہذیب میں علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے

کیونکہ علم نور ہے نیز علم انسانی ضرورت کے تمام گوشوں پر حاوی ہے جبکہ مغربی تہذیب نے عورت کو مرد کے مقابلے کھڑا کر کے ان گنت فتنوں کو جنم دیا ہیں اور اس میں عورت نے جو کچھ کھویا اس کا کوئی بدل نہیں ۔ اور نا ہی اس کی بھرپائی ہوسکتی ہے اسی لئے علامہ اقبال یہ کہتے ہیں ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت ۹۳

کیونکہ مغرب میں خمریات اور منشیات کا استعمال جو دل ودماغ پر تباہ کن اثرات ڈالتے ہیں مرد وزن میں عام ہے اور اس کو بالکل بھی غلط نہیں سمجھا جاتا ہے شاعر مشرق علامہ اقبال نے شاید اسی لئے پیر رومؔی سے یہ کہلوایا ہے ؎

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود ۹۴

مغربی تہذیب نے عورتوں کو پوری آزادی دی رکھی ہے یہاں تک کہ بداخلاقی میں بھی اس نے مرد کے برابر حقوق حاصل کر لئے ہیں جس میں کسی کی کوئی دخل اندازی نہیں ہے اور نکاح جیسے پاک اور عظیم رشتے کی بھی کوئی قدر و قیمت نہ رہی جس کی وجہ سے مرد کی سربراہی بھی ختم ہوگئی اور عورت ہر قسم کی بندشوں سے آزاد

ہو گئی ۔جس سے سماج کا نظم ونسق درہم برہم ہو گیا۔حقیقت میں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عورت کے متعلق غلط تصوّر نے ایک عرصہ تک اس کو فطری حقوق سے محروم رکھا۔ جس کا ردِ عمل مکمل آزادی و بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوا۔اور معاشرے میں ہر طرف تناؤ ہی تناو پھیل گیا۔اب اس کو روکنے کے لئے سب بے بس ہے اور اس نے ایسی شکل اختیار کی ہے جیسے بوتل میں بند جن کو باہر نکالا ہو۔

اسلامی تہذیب میں مرد اور عورت کے رشتے کا معاہدہ (نکاح) کے ذریعہ مستحکم بنیاد پر ساری زندگی کے لئے قائم کیا جاتا ہے اور عورت کے دائیرہ کار کا تعین کیا گیا ہے وہ اس دائرہ میں رہ کر تہذیب وتمدن کی ترقی میں اپنا رول ادا کرتی ہے اور عورت کی کئی حیثیتیں ہوتی ہیں جیسے ماں ، بہن ، بیوی ، بہو وغیرہ۔ اس طرح معاشرے میں یہ کئی طرح کی ذمہ داریوں کو نبھا کر زندگی کو حسین ودلکش بناتی ہیں اسی لئے مشاعرِ مشرق اس کے متعلق یوں کہتے ہیں ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں [95]

اسلام نے عورت کو جو عزّت اور احترام عطا کیا ہے وہ بے نظیر ہے مرد عورت سے نکاہ کر کے اس کی پوری ذمہ داریاں لے لیتا ہے یہ ایک پاکیزہ اور ایک عظیم رشتہ

ہے اس میں محبت ، ہمدردی احساس، پاکدامنی ،حقوق شناسی اور حقوق کی ادائیگی وغیرہ تمام امتیازات ہیں جبکہ مغرب میں اس طرح کا کوئی رشتہ نہیں ہے وہاں ناجائز رشتوں کی بھرمار ہے اور ازدواجی رشتے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے وہاں یہ ایک کمزور اور بے اثر رشتہ ہو کے رہ گیا ہے۔

اسلامی تہذیب میں عورت کے ہر کام کو شوہر کی اجازت کے ساتھ محدود کیا گیا ہے کیونکہ عورت اگر ہر قسم (جائز و ناجائز) کی جدوجہد میں حصّہ لینے کی مجاز ہوگی ، تو اس کا اثر لازمی طور سے صنفی تعلق اور خانگی نظام پر پڑے گا جس سے انتشار اور بدامنی پھیل جائیگی ۔مغرب کی خرابی کا بنیادی سبب بھی یہی آزادی ہے جس سے سارے فتنوں نے جنم لیا ہیں ۔اور اس کا اعتراف اب بہت سے مغربی مفکرین ☆ نے بھی کیا ہے۔

اسلامی تہذیب میں مرد کی سربراہی برقرار ہے کیونکہ خاندانی تنظیم کا سربراہ فکری طور پر مرد ہوتا ہے جس پر گھر کی معاشی ذمّہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلرِّ جَالُ قَوّ امُوْنَ عَلَی النِّسآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ
بَعْضَھُم عَلیٰ بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْامِنْ اَمْوَالِھِمْ۹۶

☆ برٹرنڈرسل خاص طور پر اس بات کا اعتراف کرتا ہے۔

ترجمہ:۔ مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ

نے بعضوں کو بعضوں پر فضلیت دی ہے اور اس سبب سے

کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ ساری دنیا فائدہ اٹھانے کا سامان ہے اور بہترین سامان صالحہ بیوی ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایمان کے بعد مومن کے لئے بڑی نعمت صالحہ بیوی ہے۔

اسی لئے نکاح ایک بڑی نعمت ہے اس سے ایک دوسرے کے لئے اُنس و محبت اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے زندگی آسان ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کو سہارا بھی ملتا ہے قرآن پاک میں آیا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۹۷

ترجمہ:۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے

لباس ہو۔

اور یہ نکاح اُن کو (مرد اور عورت) تمام قسم کی غلط خواہشات جیسے کسی پر بُری نظر ڈالنا، دل میں بُرے خیال آنا، ناجایز کام کرنا، بے حیائی اور بے شرمی جیسے کاموں سے بچاتا ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے تصوّر کو اُبھارتا ہے جو

عفت وعصمت کے لئے نہایت ہی موثر ذریعہ ہے۔

چنانچہ دین اسلام میں قانون خدا نافذ ہے اس لئے اس میں اُن تمام چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے سماج میں فتنے برپا ہونے کا احتمال ہیں اور ساتھ ہی عورت کے بھی حدود مقرر کئے گئے ہیں اُن حدود میں وہ اپنی زندگی بہ حُسن و خوبی گذار سکتی ہے کیونکہ دین اسلام میں جو کچھ بھی ہے سب انسان کے فائدے کے لئے ہیں دنیاوی فائدے کے لئے بھی اور اخروی فائدے کے لئے بھی۔

اسلامی تہذیب میں ہر قول وفعل کی بنیاد دینِ الٰہی ہے اور جس طرح خاندانی تنظیم میں اُنس ومحبت کے ساتھ حقوق وفرائض کا نظم ہے اسی طرح معاشرہ میں بھی یہ نظم ہے جس کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور ہر ایک دوسرے کا بھائی ہے رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ مخلوق اللہ کا خاندان ہے، اللہ کو زیادہ محبوب وہ ہے جس کا سلوک اس کے خاندان کے ساتھ اچھا ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں معاشرتی نظام تِتر بِتر ہو گیا ہے اس میں خاندانی نظام کی تباہی نئے نئے فلسفوں کی ایجاد اور حصولِ دولت کے حرص نے معاشرہ کی مستحکم بنیاد نہ فراہم ہونے دی۔ جس سے زندگی، میکانکی اور مادی بن کر رہ گئی۔ جس کی وضاحت کرتے ہوئے معروف محقق سید عبدالباری یوں رقمطراز ہیں۔

''جدید مغربی تہذیب اس تصوّر کے آغوش میں گذشتہ دوسو

سال سے پنپتی رہی کہ انسان حیوان سب کے سب مشین
ہیں جو طبعی قوانین سے چل رہے ہیں ان کے پُرزے جس
طور سے ترتیب پاتے ہیں اسی طور کے افعال ان سے صادر
ہوتے ہیں ادنیٰ سے اعلیٰ تک موجودات کا ارتقاء فطرت
کے تدریجی عمل کا نتیجہ ہے اُن کو پیدا کرنے والا کوئی صانع
وحکیم نہیں ۔انسان اشرف المخلوقات نہیں بلکہ دیگر مخلوقات
کی طرح محض ایک حیوانی وجود ہے''۔۹۸

مغربی تہذیب مادی نظریہ حیات پر قائم ہے جو روحانیت سے خالی ہے اور یہ صرف انسان کی طبعی زندگی اور اس کے ذاتی مفاد تک ہی محدود ہے ان کی پوری زندگی کا نظام مذہب سے خالی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی نگاہ میں اخوت کی بنیاد مذہب پر نہیں بلکہ نسب ونسل پر ہے۔جس کی عکاسی ضربِ کلیم میں اقبالؔ یوں کرتے ہیں ؎

ضمیر اس مدنیت کا دین سے ہے خالی
فرنگیوں میں اخوت کا ہے نسب پہ قیام

جبکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد ربانی نظریۂ حیات پر قائم ہے جس نے انسانی زندگی کو دو حصوں مادی اور غیر مادی میں تقسیم کیا ہے۔انسان کی ضرورت کے لحاظ سے

دونوں اہمیت رکھتے ہیں اس کے سبب دونوں کوایک دوسرے کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے اور صرف عقل ہی کی رہنمائی کو ناکافی سمجھا گیا ہے۔

انسانی زندگی کی افادیت کے لئے ماورائی حصّہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی حصّہ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہے اس کے بغیر زندگی کا معاشرتی نظام درہم برہم ہوگا اور انسان کی حیثیت حیوان کے برابر ہو جائے گی۔

صفاتِ ربّانی کے عکس کے پرتو سے زندگی میں جو صفات پیدا ہوتے ہیں اُن کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جہاں عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے اس لئے اُن کی حفاظت کے لئے عظیم نعمت یعنی وحی کی اشد ضرورت ہے اور عقل زندگی کے ذاتی مفاد کی اور وحی اقدار حیات کی حفاظت کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی سرخ روئی حاصل کر سکتا ہے۔

ایک حقیقی مسلمان اقدارِ حیات کی وجہ سے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی اور ضرورت کے وقت وہ خود نقصان اُٹھا کر دوسروں کو فائدے کا سامان فراہم کر سکتا ہے چنانچہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ

وَيُؤْثِرُوْنَ علىٰ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [99]

ترجمہ:۔ وہ اپنے سے مقدم رکھتے ہیں (دوستوں کو) اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں صرف ان ضرورتوں کی طرف توجہ دی جاتی ہیں جن کا تعلق صرف انسان کی مادی ضرورتوں اور حیوانی تقاضوں سے ہیں اور جن میں عقل کی رہنمائی کافی سمجھی جاتی ہے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے عقل نے بہت سارے ازمز (Isms) ☆ کو جنم دیا۔

جبکہ اسلامی تہذیب میں انسان کی حیثیت امین کی ہے اس لئے امانت ونیابت کے دو بنیادی اصول بنا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ انفرادی واجتماعی جوصورت بھی ہو، ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ رب العزّت ہے انسان کے پاس یہ ساری چیزیں نائب ہونے کی حیثیت سے بطورِ امانت دی گئی ہیں قرآنِ پاک میں متعدد آیات میں امانتوں کو اپنی اپنی جگہ پہنچانے کی تاکید کی گئی ہیں۔

قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ١٠٠

ترجمہ: ۔آپ فرمادیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔

قرآن پاک کی آیات کے علاوہ بہت سے احادیث میں بھی خرچ کرنے کی

☆ جیسے Communisim,Marxism,Socialism,Capitalism etc.

تا کید کی گئی ہے اور اس کے مستحقین کی بھی تفصیل دی گئی ہے ۔اور جو دوسروں کے لئے خیر اور بھلائی چاہتا ہے اس کے لئے خیر اور بھلائی کے امکانات کھول دیتا ہے۔

مغربی تہذیب میں انفرادی یا اجتماعی پسند و ناپسند پر خیر وشر کا دارو مدار ہے اور پھر پسند و ناپسند میں چونکہ تبدیلی برابر ہوتی رہتی ہے اس وجہ سے ایک دن کا خیر دوسرے دن کے شر میں تبدیل ہوسکتا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی تہذیب میں خیر وشر کا معیار اللہ کی کتاب یعنی قرآنِ پاک پر ہے جس کا فیصلہ آخری ہے اور جو حق ہے اس میں کسی زمانے میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی تہذیب میں روحانی ،اخلاقی اور جمالیاتی قدروں کی بھی بھرپور اہمیت دی گئی ہیں اور اس کا سب سے بڑا ماخذ صفاتِ الٰہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَصَوَّ رَکُمْ فَاَ حْسَنَ صُوَرَکُم۱۰۱

ترجمہ:۔اور تمہاری صورت بنائی اور اچھی صورت بنائی۔

رسولِ رحمتﷺ فرماتے ہیں

اِن اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُ الْجَمَال

ترجمہ:۔ بیشک اللہ جمیل ہے اور جمال کو وہ پسند کرتا ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں احساس جمال،(Aesthetic Sense) فنون لطیفہ(Fine art) کے تحت فحاشی اور بے حیائی کی ہر طرح کی شکلیں موجود ہیں۔

نیز مغربی تہذیب نے سیاسی نظام میں بھی بہت ترقی کر لی ہے جمہوریت (Democracy) اس کی انتہائی ترقی یافتہ شکل ہے۔ جمہوریت کی بہت سے لوگوں نے تعریف لکھی ہے لیکن سب سے جامع اور مشہور تعریف سابقہ امریکی صدر ابراھیم لنکنن کے وہ الفاظ ہیں جن کا مطلب ہے کہ جمہوری نظام میں عوام ہی سب کچھ ہوتے ہیں وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور اپنے ملک کا دستور خود ہی بناتے ہیں اور اس میں خود ہی ترمیم بھی کرتے ہیں اور ہر دن نیا قانون بنانے میں لگے ہوتے ہیں۔

جمہوریت میں جو پارٹی اکثریت میں ہوتی ہے وہ حکومت کرتی ہے اس طرح جمہوریت میں انسان ہی انسان پر حکومت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی تصوّر نہیں ہوتا ہے جو کہ بالکل قدرت کے خلاف ہے۔

اس کے برعکس اسلام ایسا دین ہے جو مکمل نظام حیات پیش کرتا ہے اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سب سے اعلیٰ ہوتی ہے اور تمام انسان اس کے حکم کے تابع ہوتے ہیں راعی اور رعایا سب اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دِہ ہیں۔

اسلام میں قانون صرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے کوئی انسان کسی انسان پر اپنے قانون کے ذریعے حکومت نہیں کر سکتا۔ حکومت صرف ایک اللہ کی ہوتی ہے اس میں حکومت کا مقصد اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معبودیت ظاہر ہو اور یہی انسان کی تخلیق کا مقصد بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ میں نے تو جنّوں

اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

برصغیر کے معروف عالم علامہ یوسف القرضاوی اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اسلام میں حکومت کا تصوّر خلافتِ الٰہیہ ہے یعنی یہ کہ حکمران خود مقتدر اعلیٰ نہیں بلکہ خدا کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق نظام چلانے کا ذمّہ دار ہے ظاہر ہے مخلوق کو خدا کا کنبہ بتایا گیا ہے تو اس کنبہ کے افراد کے ساتھ کسی بھی طرح کے ظلم و جور کی اجازت نہیں ہوسکتی چاہیے اُن کا مذہب وعقیدہ کوئی بھی ہو بحیثیت انسان یہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے کہ اس کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کیا جائے۔ پھر اسلام کا تصوّر یہ ہے کہ سارے انسان حضرت آدم ہی کی اولاد ہیں اس لئے سب کی نسل بھی ایک ہی ہے اور نسلی بنیاد پر کسی تفریق وامتیاز کا سوال ہی باقی نہیں رہ جاتا''۔ ۱۰۲

اسلام میں اطاعت اللہ کا حق ہے جبکہ جمہوریت میں یہ عوام کا حق ہوتا ہے۔ اسلام میں اللہ ہی سب کچھ ہے جبکہ جمہوریت میں عوام ہی سب کچھ ہیں اسلئے جمہوریت کا خدا عوام ہوتا ہے اسلام ایک دین ہے جو اللہ کا ہے جبکہ جمہوریت میں مذہب اور دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے تصوّر پر ہے جبکہ

جمہوریت کی بنیاد عوام پر ہے اسلام انسانوں کا بنایا ہوا طرزِ حیات نہیں ہے جبکہ جمہوریت انسانوں (کافروں) کا بنایا ہوا نظام ہے۔

اسلام میں اکثریت کوئی چیز نہیں ، بالا دستی صرف حق کو حاصل ہوتی ہے جبکہ جمہوریت میں حق کوئی چیز نہیں اور بالا دستی اکثریت کو حاصل ہوتی ہے۔ اسلام میں جاہل اور عالم کی رائے برابر نہیں ہوسکتی جبکہ جمہوریت میں دونوں کے ووٹ کا ایک ہی درجہ ہے اسی لئے شاعر مشرق فرماتے ہیں ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ۱۰۳؎

اسلام مکمل نظامِ حیات ہے۔ سیاست اس کا صرف ایک شعبہ ہے اسی لئے اسلامی سیاست کا باقی اسلامی شعبوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونا ضروری ہے جبکہ جمہوریت صرف ایک نظامِ سیاست ہے مکمل نظامِ حیات نہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ اسلام میں آخرت کا خوف ہی بڑی نعمت ہے جبکہ جمہوریت میں (مغرب میں) اس کا کوئی تصوّر نہیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ اس ، بات کو یوں پیش کرتے ہیں

؎ پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے ۱۰۴؎

حوالہ جات

۱۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ''خطبات یورپ'' مرتب اختر حجازی مکتبہ الحسنات دہلی سنہ ۱۹۸۲ء ص ۱۶۰

۲۔ القرآن سورۂ المائدہ آیت ۳ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور

۳۔ ظفر احمد نظامی ''اسلام کے تعلق سے مغرب کا کردار''، مشمول ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام''، مرتب پرواز رحمانی منشورات سنہ ۲۰۰۷ء ص ۱۵۹۔۱۶۰

۴۔ القرآن سورۂ الاحزاب آیت ۲۱ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی تاج کمپنی لاہور

۵۔ عماد الحسن آزاد فاروقی ''اسلامی تہذیب و تمدن'' ترقی اُردو بیرو نئی دہلی ص ۱۷۶

۶۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی عبادت پر ایک تحقیقی نظر'' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ۲۰۰۷ ص ۱۵

۷۔ یوسف سلیم چشتی ''ضرب کلیم مع شرح''، اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۵۔۲

۸۔ القرآن سورۂ الشعراء آیت ۱۵۱۔۱۵۲ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۹۔ القرآن سورۂ ص آیت ۱۳۔۱۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۱۰۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۱۸۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۱۱۔ اقبال کلیات اقبال (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۶۳

۱۲۔ اقبال کلیات اقبال (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۵۲۵
۱۳۔ فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ''احیائے اسلام کی تحریک سے مغرب کو خطرہ کیوں'' مشمول ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام'' مرتب پرواز رحمانی منشورات سنہ ۲۰۰۷ء ص ۱۵۹
۱۴۔ القرآن سورہ التین آیت ۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۱۵۔ القرآن سورہ الرحمٰن آیت ۳،۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۱۶۔ ڈاکٹر محمد شفیع خان شریعتی ''تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو'' ناشر ملت پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) حیدر پورہ سرینگر سنہ ۲۰۱۳ء ص ۴
۱۷۔ سموئیل پی۔ہنٹنگٹن ''تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو'' مترجم ڈاکٹر محمد شفیع خان شریعتی ملت پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) حیدر پورہ سرینگر سنہ ۲۰۱۳ء ص ۴۲۶
۱۸۔ القرآن سورہ البقرہ آیت ۳۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۱۹۔ القرآن سورہ البقرہ آیت ۳۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۲۰۔ القرآن سورہ البقرہ آیت ۳۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۲۱۔ جناب مولانا حافظ محمد تقی امینی صاحب ''تہذیب کی جدید تشکیل'' ندوۃ المصنفین اُردو بازار جامع مسجد دہلی سنہ ۱۹۷۴ء ص ۶۲
۲۲۔ القرآن سورہ اعراف آیت ۲۳ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۲۳۔ القرآن سورہ البقرہ آیت ۳۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۲۴۔ القرآن سورہ الذاریات آیت ۵۶ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۲۵۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ''اسلامی عبادت پر ایک تحقیقی نظر'' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ۲۰۰۷ء ص ۹۔۱۰
۲۶۔ حضرت مولانا پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی ''سکون کی تلاش'' مرتب محمد حنیف احمد صاحب نقشبندی ناشر مکتبہ ملت دیوبند یوپی ۲۰۰۹ء ص ۱۶
۲۷۔ القرآن سورۂ الاحزاب آیت ۴۱ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۲۸۔ القرآن سورۂ الرعد آیت ۲۸ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۲۹۔ القرآن سورۂ النمل آیت ۲۴ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۳۰۔ علامہ اقبال ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' مترجم سید نذیر نیازی ناشر اسلامک بُک سینٹر نئی دہلی ۱۹۸۶ء ص ۲۶۹
۳۱۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۷ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۳۲۔ سید جلال الدین عمری ''اسلام انسانی حقوق کا پاسبان'' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ۲۰۰۸ء ص ۲۱
۳۳۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۲۸ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور
۳۴۔ القرآن سورۂ السجدہ آیت ۱۷ ترجمہ وتفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۳۵۔ القرآن سورۂ الزلزال آیت ۸ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۳۶۔ علامہ اقبال ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۲۳

۳۷۔ القرآن سورۂ الفاتحہ آیت ۳ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۳۸۔ القرآن سورۂ الاخلاص ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۳۹۔ یوسف سلیم چشتی ''ضربِ کلیم مع شرح'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۴۲

۴۰۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۳۹ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۴۱۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۱۶۵ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۴۲۔ القرآن سورہ البقرہ آیت ۳۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۴۳۔ سید مشتاق علی ریوانی ''قرآن اور ماضی حال و مستقبل'' مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۴ء ص ۱۱۰۔۱۱۱

۴۴۔ اقبال ''کلیاتِ اقبال'' اُردو اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی ص ۴۹۹

۴۵۔ القرآن سورۂ الحجر آیت ۲۹ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۴۶۔ اقبال ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۸۰

۴۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی عبادت پر ایک نظر'' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ۲۰۰۷ ص ۱۱

۴۸۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ''اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی'' ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ص ۱۰۳

۴۹۔ اقبال ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۶۲

۵۰۔ محمد عبید اللہ الاسعدی ’’اسلام مکمل دین مستقل تہذیب‘‘ ناشر اسلامک بک فاونڈیشن نئی دہلی سنہ ۲۰۰۶ء ص ۲۶۶

۵۱۔ اقبال ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۵۹

۵۲۔ اقبال ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۵۶۱

۵۳۔ اقبال ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۵۸

۵۴۔ اقبال ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۳۳

۵۵۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۲۹ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۵۶۔ یوسف سلیم چشتی ’’شرح بال جبریل‘‘ اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۵۷

۵۷۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۱۵۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۵۸۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۱۵۳ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۵۹۔ القرآن سورۂ الانبیآء آیت ۳۵ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۶۰۔ اقبال ’’کلیات اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۸۲

۶۱۔ سید مشتاق علی ریوانی ’’قرآن اور ماضی حال و مستقبل‘‘ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سنہ جنوری ۱۹۸۴ء ص ۱۰۱

۶۲۔ القرآن سورۂ الانعام آیت ۶۱ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۶۳۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۱۹

۶۴۔ القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۶۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۶۵۔ یوسف سلیم چشتی ''شرح بانگ درا'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۷ ص ۲۲۶

۶۶۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۷۸

۶۷۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۴۶

۶۸۔ یوسف سلیم چشتی ''شرح بانگ درا'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۲۰۰۷ ص ۲۲۳

۶۹۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۳۸۔۴۳۹

۷۰۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۷۵

۷۱۔ القرآن سورۂ نساء آیت ۷۸ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۷۲۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۸۶

۷۳۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۵۸

۷۴۔ القرآن سورۂ آل عمران آیت ۹۲ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۷۵۔ القرآن سورۂ بنی اسرآئیل آیت ۳۲ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۷۶۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ''پردہ'' ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سنہ ۲۰۱۱ء ص ۱۹۵

۷۷۔ القرآن سورہ الرحمٰن آیت ۷ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۷۸۔ القرآن سورۂ الاعراف آیت ۳۷ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۷۹۔ مولانا ابوالکلام آزاد ''اُمّ الکتاب یعنی تفسیر سورہ الفاتحہ'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ۱۹۸۷ء ص ۱۳۹

۸۰۔ القرآن سورۂ الاعراف آیت ۱۵۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۱۔ القرآن سورۂ نحل آیت ۹۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۲۔ القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۴۸ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۳۔ القرآن سورۂ الشوریٰ آیت ۴۰ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۴۔ القرآن سورۂ المومن آیت ۶۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۵۔ القرآن سورۂ الرحمٰن آیت ۲۹ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۶۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۹۰

۸۷۔ القرآن سورۂ بقرہ آیت ۱۳۱ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۸۔ القرآن سورۂ نمل آیت ۸۸ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۸۹۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۲۵۵ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۹۰۔ محمد اسجد قاسمی ندوی ''مغربی نظامِ معاشرت کی ابتری'' مشمول ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام'' مرتب پرواز رحمانی ناشر منشورات سنہ جولائی ۲۰۰۷ء ص ۱۰۷

۹۱۔ القرآن سورۂ النساء آیت ۳۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۹۲۔ القرآن سورۂ علق آیت ۵ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۹۳۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۶۷

۹۴۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۵۲

۹۵۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۶۶

۹۶۔ القرآن سورۂ النساء آیت ۳۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۹۷۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۱۸۷ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۹۸۔ سید عبدالباری ''مغربی اور اسلامی تہذیب کی اساس اور ان میں تصادم'' مشمول ''مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام'' مرتب پرواز رحمانی ناشر منشورات ۲۰۰۷ء ص ۹۲

۹۹۔ القرآن سورۂ حشر آیت ۹ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۱۰۰۔ القرآن سورۂ البقرہ آیت ۲۶ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۱۰۱۔ القرآن سورۂ المومن آیت ۶۴ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی ناشر تاج کمپنی لاہور

۱۰۲۔ علامہ یوسف القرضاوی ''اسلام مسلمان اور غیر مسلم'' اسلامک بک فاونڈیشن نئی دہلی ۱۹۹۸ء ص ۱۳

۱۰۳۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۵۱۲

۱۰۴۔ اقبال ''کلیات اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۸۲

﴿باب چہارم﴾

اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش فکرِ اقبال کی روشنی میں

اقبال کے فکر و نظر کی تشکیل کا پہلا مدرسہ اُن کا اپنا گھر ہے۔ گھر کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں قرآن و سنّت کا خاص طور پر درس دیا جاتا تھا۔ دین دار والدین کے زیر سایہ اُن کی تربیت ہوئی اسلئے اس ماحول کو انہوں نے ہمیشہ عزیز رکھا۔ چنانچہ وہ اپنے فرزند جاوید کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ؎

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو

ہے اس کا مذاق عارفانہ [1]

اُن کے والدین کو اسلام کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا اور وہ روایتی مسلمانوں کے برعکس سچے مسلمان تھے۔ جس کے متعلق پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

''اُن کے والد شیخ نور محمد متقی، **منکر المزاج** اور دین دار انسان تھے اور والدہ محترمہ امام بی بی، خاندانی مشرقی خواتین کی طرح خانہ دار، شوہر کی وفادار، خاندان کی محافظ، اپنے بچوں کی دلدادہ اور صوم وصلٰوۃ کی پابند تھیں۔ احترام مذہب کا جذبہ انہی سے علامہ اقبال میں منتقل ہوا۔'' [2]

اسی لئے اقبال کے کلام میں جا بجا اسلام سے وابستگی کا ذکر ملتا ہے۔

ے   تو سید ہاشمی کی اولاد   میری کفِ خاک برہمن زاد [۳]

فکرو ذہن کی تعمیر کے اس ابتدائی مرحلہ میں سید میر حسن کی شخصیت بھی اہمیت کی حامل ہے ان کے علم و فضل سے جو اکتساب فیض علامہ نے کیا اس کا اعتراف وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ؎

مجھے اقبال اس سید کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں [۴]

پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

''اُن کی (اقبال) خوش قسمتی تھی کہ انہیں مولوی میر حسن جیسا روشن ضمیر، ایمان افروز اور انسان پرور استاد ملا۔'' [۵]

میٹرک کے دورِ طالب علمی ۱۸۹۳ء سے ہی شعر و شاعری کی طرف اُن کی طبیعت مائل ہوئی چنانچہ کچھ مختصر عرصے کے لئے مرزا داغ دہلوی سے اصلاح لیتے رہے۔ داغؔ نے چند ہی غزلوں پر اصلاح کے بعد اقبال کو فارغ الاصلاح کر دیا۔ اقبال داغ کے شیدائی تھے اور اُن کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔

پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

''علامہ نے شاعری دس بارہ برس کی عمر میں شروع کی تھی لیکن خواص و عوام تک اس کی رسائی انجمن حمایت اسلام

کے سالانہ اجلاس اور سر عبدالقادر کے ماہنامہ ''مخزن'' کے توسط سے ہوئی۔ وہ ایک پیدائشی شاعر تھے اسی لئے استادِ وقت داغؔ نے ان کی چند غزلیات دیکھ کر انہیں اصلاح سے مستغنی قرار دے دیا۔'' [۶]

اقبال ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔اے کی تعلیم کے لئے داخل ہوئے اور فلسفہ اُن کی ذہنی اور دلچسپی کا مضمون تھا اور یہ اُن کی خوش بختی تھی کہ انہیں یہاں اور ایک مشفِق استاد ڈاکٹر آرنلڈ نصیب ہوا۔ ڈاکٹر آرنلڈ عیسائی ہونے کے باوجود مشرقی اور اسلامی علوم کے بڑے شائق تھے۔

پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں:

''وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور ایم۔اے فلسفہ میں کیا۔ یہاں انہیں سر ٹامس آرنلڈ جیسا صاحب استاد نصیب ہوا۔ جس نے نہ صرف انہیں فلاسفہ عالم کے نظریات سے متعارف کرایا، بلکہ خود ان کے علمی مذاق اور فلسفیانہ رجحان کی پرورش و تربیت کی'' [۷]

اقبال کو اپنے سکول اور کالج میں نہ صرف انگریزی زبان و ادب پڑھنے کا موقع ملا بلکہ اس زبان کے ذریعہ ہی وہ جدید علوم و فنون سے متعارف ہوئے اور

مغرب کے ساتھ اُن کا اولین رابطہ علمی وادبی تھا جس میں پروفیسر آرنلڈ کی شخصیت سب سے اہمیت کی حامل ہے۔

اقبال نے لاہور آنے کے بعد یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرنی شروع کی۔اس دور کی غزلیں خاص طور پر اُن کی شہرت کا سنگِ بنیاد ثابت ہوئیں جن کا یہ شعر اس وقت کے چوٹی کے شاعر مرزا ارشد گورگانی نے کافی سراہا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

اس سے پہلے ''شورِ محشر'' ۱۸۹۶ء ''خدنگ'' اور رسالہ ''زبان'' ۱۸۹۳ء میں بھی اُن کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں۔اور ۱۸۹۶ء میں علامہ کی شاعری کو مقبولیت عام حاصل ہونے لگی اور وہ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں بھی شرکت کرنے لگے۔اُن کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی شاعری پر بہت سے اثرات تھے اور دوسری طرف یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاندار ماضی کی بازیافت کے آرزومند بھی تھے اور ملّی اصلاح و تربیت کے فکر مند بھی۔اس دوران انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں بہت سی نظمیں پڑھیں جیسے نالۂ یتیم، دین و دنیا، اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں کے نام وغیرہ اور یہ نظمیں ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۲ء کے دور کا احاطہ کرتی ہیں نیز اقبال ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی

کی فکر میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ اصلاح امت کے لئے رسولِ پاک ﷺ کے عشق اور حیاتِ طیبّہ کو وہ بہترین نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں جیسا کہ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ہے تری ذاتِ مبارک حلِ مشکل کے لئے
نام ہے تیرا شفا دکھے ہوئے دل کے لئے [۸]

اقبال کی زندگی کا دوسرا دور ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء کا احاطہ کرتا ہے یہ دور تلاش وتفکر اور استفہام واستفسار کا دور رہا ہے جس میں استفسارِ ذات بھی ہے اور استفسارِ کائنات بھی۔ غرض یہ دور اقبال کی زندگی میں کشمکش وکشاکش کا دور رہا ہے اور اس دور کی اہم نظمیں ہیں موجِ دریا، بچہ، شمع، گل رنگین، ماہِ نو وغیرہ اس دور میں علامہ فطّرت، کائنات اور انسان میں باہمی ربطہ وتعلق تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں گویا انھیں ہر منظرِ فطّرت میں حسنِ ازل کی جھلک نظر آتی ہے جیسے ؎

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے [۹]

اس دور کے کلام میں جگنو، آفتاب، شمع، آفتاب صبح وغیرہ نظمیں قابلِ ذکر ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دور حزن ویاس کا بھی دور رہا ہے۔ خفتگانِ خاک سے استفسار گل پژمردہ، پرندے کی فریاد، انسان اور بزمِ قدرت میں یہی احساس نظر آتا

ہے۔اس دور کا ایک اہم پہلو مغربی شعراء سے اخذ واستفادہ بھی رہا ہے یہاں مغرب کے ساتھ اقبال کا دوسرا رابطہ شروع ہو جاتا ہے پہلا رابطہ علمی تھا اب دوسرا رابطہ فکری ہے۔عہدِ طفلی ، ایک پہاڑ اور گلہری ، ایک گائے اور بکری ، ہمدردی ، ماں کا خواب ، پیامِ صبح ، عشق اور موت ، رخصت اے بزم جہاں ، بچے کی دُعا وغیرہ نظمیں اخلاقی اور اصلاحی روپ لے کر نمودار ہوئیں ہیں ان ہی نظموں میں شامل ایک نظم کے متعلق پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں کہ

''یہ امر معنی خیز ہے کہ بچے کی دعا ماخوذ تھی لیکن اُن کے سانچۂ وجدان میں ڈھلی تو طبع زاد ہو گئی اور اسلام اور مشرقیت کے حسن وفکر وذکر کا لبِ لباب بن گئی۔'' [۱۰]

اقبال نے ان نظموں کو اخلاقی پیغام کے طور پر پیش کیا ہے اس دور میں اقبال نے معاشیات کے موضوع کی طرف بھی توجہ مرکوز کی تھی جس کی یادگار ''علم الاقتصاد'' ہے جو ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔اس دور کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اقبال وطن پرستی کے جذبے سے بھی سرشار تھے جس کے نتیجے میں ہمالہ، تصویرِ درد، ترانۂ ہندی ، نیا شوالہ، ہندوستانی بچوں کا گیت جیسی نظمیں اتحاد کی عکاسی کرتی ہیں۔اور اس ابتدائی دور میں بھی اقبال دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے الگ الگ تصور نہیں کرتے تھے جیسے ؎

صدقے جاؤں فہم پر دنیا نہیں دیں سے الگ
یہ تو اک پابندیِ احکام دین کا نام ہے [11]

یہ نظم (دین و دنیا) اقبال نے ۱۹۰۲ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی تھی۔ اسی دور میں اقبال کے مربوط فلسفۂ خودی کے ابتدائی نقوش بھی نظر آ رہے ہیں انسان اور بزمِ قدرت، عشق اور موت، عقل و دل، پرندہ اور جگنو، کنارِ راوی وغیرہ نظموں میں اس فلسفہ کی عکاسی نظر آتی ہیں۔

۱۹۰۵ء میں اقبال یورپ چلے جاتے ہیں اور ۱۹۰۸ء میں واپس آتے ہیں۔ یہ دور اقبال کی زندگی کا انقلاب آفریں دور کہلاتا ہے اور کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

مغرب کے ساتھ یہاں سے اقبال کا تیسرا اور اہم رابطہ شروع ہو جاتا ہے یہ رابطہ علمی و ادبی، عملی و فکری اور تنقیدی بھی رہا ہے۔ کیونکہ اسی دور میں اقبال یورپ چلے جاتے ہیں اور یورپ جانے سے پہلے اُن کا تصور مغرب کچھ اور ہی تھا جس کے متعلق پروفیسر انور رومان رقمطراز ہیں

''وہ جب پہلی دفعہ لندن گئے تھے تو انہیں انگلستان سے صرف علمی و ادبی تعارف ہی تھا اور انگلستان کے متعلق اُن کی ذہنی تصویر کچھ ایسی تھی کہ انگلستان علم و فضل، انسان

دوستی اور وسیع المشر بی کا مظہر اور سر چشمہ ہے۔انہوں نے اگر
اس کے برعکس کچھ پڑھا یا سنا یا دیکھا تھا تو بھی وہ اپنی دید وشنید
کو اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ اُن کی ذہنی
تصویر کو دھندلا کر دے۔ وہ نیک نیتی اور صاف دلی سے اُس
ترقی یافتہ اور ظفر مند ملک کے اداروں اور علما وفضلا سے زیادہ
سے زیادہ اکتساب علم کے خواہاں تھے جس ملک نے شکسپیر
جیسا فطرت شناس اور آرنلڈ جیسا اُستاد پیدا کیا تھا۔“ [۱۲]

مغرب کی علمی صحبتوں میں پروفیسر تھامس آرنلڈ، کیمرج یونیورسٹی میں پروفیسر نکلسن، میک ٹیگرٹ اور پروفیسر براؤن سے علمی فیض واکتساب کیا۔

علاوہ ازیں اقبال کو اپنے ایامِ تعلیم کے دوران شیکسپیر، ملٹن، لانگ فیلو، کوپر، ورڈس ورتھ، کالرج، کیٹس، شیلے، براؤننگ، ٹنی سن، ایمرسن، دانتے، نطشے، گوئٹے، برگساں، ٹالسٹائی، کارلائل وغیرہ کو پڑھنے کا موقع ملا۔

اقبال نے میک ٹیگرٹ سے فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا صحیح ڈھنگ سیکھا، ڈاکٹر نکلسن کی وجہ سے شاعری کی طرف دوبارہ راغب ہوگئے جرمن خاتون سینے شال سے بھی فلسفیانہ خیالات کی مزید وسعت حاصل کی۔ فرالاین سے جرمن زبان اور دوسری دقیق کتابیں پڑھیں اور جرمنی میں عطیہ فیضی کے سبب ذہنی فراغت کی حصول

یابی ہوئی۔ بانگ درا میں کئی نظمیں ☆ اور اقبال کے کئی خطوط ان کے خاص روابطہ کی عکاسی کرتے ہیں۔

اقبال ابتداء سے ہی اتفاق واتحاد اوراخوت کا درس دیتے رہے ہیں۔فرقہ آرائی اورتعصب کو وہ ہمیشہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اس حقیقت کا ثبوت اس دور کی نظم ''سوامی رام تیرتھ'' ہے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کا دور اس لئے بھی اقبال کی زندگی کا اہم دور رہا ہے کہ یہ دور حسن وعشق اوراحساسِ جمال یعنی (Aesthetic Sense) کا دور رہا ہےاس دور کی پہلی نظم ''محبت'' ہے۔حقیقتِ حسن، حُسن وعشق بھی اسی دور کی نظمیں ہیں جس کی وجہ سے فکرِ اقبال محبت کی اونچی پرواز کرتی ہے۔اس کے متعلق محمد معزالدین یوں رقمطراز ہیں۔

> ''اگر اقبال کے قیامِ ولایت کی شاعری کی دوسری خصوصیت کو دیکھنا ہو۔تو ''حسن وعشق''حقیقت حسن''،''کلی''،''......کی گود میں بلّی دیکھ کر''،''فراق'' ہر ایک نظم میں اس کی جھلک نظر آئے گی۔ یہ خصوصیت کوئی انوکھی چیز نہیں۔احساسِ حسن اوراحساسِ محبت دو الگ چیزیں نہیں،حسن سے دل بستگی

☆ خاص طور پر نظم ''وصال''

ہی کا نام عشق ہے اور عشق جب وارد ہوتا ہے تو اپنے اظہار
کی قوّت بھی ساتھ ہی لے آیا کرتا ہے۔''[۱۳]

محبت کو اقبال نے نظامِ عالم کی رُوح سمجھا ہے۔

قیام یورپ کے دوران ہی اقبال نے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ، ڈی کے لئے ''ایران کا فلسفہ مابعد الطبیعی'' "The development of metaphysics in persia" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ تحریر فرمایا جس کے متعلق پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں۔

''علامہ اقبال کا مغرب سے براہِ راست رابطہ ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ وہ ۲۴ ستمبر کو لندن پہنچے اور نومبر میں لنکزان میں داخل ہوئے تاکہ بارایٹ لا بن سکیں۔ اسی دوران وہ آرنلڈ کی تحریک پر میونخ یونیورسٹی کے لئے ڈاکٹوریٹ کا مقالہ بھی تیار کرتے رہے اسی سلسلے میں وہ اگست تا ستمبر ۱۹۰۷ء ہائیڈل برگ اور میونخ میں رہے اور ۴ نومبر کو ڈاکٹر ان فلاسفی کی ڈگری لے کر واپس انگلستان آگئے۔ جولائی ۱۹۰۸ء میں بیرسٹر بنے۔''[۱۴]

تین سالہ قیام کے دوران اقبال نے بیرسٹری بھی کی اور پی ایچ، ڈی کا مقالہ

بھی تحریر کیا۔اس موضوع کی وجہ سے انہیں ایرانی فلسفہ سے شناسائی بھی حاصل ہوئی اور فارسی شعروشاعری کا ذوق بھی پیدا ہوا۔اپنے پیغام کے اظہار کے لئے انہوں نے اُردو کے مقابلہ فارسی کو مفید اور وسیع تر خیال کیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی فارسی شاعری بھی اسی دور کی رہین منّت ہے۔

اقبال کی زندگی میں قیامِ یورپ کا یہ دور دیارِ مغرب کی تہذیب و سیاست سے علم وآگاہی کا ایک اہم دور رہا ہے۔اسی دور میں انہیں مغرب کی تہذیب کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع میسر ہوا۔اِسی دور میں فکرِ سخن ترک کرنے کا خیال اُن کے ذہن میں آیا اور وہ اپنے فکر و پیام کا صحیح رُخ متعین کرنے لگا۔

قیام یورپ کے دوران ہی نئے نئے علوم وفنون سے اقبال کی فکر بہت محسوس ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انہیں مغربی تہذیب و سیاست میں ہر طرف ظلم ہی ظلم نظر آیا۔اور اس حقیقت کا بھی اندازہ ہوا کہ وطنیت کا محدود جغرافیائی تصورِ مغرب بھی سراسر دھوکہ اور فریب ہے۔جس کا مقصد قوموں کو فریب کے جال میں پھنسا کر الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنا اقتدار قائم کرنا ہے۔اسی وجہ سے قیام یورپ نے اُنکی فکر میں وطن پرستی کے محدود جغرافیائی تصور کو توڑنے پر مجبور کر دیا۔ بانگِ دراؔ میں اپنے اِن احساسات کو وہ شاعری کا جامہ پہناتے ہوئے یوں فرماتے

ہیں کہ ؎

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اسی سے [۱۵]

یہ کوئی وطنیت نہیں اور نا ہی یہ کوئی وطن دوستی تھی بلکہ یہ سراسر مغرب کا سیاسی اور کاروباری استعمار تھا۔

اقبال قیامِ یورپ سے پہلے شدّت سے محبِّ وطن خیال کئے جاتے تھے۔ خاص طور پر ترانۂ ہندی ۱۹۰۴ء میں اُن کے جذبۂ حب الوطنی کو محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن یورپ میں اقبال نے اس کو مضرِ انسانیت پایا اور دوسری بات یہ ہے کہ اب ان کی علمی وسعت بھی بڑھ گئی تھی جس کی وجہ سے وطنیت کے طلسم سامری کو انہوں نے توڑ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس دور میں انہوں نے بہت سے بنیادی تصورات خود ہی ترک کئے۔ اُن میں وطنّیت اور قومیت سرفہرست ہیں۔

کیونکہ اب اقبال کی فکر کا محور نظریہ وطنیت و قومیت کی جگہ عالمی اخوت جیسے تصور نے لے لیا ہے اور اقبال نے جتنا جتنا قریب سے مغرب کو دیکھا اور مشاہدہ کیا اتنا اتنا وہ اسلام اور قرآن کا گہرا مطالعہ کرنے لگا۔ جس کی وجہ سے مئے مجاز مئے حقیقت

میں بدل گیا۔سید ابولاعلیٰ مودودی نے اس کشمکش کو یوں بیان کیا ہے۔

''مغربی تعلیم وتہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے ہوئے وہ جتنا مسلمان تھا اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔اس کی گہرائیوں میں جتنا اتر گیا، اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کی تہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گُم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی ہی نہیں رہا۔'' [۱۶]

یورپ میں تین سالہ قیام اقبال کی زندگی کا سب سے اہم اور انقلاب آفریں دور رہا ہے۔اسی دور میں وہ سب سے زیادہ اسلام کی طرف راغب ہو گئے ہیں اس دور میں اُن کی نظمیں، ''طلباءِ علی گڑھ کالج کے نام'' اخترِ صبح، چاند تارے، صقلیہ اور پیام جیسی نظمیں حرکت وعمل اور مسلسل جدوجہد کی عکاسی کرتی ہیں۔

اس دور کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ اقبال اسی دور سے مشرق کی روحانی اقدارِ حیات کو اصل حیات وکائنات تصور کرتا ہے۔اسلئے اسلامی تہذیب کا مطالعہ اُن کا خاص مشغلہ رہا ہے جس کے سبب وہ عشق رسولؐ اختیار کرنے کا پیام دیتا ہے اور یہاں سے ہی اُن کی پیامی شان کا آغاز ہوتا ہے۔اس کی مزید وضاحت کرتے

ہوئے معروف اُردو محقق ممتاز حسن لکھتے ہیں کہ

''بلا شک وشبہ قیامِ ولایت کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت اقبال کی ''پیغمبرانہ'' شان کا آغاز ہے اس سے پہلے اقبال شاعرِ محض ہے مگر اس کے بعد کا اقبال دنیا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً ایک حیاتِ تازہ کا پیغام دینے کے لئے بیتاب ہے اور اس پیغام کو ہزاروں طریق سے دہراتا ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ اگر اقبال ولایت نہ جاتا تو اس کی شاعری کا بلکہ اس کی زندگی کا رُخ کچھ اور ہوتا۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا زمانہ اقبال کے روحانی ارتقاء کی اہم ترین منزل ہے اس عرصے میں اقبال کو تہذیب مغرب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ اس کے ساتھ ہی اقبال نے پی ایچ' ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے سلسلے میں اسلامی فلسفے اور اسلامی علوم کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور اسے تہذیب اسلام اور تہذیب مغرب کا موازنہ کرنے کا موقع ملا۔ اس موازنے کا اثر یہ تھا کہ اقبال کی زندگی کا عظیم الشان نصب العین، یعنی اسلام کے اصولوں کی علم برداری،

اس کے سامنے معین ہو گیا۔ اور اس کے تخیل اور جذبات
نے اپنے لئے ایک راہ مقرر کر لی۔'' ۱۷؎

قیام یورپ کے دوران اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن کا گہرا مطالعہ کیا اور یہی اخذ کیا کہ یہ تہذیب تصادم، فتنوں، فسادوں، ظلم و ستم اور استحصال پر مبنی تہذیب ہے۔ اس تہذیب نے نو آبادیاتی نظام کو ہر جگہ قائم کر کے انسانوں پر مظالم روا رکھے جو انسانیت کی تاریخ میں نا قابلِ فراموش ہیں۔ علاوہ ازیں اس تہذیب نے مغرب میں سرمایہ و محنت کی کشمکش کے ذریعے طبقاتی تفریق سے ایسے منفی انقلابات ظہور میں لائے اور اس کے نتیجے میں دنیا ایک ایسے خُدا بیزار نظام سے آشنا ہوئی جس سے مادیت اور دہریت کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا اور اس کے سبب نظریات کی ایک طویل جنگ شروع ہوئی۔

اقبال نے ان تمام حالات کا مطالعہ اپنے علم و ہنر کی روشنی میں کیا۔ اور وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ وہ دن دور نہیں جب یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی۔ ۱۹۰۷ء میں ہی انہوں نے یورپ کے باشندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والوں خدا کی بستی دُکان نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا [۱۸]

اقبال چونکہ مغرب کے فکری اور علمی سرچشموں سے نہ صرف براہِ راست فیضیاب ہو چکے تھے بلکہ انہوں نے اپنی طالبِ علمی کے دوران ہی یورپ کے سیاسی اور سماجی نظام کا مشاہدہ کیا تھا اسی کے سبب انہوں نے یہ پیشن گوئی کی کہ یورپ کی تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کی مرتکب ہو جائے گی اور شاخِ نازک پر جو آشیانہ تعمیر ہوگا اپنی ناپائیداری کے سبب گر کر چکنا چور ہو جائے گا۔

اس طرح اقبال نے مومنانہ بصیرت کے سبب اُسی وقت یہ اندازہ لگایا تھا کہ یورپی تہذیب اپنی ظاہری خوبیوں کے باوجود اخلاقی اور روحانی اقدار کی عدم موجودگی سے معدوم ہو جائے گی۔ اگرچہ آج یورپ مادی ترقی اور تکنیکی اعتبار سے بہت آگے ہے لیکن صالح قدروں کے فقدان کی وجہ سے ہر طرف انتشار میں مبتلا ہوا ہے۔ برہنگی، ابتذال اور بے حیائی کے تمام مظاہر پوری تہذیب میں جلوہ گر ہیں اور اس کا بنیادی سبب عقلیت کی پرستش اور مذہب سے دوری ہے۔ جس کے متعلق معروف محقق سید مشتاق علی ریوانی یوں رقمطراز ہیں۔

''مذہب سے رشتہ توڑنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج پوری انسانی زندگی انتشار و خلفشار کا شکار ہو کر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے اس کی نظیر اس نام نہاد ترقی کے مقابلے میں

پس ماندہ زندگی کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ مادہ پرستی نے
انسان کو حرص و ہوس، خواہشاتِ نفس اور نفرت وعناد کے
تیز وتند جذبات کا مرقع بنا دیا ہے۔'' [۱۹]

مغرب کے یہاں کوئی ایسا ذریعہ علم نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے اوپر حد بندی کرے بلکہ یہ ایک آزاد تہذیب ہے جس میں ہر قسم کی آزادی میسر ہے اور جس میں مذہب کی پختہ پیروی سے احتراز برتا جاتا ہے جس کے سبب اُن کے معاشرے میں ہر طرف بے چینی اور انتشار پھیلا ہوا ہے۔ اقبال اس تہذیب سے پوری طرح واقف تھے اس لئے اس کی تباہی کی کھل کر پیشن گوئی کرتے تھے ؎

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام [۲۰]

جب بھی کوئی قوم خدا کی منکر ہو جاتی ہے تو اس پر کسی نہ کسی طرح کی ناگہانی آفت آ ہی جاتی ہے۔ قوم عاد، قومِ ثمود کے زمانے سے لے کر رومی اور ایرانی اقوام تک کی تاریخ اس حقیقت کی غماز ہے۔

اسی لئے اقبال نے جس خاص پہلو کی طرف توجہ مرکوز کی وہ یہ تھا کہ ممالکِ اسلامیہ کو مغربی تہذیب وسیاست کی لعنتوں سے پوری طرح شناسا کیا جائے اور انہیں اس بات پر پورا یقین ہو جائے کہ مغرب اپنے ہاتھوں خود اپنا گلا گھونٹ رہی ہے اور

عنقریب اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ الحاد، روحانی قدروں اور مذہب کو یکسر نظر انداز کر کے تہذیب کے نام سے مغرب نے ایک ایسا ایندھن تیار کیا ہے جس میں وہ خود راکھ کا ڈھیر بننے والی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب اس کو اپنے آپ پر افسوس ہو گا۔

اقبال کو مغربی تہذیب کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کا شدّت سے احساس تھا جس کا ذکر انہوں نے ''ضربِ کلیم'' کی ایک مختصر نظم بہ عنوان ''مغربی تہذیب'' میں یوں کیا ہے ؂

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک وخیالِ بلند ذوقِ لطیف [۲۱]

دراصل مغربی تہذیب مادیت، لادینیت، وطنیت اور مساوات پر مبنی تہذیب ہے جس کے ہر پہلو کو اقبال نے پرکھا اچھے پہلوؤں کو سراہا اور معائب پہلو کو ''بے چشمۂ حیواں ظلمات'' ثابت کیا ؂

یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ سیاست
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات [۲۲]

قیامِ یورپ کے دوران اقبال نے تمام حالات کا مطالعہ اپنے علم و ہنر کی روشنی میں کیا اور وہ بالآخر اسی نتیجے پر پہنچے کہ مغرب اور اس کی تہذیب کی بنیادیں متزلزل ہو چکی ہیں اور وہ دن دور نہیں جب یہ تہذیب نیست و نابود ہو جائے گی۔ اپنے فکر کی روشنی میں وہ یوں فرماتے ہیں ؎

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی
مے خانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر[۲۳]

ان اشعار میں اقبال نے یہی حقیقت مختلف زاویوں سے واضح کی ہے کہ مغربی تہذیب جو بظاہر بڑی دلآویز ہے اس کی ظاہری چمک دمک سے آنکھیں تو خیرہ ہو جاتی ہیں لیکن اس میں تصّنع زیادہ ہے۔ اس تہذیب نے آج کل کے انسانوں میں ہمدردی کے جذبات اور انسانی اقدار و روایات ختم کر دی ہیں مادیت اور قومیت اس تہذیب کی دین ہے۔ لہٰذا اس تہذیب نے ہماری دیرینہ اقدار چھین لی ہیں۔

برصغیر کے معروف ماہر اقبالیات رفیع الدین ہاشمی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''مسلمان انگریزوں کی سیاسی غلامی کے ساتھ ذہنی اور فکری اعتبار سے بھی مغرب سے مغلوب ہو چکے تھے اس مغلوبیت

کی تین صورتیں تھی اول نشنلزم کا سراب، دوم دین و دنیا کی
دوئی۔ سوم مغربی تہذیب سے ایک مجموعی مرعوبیت۔ علامہ
اقبال نے اِن تینوں تصورات ورجحانات پر شدید تنقید کی بلکہ
ایک اعتبار سے ان پر کاری ضرب لگائی۔'' [۲۴]

اقبال کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ وہ عالمِ دنیا کو خاص طور پر مسلمانوں کو درندگی اور بہیمیت سے پاک کرنا چاہتے تھے اوراس طرح اس کو جاندار تہذیب سے ہم کنار کرنا اُن کا سب سے بڑا نصب العین تھا۔ وہ تمام انسانیت کے علمبردار کی حیثیت سے آگے آکر دنیا کو تہذیب نو کی نت نئی پریشانیوں اور پراگندگیوں سے نجات دلانا چاہتے تھے اسی لئے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سارے مشرق کا خیال اُن کے پیشِ نظر رہا ہے کیونکہ دونوں عصرِ حاضر کی بدترین تہذیبی جارحیت کے شکار ہو چکے تھے۔

اسی لئے اقبال نے مغربی تہذیب پر کاری ضرب لگائی تا کہ لوگ اس کے مضر اثرات سے واقف ہو کر اس کی مرعوبیت کو چھوڑ دے۔ مارچ ۱۹۰۷ء کی نظم میں اقبال نے مکمل طور پر اپنے شاعرانہ ماضی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ؎

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں مے خانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہو گا

اسی نظم میں اقبال نے طلوعِ اسلام کی پیشن گوئی کی۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے میں نے یہ قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اس سے پہلے مغرب کی زر پرستی اور لادینیت کی مخالفانہ تنقید بھی پہلے پہل اسی نظم میں ہوئی۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے

کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

اس سلسلے کی اور ایک کڑی یہ اشعار بھی ہیں جن سے مغربی قوموں کا مطالعہ اور اسلام اور وطنیت کا باہمی تعلق واضح ہوتا ہے۔

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا

بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

مدیر ''مخزن'' سے جا کے اقبال کوئی میرا پیام کہہ دے

جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں انھیں مذاقِ سخن نہیں ہے

قیامِ یورپ کے دوران اقبال میں حیرت کُن تبدیلیاں واقع ہوئیں کیونکہ اس سے پہلے یورپ کے متعلق اُن کا الگ ہی تصور تھا لیکن جب خود مشاہدہ کیا تو کچھ اور ہی پایا۔ اس دورُخے رویئے کے متعلق معروف ماہر اقبالیات ڈاکٹر سید عبداللہ

لکھتے ہیں کہ

’’یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اقبال نے جب تک یورپ کو نہ دیکھا تھا اُن کے ذہن میں مغربی رجحان زیادہ تھا، لیکن جب یورپ کو نزدیک سے دیکھا تو اُن کے خیالات میں مغرب سے دوری پیدا ہوگئی جواب تک قائم ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اقبال ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ رائے بدل لیتے ہیں اور زمانے کو معمولی سے انقلاب کے ساتھ نیا راگ گانے لگتے ہیں اقبال نے جب سے اپنے سیاسی افکار کے لئے ایک مرکز و محور تجویز کر لیا ہے گردوپیش کی تمام عامل قوتوں اور ماضی واستقبال کے تمام سیاسی اور تمدنی مسائل پر غائر نظر ڈال کر اپنے لئے دائرۂ فکر معین کر لیا ہے اس کے بعد اُن کی ساری قوت اسی کی تبلیغ واشاعت میں صرف ہو رہی ہے زمانہ لحظ جو رنگ بدلتا جاتا ہے اور جو نیرنگیاں دکھلاتا ہے، اقبال ان پر اسی ایک زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالتے ہیں جو اُن کے نزدیک معقول ترین، مناسب ترین اور صحیح ترین زاویہ نگاہ ہے۔‘‘ [۲۵]

اقبال کو مغربی تہذیب کی بربادیوں کا زبردست دُکھ تھا۔ ان کے مطابق انسانیت بُری طرح مجروح ہو چکی ہے ۔قومی ،نسلی اور ملکی تفریق نے انسانیت کے زخموں کو چور کر دیا۔اسلئے وہ پوری دنیا کو یوں کہتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا،محبت کی زباں ہوجا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مُرغِ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا [۲۶]

اقبال نے مغربی تہذیب کی بربادیوں کا بار بار رونا رویا ہے اس سلسلے میں وہ تمام انسانیت کو اتحاد و اتفاق اور اخوت و محبت کا پیام دیتے ہوئے انہیں بغیر کسی رنگ و نسل اور مذہب کے اکھٹے ہو کر اس تہذیبی جارحیت کے مقابلے کے لئے اُکساتے ہیں کیونکہ اس تہذیبی جارحیت سے انسان انسان کا دشمن بن گیا ہے اور درندگی کی انتہا تک پہنچ گیا ہے ۔مذہب اور وطنیت کی بنیاد پر تمام دنیا میں خون ریزی برپا ہو گئی ہے۔اقبال اس درندگی اور بہیمیت سے ہمیں نجات دلانے کے لئے باہمی اِخوت اور محبت کے رشتے کو استوار کرنا چاہتے ہیں اور عظیم انسانی قدروں کو بحال کرنا چاہتے

ہیں ۔جن انسانی اقدار کو مغربی تہذیب نے تہس نہس کر دیا ہے۔انہوں نے واضح طور پر اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انسانیت کی بقا کا راز اُن کے احترام میں ہے اور جب تک دنیا کی تمام تعلیمی قوتیں اپنی توجہ کو صرف احترام انسانیت کی تعلیم پر مرکوز نہ کر دیں یہ دنیا تب تک انسانیت سے دور ہی رہے گی اسی لئے وہ بار بار اس قسم کا درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ؎

آدمیت احترامِ آدمی

باخبر شوازمقامِ آدمی

برتر از گردوں مقامِ آدم است

اصل تہذیب احترامِ آدم است

یہ اقبال کا اساسی پیغام ہے کہ انسانیت کی ترقی کا راز احترام آدمیت میں ہی ہے۔اصل میں اقبال اسلامی تہذیب کے علمبردار کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ تہذیب خدا پرستی ،انسان دوستی اور آخرت پسندی سے عبارت ہے معروف محقق سید عبدالواحد معینی لکھتے ہیں کہ

''اقبال کا اساسی پیغام ہی یہ ہے کہ انسانیت کی ترقی اور بقا کا راز احترامِ آدمیت میں ہے اور اس پیغام کی روشنی میں وہ ہر عقیدہ اور نظریہ کو پرکھتے ہیں جہاں کسی نظریہ سے

انسان کے احترام پر بُرا اثر پڑتا ہے، علامہ اس نظریہ کو
انسان کے لئے خطرناک اور مضر قرار دیتے ہیں اسی نقطۂ
نگاہ سے اقبال کی نظر میں یورپ کا وہ تمدن جس کی بنیاد
شہنشاہیت ،استعماریت اور قومیت پر ہے کُل انسانیت
کے لئے ایک مہلک مرض ہے اور یہ بنی نوع انسان کو تباہی
وبربادی کی طرف لے جارہا ہے۔''[۲۷]

دراصل فکر اقبال کا بنیادی سرچشمہ مذہب اسلام ہے کیونکہ اس کی اساس خالصتاً عقیدۂ توحیدورسالت ،انسانی عظمت وفضیلت ،احترامِ انسانیت ،عالمی مساوات واخوت، صلح ومحبت ، ایثاروعزیمت اور بقائے حیات پر ہے ۔فکری تشکیل کے ابتدائی دور سے ہی اقبال اسلام کے سچے شیدائی اوراس کے عشق سے سرشار نظر آتے ہیں۔ ابتدائے کلام سے تا آخرتک اُن کی فکر میں یہی جذبۂ ایمان و یقین کارفرما ہے۔

وہ ہمیں یہ پیغام دیتے ہیں کہ مایوسی کے جال سے باہر نکلو اور پوری دنیا کو اسلام کا حیات بخش پیغام پہنچاؤ کیونکہ اسلام ہی وہ سچا اور مکمل دین ہے جو پوری انسانیت کے تمام امراض کا علاج کرسکتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خوبی یہ رہی ہے کہ یہ دیگر تہذیبوں کے ساتھ

تصادم کے بجائے تفاہم اور بقائے باہم کا انداز اختیار کرتی رہی ہے۔اس نے قوت، دولت اور اقتدار سے زیادہ بلند اخلاق اور عظمتِ کردار کو اہمیت دی ہے۔

اقبال اپنی خودنوشت ڈائیری (Stray Reflections) میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

"Character is Invisible force which determines the destination of nations."

حقیقت میں اقبال کے نزدیک احترامِ انسان کی واقفیت کے لئے قرآنِ حکیم اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار [۲۸]

اقبال کو قرآن وسُنت پر گہری نظر تھی اور تاریخ کا بھی گہرا شعور تھا اسی کے سبب وہ ساری دنیا کے نظامات و افکار کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اسی کے سبب وہ ایک مفکر و مصلح کی حیثیت سے دنیا کے سامنے اُبھر کر آئے۔

کلامِ اقبال کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ہم پر منکشف ہوجاتی ہے کہ ان کے نزدیک اسلام سب سے بہتر اور برتر دین ہے جیسا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔اُن کی نظر میں مذہب کی اصل روح وہی ہے جو خالقِ کائنات سے

انسان کا حقیقی رشتہ قائم کرتی ہے اور انسان کے پورے نظامِ زندگی پر محیط ہوتی ہے اسی لئے فکری تشکیل کے پہلے دور سے ہی اقبال اسلام کے سچے شیدائی اور اس کے عشق سے سرشار نظر آتے ہیں اور اسی لئے فکرِ اقبال کا بنیادی سرچشمہ مذہب اسلام ہے۔

مذہب اسلام پر اقبال کا گہرا ایمان تھا اور وہ خود ایک سچے مسلمان تھے اور ان کے فکر و ذہن پر ابتدا سے ہی قرآنی تصورات غالب رہے ہیں اور یہ فیضانِ نظر تھا اُن کے والد محترم کی ہدایت و نصیحت کا کہ ''جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھ لو کہ قرآن تم پر ہی اُترا ہے یعنی اللہ تم سے ہم کلام ہے۔'' اقبال کے پورے کلام یعنی اسرارِ خودی سے ارمغانِ حجاز تک ان کی فکر اسی رُخ پر پرواز چڑھتی رہی ہے۔

اقبال کے نزدیک قرآن اور مسلمان ایک دوسرے کے لئے انتہائی ضروری ہیں اور قرآن کے بغیر مسلمان کی زندگی کا کوئی وجود ہی نہیں۔ضرب کلیم میں نظم 'مردِ مسلمان' اسی خیال کی عکاسی کرتی ہے ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چارعناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہمسایۂ جبریل امین بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن [۲۹]

اقبال کے فکر و فلسفہ میں احترامِ آدمیت، انسانی عظمت، مردِ مومن و مردِ کامل اور حرکت و عمل وغیرہ سے متعلق واضح تصورات قرآن ہی کے ذریعے رونما ہوتے ہیں کیونکہ فکرِ اقبال کا بنیادی فلسفہ ''خودی'' قرآن پاک سے ماخوذ ہے۔

اقبال کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے یا کوئی اور اُن کے سامنے قرآن پاک پڑھتا تھا تو اُن کی آنکھوں سے اشک جاری ہوتے تھے۔ اور اُن کے دیرینہ خادم علی بخش کا بھی یہ کہنا ہے کہ تلاوت کے دوران اقبال کا قرآن پاک بھی آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا جس کو وہ پھر دھوپ میں سُکھایا کرتے تھے۔

قرآن پاک کے ساتھ اقبال کی گہری عقیدت اور وابستگی تھی اُن کی اسلامی فکر و ذہن کی تربیت سے متعلق اُن کے فرزند جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ

''اُن کو بچپن ہی سے صوم و صلوٰۃ کا پابند رہنے اور ہر صبح خوش الحانی سے قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔'' [۳۰]

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

قرآن پاک کے ساتھ اقبال کی والہانہ عقیدت تھی۔ان کی زندگی پر جتنا اثر قرآنِ پاک کا تھا اتنا نہ کسی شخصیت سے وہ متاثر تھے اور نہ کسی اور کتاب سے اتنے اثر پذیر تھے۔معروف عالمِ دین سید ابوالحسن علی ندوی اُن کے اس والہانہ عقیدت کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''علامہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآنِ مجید میں غور وفکر اور تدبر وتفکر کرتے گذاری قرآن مجید پڑھتے ، قرآن سوچتے ،قرآن بولتے ،قرآن مجید اُن کی وہ محبوب کتابِ تھی جس سے انھیں نئے نئے علوم کا انکشاف ہوتا ، اس سے انھیں ایک نیا یقین ،ایک نئی روشنی ، اور ایک نئی قوت وتوانائی حاصل ہوتی ، جوں جوں اُن کا مطالعہ قرآن بڑھتا گیا ، ان کی فکر میں بلندی اور ایمان میں زیادتی ہوتی گئی ، اس لئے کہ قرآن ہی ایک ایسی زندۂ جاوید کتاب ہے ، جو انسان کو لدُنی علم اور ابدی سعادت سے بہرہ ور کرتی ہے وہ ایک ایسی شاہ کلید ہے کہ حیات انسانی کے شعبوں میں

سے جس شعبہ پر بھی اُسے لگائیے، فوراً کھل جائے گا، وہ زندگی
کا ایک واضح دستور اور ظلمتوں میں روشنی کا مینار ہے۔''[۱۳۱]

فکرِ اقبال کی اساس مطالعہ و تفہیم قرآن پر مرکوز ہے۔ اُن کے پورے کلام میں قرآنی آیات واحادیث سے اخذ واستنباط بالواسط و بلاواسطہ جا بجا موجود ہے۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسما

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

عذابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

کشتئ مسکین وجان پاک ودیوارِ یتیم
علم موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حامل اور رحمتً لِلعالمین
پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

قرآنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ فکر اقبال زندگی کے ہر موڑ پر عشقِ رسول ﷺ سے سرشار نظر آتی ہے۔ دراصل حضورِ رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی ان کے مردِ مومن اور مردِ کامل کی معراج اور منتہا ہے۔ ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسُل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

اقبال کی نظر میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارک 'دانائے سبُل، ختم الرسُل اور مولائے کل ہے جس کے طفیل غبار راہ کو وادیٔ سینا حاصل ہوا۔

عالمِ جید سید ابوالحسن علی ندوی فکر اقبال کے اسلامی عقیدۂ محبت کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

''اقبال اسلام اور اس کے پیغام کے بارے میں نہایت راسخ الایمان تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُن کی محبت، شفقت اور اُن کا اخلاص انتہا درجہ کا تھا، اس لئے

اُن کے نزدیک اسلام ہی ایک ایسا زندۂ جاوید دین ہے کہ
اس کے بغیر انسانیت فلاح وسعادت کے بامِ عروج تک
پہنچ ہی نہیں سکتی اور نبی ﷺ رشد وہدایت کے آخری مینار،
نبوّت ورسالت کے خاتم اور مولائے کل ہیں۔''[۳۲]

اقبال کے نزدیک پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ قرآن کی تفسیر اور عملی نمونہ ہے اس لئے آپ ﷺ سے عشق وعقیدت بھی فکرِ اقبال کے بنیادی تخلیقی عناصر میں شمار کیا جاتا ہے ؎

کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ میرا ذوق وشوق
دل میں صلوٰۃ ودرود لب پہ صلوٰۃ ودرود
سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

اقبال کے کلام میں کلامِ الٰہی کی بے شمار مثالیں پیام کے طور پر پیش ہوئیں ہیں، اسی طرح انہوں نے احادیث سے بھی استفادہ کر کے شعر کے تنگ دائرے میں مفاہیم کے خزانے پیش کئے ہیں اور قرآنِ پاک کی طرح احادیث بھی اقبال کی نظر میں مُقدس ومحترم اور ان کے بنیادی تخلیقی عناصر میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے معاملے میں وہ اسناد وتحقیق کے قائل رہے ہیں جس کے متعلق معروف اقبال شناس

خلیفہ عبدالحکیم اپنی مایہ ناز کتاب ''فکرِ اقبال'' میں لکھتے ہیں کہ

''بہت سی حدیثیں جن کو لوگوں نے مسلم اور مستند سمجھ لیا ہے
وہ ان کے نزدیک ناموزون اور بے بنیاد تھیں اور بعض
احادیث جن کا اسناد ضعیف شمار ہوتا ہے وہ انہیں بصیرت
نبوی کا اعلیٰ نمونہ تصور کرتے تھے۔ اپنے کلام میں جا بجا ان
سے استفادہ کرتے تھے۔''[۴۳]

کلام اقبال کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ہم پر منکشف ہو جاتی ہے کہ احادیث مبارک بھی فکرِ اقبال کی بنیادی اساس ہے اور اُن کے کلام میں جا بجا احادیثِ نبوی کے مفاہیم اور معانی و مطالب کو اسلامی تعلیمات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جیسے ؎

زندگی از دہر و دہر از زندگی ست
لاتسبو الدھر فرمانِ نبیؐ ست
سروری در دین ما خدمت گری است
عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری ست

حضرت ابراہیمؑ کے ایثار و قربانی کو اقبال نے عشق کی سربلندی و کامرانی کے طور پر پیش کیا ہے اور سنتِ ابراہیمی کے عشق و یقین کو وہ عالمِ دنیا کے لئے راہِ نجات تصوّر کرتے ہیں۔ ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا [۳۴]

عصائے موسیٰ، کلیمی، کوہِ طور، لن ترانی، ضربِ کلیمی وغیرہ الفاظ بھی فکرِ اقبال کا اہم حصّہ بنے ہوئے ہیں۔

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر [۳۵]

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی اس عظمت کے ساتھ کلام اقبال میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

جہاں اگر چہ دگر گوں ہے قُم باذن اللہ
وہی زمین وہی گردوں ہے قُم باذن اللہ [۳۶]

حضرت آدمؑ کو اقبال نے ''رازِ خداوندی'' سے تعبیر کیا ہے۔ بالِ جبریل میں ''فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں'' اسی حقیقت کی عکاسی کرتی ہے۔

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیر خودی کر، اثر آہِ رسا دیکھ [۳۷]

اقبال کی فکر میں حضرت نوحؑ کا ذکر بھی آیا ہے ۔اور حضرت یعقوبؑ کا ذکر ''پیرِ کنعاں'' کے روپ میں آیا ہے۔اُن کے فرزند حضرت یوسفؑ کا ذکر بھی اقبال کے کلام میں حُسن و جمال،صبر واستقامت اور عفّو ودرگذر کے پیکر میں ہوا ہے۔

حضرت داؤدؑ اور اُن کے صاحب زادے حضرت سلمانؑ بھی عدل وانصاف کے پیکر میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ ،حضرتِ ایوبؑ ۔حضرت الیاسؑ ،حضرتِ ادریسؑ ۔حضرتِ عدنانؑ ۔اور حضرت ذکریا علیہ السلام کے پیمبرانہ اوصاف کا تذکرہ بھی فکرِ اقبال میں تصوّرِ مردِ مومن کے روپ میں نظر آتا ہے۔

اقبال نے ملائکہ کو'' پیکرِ نوری'' سے تعبیر کیا ہے ۔حضرت جبریلؑ ،حضرت عزرائیلؑ،حضرتِ اسرافیل وغیرہ کو بھی اقبال نے اپنی فکر میں سمویا ہے۔

رسول پاکﷺ کے زیرِ تربیت اصحاب کے سیرت وکردار سے بھی اقبال کی فکر کا چراغ روشن رہا ہے۔حضرتِ ابوبکر صدیقؓ ،حضرتِ عمر فاروقؓ ،حضرت عثمانِ غنی ؓ ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور دوسرے صحابہ کرام بھی اقبال کی فکر کا حصّہ ہیں۔اقبال کی نظر میں اِن کی شخصیت اسلام کی عملی تعبیر اور تفسیر عشقِ رسولﷺ ہے۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس [۳۸]

فکرِ اقبال میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت اور رسول پاک ﷺ کے تئیں ان کے عشق و محبت کا بھر پور اظہار نظر آتا ہے۔

خلفائے راشدین حضرت عمر فاروقؓ کا دور اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے یہ دور عدل و انصاف اور حکومت و سیاست کا ایک اہم دور رہا ہے۔ اور اُن کی شخصیت میں فقر و سلطانی کے مرکب کو ایک عظیم جوہر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

خلفائے راشدین میں حضرت عثمانِ غنیؓ نے بھی فیاضی و سخاوت کی بدولت اسلام اور اہل اسلام کی جو خدمت انجام دی ہے وہ اقبال کی نظر میں عشقِ رسول، ایمانی قوت، اور اسلامی شان کا مظہر ہے۔ ؎

سروری در دین ما خدمت گری است

عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است

اقبال کے کلام میں فقرِ حیدری ایک فکری پیکر ہے۔ حضرت علیؓ کا فقر اور قوت فکرِ اقبال کا موضوعِ سخن بھی بنا ہے اور اصحابِ رسول ﷺ کی شخصیت میں فقر، قوت، عزم و ایثار، شجاعت و بہادری وغیرہ اقبال کے مردِ مومن کے اہم اوصاف قرار دیئے گئے ہیں۔

اقبال کی فکر حضرت بلال حبشیؓ سے بھی متاثر ہے رسولِ پاک ﷺ کے تئیں ان کا غیر معمولی عشق و محبت کو اقبال نے اپنی فکر میں سمویا ہے۔

اقبال حضرت ابوعبیدہؓ سے بھی متاثر ہیں ان کی عظیم سپہ سالا رشخصیت اور طاقتِ جہادکواقبال نے ''سیدفوجِ حجاز'' کہاہے۔

اقبال خالدبن ولیدؓ سے بھی متاثر ہیں جنہیں رسولِ پاکﷺ نے ''سیف اللہ'' کالقب عطا کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ساری عمر جہاد میں گذاری تھی اور کئی بار عظمتِ اسلام کے جھنڈے گاڑے ہیں۔

اقبال حضرت ابوذرغفاریؓ کے زہدوتقویٰ سے بھی متاثر تھے جن کے بارے میں رسولِ پاکﷺ نے خودفرمایا تھا کہ ''ابوذر میں عیسیٰ ابن مریم جیسا زہد ہے''۔

اقبال حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی متاثر تھے جوقرآن کریم کو بلندآہنگی سے پڑھنے والے پہلے صحابی اورغیرت اسلامی کانمونہ ہیں۔اقبال نے انہیں ''چراغ افروزعشق'' کہاہے۔

اقبال حضرت ابوہریرہؓ کے علم وعرفان اورعشق رسول سے بھی متاثر تھے۔ اقبال نے انہیں 'وابستگانِ دامن فخرالامم' کہاہے۔

اقبال حضرت سلمان فارسیؓ سے بھی متاثر تھے اُن کی شخصیت فکرِ اقبال میں عشقِ رسولﷺ کا مظہراورسیرت رسولﷺ کا پیکر ہیں۔

اقبال میزبانِ رسول حضرتِ ابوایوب انصاریؓ سے بھی متاثر تھے اس لئے فکر اقبال کے چمن میں اس کی بھی مہک نظرآتی ہے۔

اقبال حضرت اویس قرنیؓ کے عشقِ رسول سے بھی متاثر تھے جنہیں اپنی بیمار ماں کی خدمت کے سبب رسولِ پاک ﷺ کی زیارت کا شرف تو حاصل نہ ہو سکا لیکن حضور ﷺ کا عطا کردہ لقب ''خیر التابعین'' خرقۂ مبارک کا عظیم تحفہ حاصل ہوا تھا۔تابعین میں حضرت عقبہ بن نافع کی قوتِ جہاد اور شوقِ شہادت بھی اقبال کی فکر کو متاثر کرتا ہے۔

ایمہ اربعہ حضرتِ امامِ ابوحنیفہ ،حضرت امام مالکؒ حضرت امامِ شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی اقبال نے استفادہ کیا ہے۔اسلامی فکر و فقہ کے یہ چار ستون فکر اقبال کا ایک اہم حصّہ ہیں۔

حکمائے اسلام میں امامِ غزالیؒ اور ابنِ تیمیہ سے بھی اقبال نے اخذ و استفادہ کیا ہے۔فکر اقبال میں فلسفہ و عقل کی زندگی سے دوری ،عشق پر اعمال کی بنیاد رکھنے کے خیالات امامِ غزالیؒ کے افکار سے متاثر ہونے کا احساس دیتا ہے۔علاوہ ازیں اقبال اُن کے 'تصوّر مرگ' سے بھی متاثر تھے۔

شیخ محی الدین اکبر ابن عربی کے بعض فلسفیانہ افکار سے اقبال کی فکری ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے جیسے عظمتِ انسانی ، جبر و قدر قلب و نظر اور تصوّرِ دوزخ و بہشت وغیرہ

ضربِ کلیم کی نظم تقدیر (ابلیس و یزداں) بھی ابنِ عربی سے ماخوذ ہے جس

سے اقبال اور ابنِ عربی کی ذہنی ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے علاوہ ازیں اقبال کے تصّورمردِمومن میں ابن عربی اوران کے شاگرد الجیلی کے تصورات کا بھی حصّہ ہے الجیلی کا خیال ہے کہ انسان کامل میں تمام ربانی صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ اقبال کی فکری تشکیل میں بھی اس کا پرتو نظر آتا ہے ؎

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کُشا، کارساز
خاکی ونوری نہاد، بندۂ مولاصفات
ہر دو جہاں سے غنی ،اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل ، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادادل فریب،اس کی نگہ دل نواز [۳۹]

فکراقبال میں ابنِ تیمیہ کے سیاسی افکار بھی نمایاں ہیں۔کیونکہ ابنِ تیمیہ نے اسلامی طریقۂ انتخاب،نظریہ اجتماعیت اسلامی ریاست اور اسلامی قانون کو اولیت دی ہے۔اقبال کی ایک مختصر نظم ''لادین سیاست'' جوضربِ کلیم میں ہے کواسی کا پرتو کہا جاسکتا ہے ؎

مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادین
کنیز اہرمن ودوں نہاد و مُردہ ضمیر [۴۰]

کلام اقبال کے چمن میں اور بھی بے شمار پھولوں کی مہک شامل ہے جن پھولوں نے کلام اقبال کے چمن کی زینت کو بڑھا کر اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ کیا ہے لیکن طوالت کے سبب اُن کا تذکرہ نہ ہو سکا۔

لیکن اقبال کی فکری تشکیل میں قرآن وسنت اور توحید و رسالت کے بعد مولانا جلال الدین رومیؔ کا سب سے زیادہ اثر ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے اقبال نے مثنوی مولانا روم سے بھی اپنے فکر و پیام کے چراغ کو روشن کیا ہے۔ رومیؔ کے نظام فکر میں عشق کو مرکزیت حاصل ہے اُن کے نزدیک عشق ہی اصل قوت حیات و کائنات ہے اور وہی انسان کامل کو بلند ترین مقام تک پہنچاتا ہے اور اصل جو ہر حیات وکائنات ہے اسی لئے مثنوی مولانا روم کو تفسیرِ عشق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مثنوی مولانا رومیؔ اپنے عہد کا ایک مجاہدانہ کارنامہ تصوّر کیا جاتا ہے چونکہ اقبال کو بھی اپنے عہد میں اُن ہی حالات سے سابقہ پڑا۔ اسلئے اقبال نے اپنے قلب و ذہن کے اس انتشار میں عہد جدید کے چیلنج کے سدِ باب کے لئے وہی حکمت عملی اپنائی جو مولانا رومیؔ نے اپنائی تھی معروف عالمِ دین سید ابوالحسن علی ندوی اپنی مایہ ناز کتاب میں اقبال کی ذہنی کشمکش کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اس دورِ جدید میں، جبکہ اقبال کو یورپ کے مادی و عقلی، بے روح و بے خدا افکار وخیالات سے سابقہ پڑا، اور مادہ

وروح کی کشمکش اپنے پورے عروج کے ساتھ سامنے آئی تو
اسی قلبی اضطراب اور فکری انتشار کے موقع پر اقبال نے
مولانا روم کی مثنوی سے مدد لی، اس کشمکش میں مولانا روم
نے ان کو بہت کچھ سہارا دیا، یہاں تک کہ اقبالؔ نے
پیر روم کو اپنا کامل رہنما تسلیم کرلیا، اور صاف صاف اعلان
کردیا کہ عقل وخرد کی ساری گتھیاں جسے یورپ کی مادیت
نے اور الجھا دیا ہے، ان کا حل صرف آتشِ رومی کے سوز
میں پنہاں ہے، اور میری نگاہِ فکر اسی کے فیض سے روشن
ہے، اور آج یہ اسی کا احسان ہے کہ میرے چھوٹے سے
سبو میں فکر ونظر کا ایک بحرِ ذخار پوشیدہ ہے۔'' [۱۶۱]

رومؔی کے یہاں عقل کی بھی اہمیت ہے لیکن عقل کے مقابلہ عشق کی برتری
وعظمت کا زیادہ اظہار ہے اور اقبال کے یہاں بھی عقل وعشق کے تقابل میں عشق کی
عظمت وبرتری کا اظہار بہت ہی گہرائی سے نظر آتا ہے ؎

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفٰے[۱]
عشق خدا کا رسول، عشق خُدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گُل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام [۴۲]

فکر اقبال میں رومیؔ کا پرتو ہر جگہ نظر آتا ہے کیونکہ اقبال نے انہیں اپنا مرشدِ معنوی تصور کیا ہے اور جا بجا اپنے کلام میں فیضانِ رومیؔ کا ذکر کیا ہے۔

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں [۴۳]

کلامِ اقبال میں جا بجا رومیؔ سے عقیدت و محبت کا اظہار ہے کیونکہ اقبال رومیؔ کے سوز میں ہی فرد و قوم کی بیداری کا علاج پوشیدہ پاتے ہیں اور فکرِ اقبال میں مولانا رومیؔ کے چراغ کی روشنی آخری مرحلے تک باقی رہتی ہے چنانچہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء کے ایک خط بنامِ حکیم محمد حسین عرشی میں اقبال لکھتے ہیں کہ

''میں ایک مدّت سے مطالعۂ کتب ترک کر چکا ہوں اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی...... مثنوی رومیؔ کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمی شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے؟ شوق خود مرشد ہے۔''

اقبال نے اسرارِ خودی ۱۹۱۴ء سے لے کر ارمغان حجاز ۱۹۳۸ء تک ہر کتاب میں رومؔی کی شاگردی پر فخر کیا ہے۔

اقبال شیخ سعدؔی شیرازی سے بھی متاثر تھے۔خلافتِ عباسیہ وغرناطہ کی تباہی پر سعدؔی نے جو مرثیہ لکھا تھا اقبال نے اس سے متاثر ہوکر بانگِ درا میں سعدی کی عظمت کا اعتراف کیا ہے نیز بانگِ درا میں ہی ایک اور نظم ''فردوس میں ایک مکالمہ'' میں اقبال نے ہاتف کی زبانی حالؔی سے سعدؔی کے استفادہ کو موضوع بنایا ہے۔

اقبال ابوالقاسم فردوسؔی سے بھی متاثر ہیں۔ کیونکہ شاہنامہ فردوسؔی ایک لاثانی شعری سرمایہ ہے فردوسؔی سے متعلق اقبال نے اپنی مثنوی 'مسافر' اور بالِ جبریل، میں جن احساسات کا اظہار کیا ہے ان سے فکرِ اقبال پر فردوسی کے اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اقبال افضل الدین ابراہیم بن علی شروانی خاقانؔی سے بھی متاثر ہیں۔قصیدے کے علاوہ انہوں نے غزلوں میں بھی ایک منفرد مقام حاصل کیا ہے 'تحفتہ العراقین' اُن کی ایک خاص مثنوی ہے جس میں انہوں نے اپنے سفرِ حج کے واقعات بیان کئے ہیں اور یہ مثنوی عشقِ رسولؐ سے بھی لبریز ہے۔اقبال خاقانی کے محبتِ رسول ﷺ، دین کی عظمت و برتری کے علاوہ اُن کے فلسفہ وفکر سے بھی بہت متاثر ہیں۔ضربِ کلیم کی ایک چھوٹی نظم ''خاقانی'' میں اقبال نے انہیں صاحبِ تحفتہ العراقین، اربابِ

نظر کا قرۃ العین اور محرمِ عالم مکافات کے لفظی پیکر میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے ؎

وہ صاحبِ تحفۃ العراقین
اربابِ نظر کا قُرۃ العین
وہ محرمِ عالمِ مکافات
اِک بات میں کہہ گیا ہے سو بات [۴۴]

کلام اقبال میں متعدد جگہ خاقانی کے اشعار سے تضمین اقبال کی خاقانیؔ سے فکری ہم آہنگی کی دلیل ہے اقبالیات کے مشہور شارح یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ

''خاقانیؔ بھی بیدلؔ، غالبؔ، عرفیؔ اور نظیریؔ کی طرح اقبال کا محبوب فارسی شاعر ہے کلیاتِ خاقانی میں انہیں قصائید سے بہت زیادہ مثنوی تحفۃ العراقین پسند تھی۔'' [۴۵]

اقبالؔ حکیم ابومحمد الیاس بن یوسف ذکی نظامیؔ گنجوی سے بھی متاثر ہیں۔ اُن کی پانچ مثنویاں جو خمسۂ نظامیؔ سے مشہور ہیں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

نظامیؔ کے اشعار کو اقبال نے بحیثیت تضمین پیش کیا ہے۔ اُن کی مثنوی 'لیلیٰ مجنون' میں انہوں نے کچھ اشعار اپنے نورِ نظر (بیٹے) کے لئے لکھے تھے اقبال نے اُن اشعار کا انتخاب اپنے بیٹے، جاوید اقبال کے لئے ضربِ کلیم کی اس نظم میں کیا جس کا موضوع 'جاوید سے' ہے ؎

اللہ کی دین ہے، جسے دے میراث نہیں بلند نامی

اپنے نورِنظر سے کیا خوب فرماتے ہیں حضرتِ نظامی

''جائے کہ بزرگ بایدت بود

فرزندیٔ من نداردت سود'' [۴۶]

اقبال نے حبیب اللہ شیرازی قا آنی کی قدر و منزلت کو بھی قبول کیا ہے بالِ جبریل کی ایک چھوٹی سی نظم بعنوان 'شیخ مکتب' جو بہت اہمیت کی حامل ہے میں اقبال نے قا آنی کے شعر سے تضمین کی ہے۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جسکی صنعت ہے روحِ انسانی

نکتۂ دل پذیر تیرے لیے کہہ گیا ہے حکیم قا آنی

''پیشِ خورشید برمکش دیوار

خواہی ارصحنِ خانہ نورانی'' [۴۷]

اقبالؔ بابا فغانیؔ شیرازی سے بھی اثر پذیر ہیں اقبال نے فغانی کی زمین میں غزلیں لکھی ہیں اور اقبال کا پسندیدہ پھول 'لالہ' جس کو اقبال نے مختلف رنگوں میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے کو بھی بابا فغانی کا پرتو کہا جاتا ہے کیونکہ اقبال سے پہلے بابا فغانی کے بغیر کسی شاعر کے یہاں یہ شعری پیکر نظر نہیں آتا ہے۔

کلام اقبال میں جا بجا گلِ لالہ اپنی خوشبو بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے اقبالیات کے

مشہور و معروف شارح یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ

''جس طرح پرندوں میں شاہین اقبال کا محبوب ہے اسی
طرح پھولوں میں گلِ لالہ انہیں بہت مرغوب ہے یوں تو ہر
تصنیف میں اس کا تذکرہ آیا ہے لیکن پیامِ مشرق میں اسے
طرح طرح سے سجایا ہے۔''[۴۸]

اقبال کو جس طرح شاہین میں مومن کے اوصاف نظر آتے ہیں اسی طرح گلِ لالہ اُن کی عاشقانہ زندگی کا آئینہ ہے۔

بھٹکا ہوا راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی[۴۹]

فکرِ اقبال میں حکیم سنائی، شیخ عطار اور ملاّ جامی کے بھی اثرات نمایاں ہیں۔ اقبال اورنگ زیب عالمگیر کی پُر کمال و پُر جلال شخصیت سے بھی بہت متاثر تھے جنہوں نے ہندوستان کے باشندوں پر پچاس سال تک حکومت کی اور اُن کے سامنے اسلامی تہذیب کا ایک عمدہ نمونہ پیش کیا۔ اقبال اپنی خودنوشت ڈائیری Stray Reflections میں اورنگ زیب کے متعلق یہ احساسات تحریر فرماتے ہیں۔

''اورنگ زیب کی سیاسی عبقریت بے انتہا جامع تھی۔
دوسرے مقاصد کی طرح اسکی زندگی کا ایک مقصد اس ملک

کی مختلف قوتوں کو ایک عالمگیر سلطنت کے رشتے میں
منسلک کرنا تھا لیکن اس پُر شکوہ اتحاد کو حاصل کرنے کے
سلسلے میں اس نے اپنی نا قابل تسخیر جرآت کے فرمان پر
غلطی سے یقین کرلیا جس کے پیچھے سیاسی تجربہ کا کوئی بھی
شافی و کافی پسِ منظر نہ تھا......پھر بھی اس بصیرت کی اہمیت
کے پیش نظر اورنگ زیب کو ہندوستان میں مسلم قومیت کا
بانی تصور کرنا چاہیے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی آنے والی
نسلیں میری باتوں کی صداقت کو ایک دن تسلیم کریں
گی ......اورنگ زیب کا سیاسی طریقۂ کار یقیناً سخت تھا لیکن
اس کی اصول کی اخلاقی قدر و قیمت کو اس کے عہد کے
میزان پر رکھنا چاہیے جس میں اس نے زندگی بسر کی اور
اپنے کارنامے انجام دیئے۔'' [۵۰]

اقبال اسلامی تہذیب کے اور ایک علمبردار شہید ٹیپو سلطان کے عزّم و حوصلہ، غیرت وخودداری، ہمت و شجاعت اور معرکۂ حق و باطل میں اس کے استقامت کے معترف ہے ضربِ کلیم کی نظم ''سلطان ٹیپو کی وصیت'' فکرِ اقبال کا ایک اہم حصّہ ہے ۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول [۱۵]

فکر اقبال میں بہت سی اہم بزرگ شخصیات وصوفیاء کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔

اقبال کو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ساتھ قلبی وفکری وابستگی تھی کیونکہ آپ نے جب سرزمین ہند میں قدم رکھا تو یہاں کے ریگستان گلزار بن گئے۔

آپ نے کفر وشرک اور بت پرستی کے ماحول میں اسلام کے آفاقی و وسیع تر تصوّر حیات و کائنات، مساوات واخوتِ انسانی درس و پیغام کے سبب یہاں کے سبھی لوگوں کے دل جیت لئے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ساتھ اقبال کی والہانہ عقیدت تھی جس کا اندازہ مشاہیر ومعاصرین کے نام اقبال کے بے شمار خطوط سے بھی کیا جاسکتا ہے۔اور دوسرے بزرگ صوفی داتا گنج بخش سید مخدوم علی ہجویری سے بھی اقبال کی فکری وابستگی تھی۔

شرف الدین بوعلی قلندر کی جراتِ گفتار اور کردار سے بھی اقبال بہت متاثر ہیں نیز اُن کے تصور عشق نے بھی انہیں متاثر کیا ہے۔ کیونکہ اقبال کی طرح بوعلی بھی

عقل پر، عشق کی برتری کے قائل ہیں اور عقلِ سلیم یعنی بصیرت کو عشق کا ذریعۂ خیال کرتے ہیں۔

سلطان المشائخ محمد نظام الدین اولیاءؒ سے بھی اقبال کی گہری قلبی وفکری وابستگی تھی کیونکہ آپ کی روحانی شخصیت سے بے شمار لوگ فیضیاب ہو چکے ہیں۔آپ کی زندگی فقر وتوکل اور عشق ومعرفت کا ایک عملی نمونہ تھی آپ نے کئی سلاطین وامراء کا دور دیکھا لیکن وہمیشہ اپنا دامن دربارشاہی سے بچاتے رہے۔البتہ سلاطین کی بے اعتدالیوں اور غلطیوں پر انہیں متنبہ کرتے اور ہر وقت حق گوئی وبے باکی سے کام لیتے تھے۔آپ نے لوگوں کو قرآن پاک وشریعت کی تعلیم دی۔آپ کی تعلیمات کی بنیاد محبت الٰہی اور اسوۂ رسول پاک ﷺ کی پابندی تھی۔

بانگ درا کی نظم 'التجائے مسافر' (قبل از سفر یورپ ۱۹۰۴ء) میں اقبال نے اُن کے ساتھ قلبی وابستگی کا اظہار یوں کیا ہے ؎

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیضِ عام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا [۵۲]

صوفیاءعظّام میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی صاحب عزیمت

شخصیت کا اقبال کے فکر و پیام پر بہت گہرا اثر ہے آپ نے عقیدہ وفکر کی درستی کا اہم کارنامہ انجام دیا۔ اور اکبر اعظم کے دین الٰہی کے نظامِ سلطنت میں پھیلی متعدد غیر اسلامی بدعات کے خلاف جہاد بھی کیا۔ اس دوران آپ کو بہت سی تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن آپ نے ہمت نہ ہاری۔ جس کے سبب آپ کے گھر بار سے نسل در نسل فیضیاب ہوئیں۔ اور 'فتاوی عالمگیر' جیسی اہم کتاب تصنیف ہوئی۔ کلام اقبال کے بے شمار اشعار میں شیخ کی قلبی بصیرت و ہم آہنگی کو نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

لا پھر اِک بار وہی بادہ وجام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی [۵۳]

اقبالیات کے مشہور و معروف شارح یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ

''علامہ مرحوم کا اشارہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی طرف ہے جن کے روحانی اور علمی کمالات کے علاوہ وہ عظیم الشان تجدیدی کارنامے جو انہوں نے عہد جہانگیری

میں انجام دیئے اظہر من الشّمس ہیں۔'' [۵۴]

The Reconstruction of religious Thought in Islam کے ساتویں خطبہ 'کیا مذہب کا امکان ہے؟' میں اقبال نے شیخ احمد سرہندی کے متعلق یوں عقیدت کا اظہار کیا ہے

''انہوں نے اپنے زمانے کے تصّوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان کا ایک نیا طریق وضع ہوا''۔ [۵۵]

بال جبرئیل کی ایک نظم میں بھی اقبال نے شیخ کے تئیں گہری عقیدت کا اظہار کر کے انہیں یوں خراجِ تحسین عطا کیا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمئی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار [۵۶]

اٹھارویں صدی عیسوی کے مشاہیر مشائخ وعلماء میں حضرت قطب الدین احمد ولی اللہ محدث دہلوی بھی اقبال کے فکر وخیال کا مرکز ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے مذہبی ،سیاسی اور معاشرتی تصّورات وافکار سے اقبال کی ذہنی ہم آہنگی اوراخذ واستفادہ کوواضح طور پراُن کے اشعار،خطوط وخطبات میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مشاہیر وہم عصر علمائے کرام بالخصوص سید سلیمان ندوی اورمولانا مسعود عالم ندوی، انور شاہ کشمیری، مولانا اسلم جیراجپوری ،مولانا عبدالماجد دریا آبادی ، شیخ عبدالقادر،نواب حمید اللہ خان، سرراس مسعود وغیرہ کے نام اقبال کے کلام اور بے شمار خطوط سے اقبال کے اخذ واستفادے کومحسوس کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ شبلیؒ، حالؔی اور سرسیّد وغیرہ کے اثرات کوبھی فکر اقبال میں محسوس کیا جاسکتا ہے علامہ اقبال نے بے شمار ادباء،شعراءاور حکماء سے استفادہ کیا ہے۔

فکر اقبال کے تحقیقی مطالعہ میں قرآن وحدیث اورتوحید ورسالت کے علاوہ مشرق ومغرب کے مفکرین ،حکماء وعقلاء اورصوفیاء کرام و بزرگانِ دین سے اخذ واستفادہ اوراُن سے مرتب شدہ اثرات بہت اہم ہیں۔

دراصل اقبال کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی وسعت اور ہمہ گیری بخشی تھی کہ انھوں نے تقریباً عالم دنیا کی تہذیب ،ثقافت، سیاست ،معیشت اور معاشرت کا

مطالعہ کر کے اس پر اپنے فکر وفن میں اپنی مخصوص انسانی اور اسلامی اقدار کی روایات کا لحاظ رکھ کر ایک تعمیری تنقیدی رویہ اپنایا۔

مغربی تہذیب وتمدن کا انہوں نے یورپ میں رہ کر گہرے طور پر مشاہدہ کیا اور پھر اس تہذیب کے مُضر اثرات سے جہاں اہلِ فکر ونظر کو آ گہی دلائی وہیں اس کے مفید اثرات کو قبول کرنے کے لئے اہلِ مشرق کو تاکید کی۔ چنانچہ اسرارِ خودی کے دیباچہ میں وہ رقمطراز ہیں کہ

> ''مغربی اقوام، اپنی قوتِ عمل کی وجہ سے تمام اقوامِ عالم میں ممتاز ہیں اور اس وجہ سے اسرارِ زندگی کو سمجھنے کے لئے اُن کے ادبیات وتخیلات اہل مشرق کے واسطے بہترین رہنما ہیں۔''

اسی دیباچہ میں آگے چل کر آپ رقمطراز ہیں کہ

> ''انگریزی قوم کی عملی نکتہ رسی کا احسان تمام دنیا کے قوموں پر ہے کہ اس قوم میں ''حسی واقعات'' اور اقوامِ عالم کی نسبت زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ ہے۔''

اقبال نے مغربی تہذیب کی سب سے زیادہ تنقید کی لیکن وہاں کی تکنیکی ترقیات، سائنسی کارناموں، ایجادات تحقیقات اور علم وہنر کے وہ مدّاح ہیں۔ اس

سلسلے میں مزید اضافہ کر کے معروف ماہر اقبالیات رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں ۔

''اقبال مغرب کی معاشرتی خوبیوں مثلاً محنتِ پیہم
کاروباری دیانت، وقت کی پابندی، صفائی ستھرائی وغیرہ
کے قائل ہیں اوراس کی صنعتی ترقی ،ایجادات،تحقیقات اور
علم و ہنر کے بھی مدّاح ہیں۔'' [۵۷]

اقبال نے مغرب کے قابل ستائش پہلوؤں کی دل کھول کر داد دی ہے خاص طور پر وہاں کے علم وفن کی ۔اوراقبال کی نظر میں علم وفن سے ہی اُن کا چراغ روشن ہے پیامِ مشرق میں کہتے ہیں۔

قوتِ مغرب نہ ازچنگ ورباب
نے رقصِ دختر انِ بے حجاب
نے زسحرِ ساحران لالہ روست
نے زعریان ساق ودنے از قطع موست
قوتِ افرنگ ازعلم وفن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

یعنی مغربی تہذیب کی طاقت ساز وسنتور میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ طاقت بے پردہ خواتین کے رقص وسرور میں مضمر ہے نہ ہی یہ سائنسی طاقت لادینیت میں ہے۔

یورپ کی اصل قوت وطاقت کا سرچشمہ اُن کا علم وفن ہے اسی علم وفن کی آگ سے اُن کا چراغ روشن ہے۔

اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اقبال نے جہاں مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں کی تنقید کی ہے وہاں انہوں نے وہاں کے مثبت پہلوؤں کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔معروف محقق سید عبدالواحد معینی اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

> ''اقبال نے مغربی تمدن کے بعض پہلوؤں پر اعتراض کیا ہے اور انہی پہلوؤں کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے باقی وہ ہمیشہ ملّتِ یورپ کے قابل ستائش پہلوؤں کے مدّاح بھی رہے خصوصاً مغرب کی تحصیلِ علوم میں مساعی اور اس کی فن طبیعات میں ترقی، شفاخانوں کا نظام، مریضوں کی نگہداشت کا انتظام وغیرہ۔'' [۵۸]

مغربی تہذیب کی ظاہری خوبصورتی نے بھی اقبال سے خراج تحسین حاصل کیا ہے جیسا کہ وہ بالِ جبریل میں ایک جگہ کہتے ہیں کہ ؎

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کے مانند [۵۹]

اقبال ایک وسیع النظر فلسفی کے ساتھ ساتھ ایک انسانیت نواز شاعر بھی ہیں اس لئے انہوں نے بڑے ذوق وشوق سے یورپی فکر ونظر کے اعلیٰ سرچشموں سے اپنی علمی پیاس بھی بجھائی ہے اور اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے چنانچہ وہ اپنی خودنوشت ڈائیری میں لکھتے ہیں کہ

> ''مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ہیگل، گوئٹے، مرزا غالب، مرزا عبدالقادر، بیدل اور ورڈس ورتھ سے بہت کچھ لیا ہے۔اول الذکر دونوں شاعروں نے اشیاء کے ''اندرون'' تک پہنچنے میں میری رہبری کی ۔ تیسرے اور چوتھے نے مجھے یہ سکھایا کہ شاعری کے غیر ملکی تصّورات کو جذب کرنے کے بعد بھی جذبہ واظہار میں کیسے مشرقیت کو برقرار رکھا جاسکتا ہے اور موخرالذکر نے میری طالبِ علمی کے زمانے میں مجھے دہریت سے بچالیا۔''[60]

قیامِ یورپ کے دوران اقبال نے بیکن ،ڈیکارٹ ، لاک ، برکلے ، ہیوم ، کانٹ ، نٹشے ،فشٹے ،شوپن ہائر ،ملٹن ، دانتے ، گوئٹے ، برگساں وغیرہ کے نظریات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔اس کے علاوہ خاص طور پر برنارڈ شاہ ،سقراط ،افلاطون اور ارسطو کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا۔غرض ان تمام مغربی فلسفہ دانوں اور شاعروں کے نظریات اور افکارات

پر انہوں نے بالغ نظری سے جائزہ لے کر انہیں اپنے مخصوص خیالات کا ایک حصّہ بنایا۔ پاکستان کے ایک مشہور ماہر اقبالیات رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ

> ''اقبال کی اس حکیمانہ بصیرت میں، جس نے انھیں فکری و ذہنی توازن عطا کیا، مغربی علومِ حکمت کے سرچشموں کا بھی دخل ضرور ہے۔''[16]

اقبال نے مغرب و مشرق کی تقریباً تمام تہذیبوں، ثقافتوں اور معیشتوں کا بغور مطالعہ کیا ہے انہوں نے مغرب و مشرق کے بڑے بڑے فلسفیوں، عالموں، مفکروں، مشائخ و اولیاء اللہ نیز بڑی بڑی غیر مذہبی شخصیات کا بھی گہرا مطالعہ اور استفادہ کیا ہے لیکن وہ اُن میں سے کسی خاص یا مخصوص فلسفے کے ساتھ بہہ نہیں گئے بلکہ انہوں نے اُن سے وہی خیالات لئے ہیں جو اُن کی انسان دوستی کے نظریے کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے اور اپنی مشرقی اقدار و روایات سے وہ قطعاً دستبردار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے مشرق و مغرب میں ایک بہترین امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی۔

مغربی فلسفیوں میں آپ نطشے سے مستفید ہوئے لیکن نطشے کو وہ مجذوبِ فرنگی کہتے ہیں اور اس کے متعلق یہ خواہش ظاہر کی ہے ؎

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اُس کو سمجھا تا مقامِ کبریا کیا ہے

برگساںؔ سے بھی وہ کسی حد تک متاثر نظر آتے ہیں ۔ اقبال کا یہ ہم عصر فلسفہ دان ''وقت'' کے متعلق اقبال کے خیال کے ساتھ بعض معاملات میں اتفاق رکھتا تھا اور اقبال کے اکثر نقادوں کا خیال ہے کہ اقبال مغربی مفکرین میں جتنا برگساں سے متاثر ہوئے ہیں اتنا کسی اور سے نہیں ہوئے مگر بعض مباحث میں وہ برگساں سے بھی شدید اختلاف کرتے ہیں یہی اختلاف ''ایک فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام'' اشارتاً اس طرح بیان ہوا ہے ۔

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا

زنّاری برگساں نہ ہوتا

اقبال نے کانٹ، ہیگل، دانتے اور مارکس وغیرہ سے بھی بعض خیالات لئے ہیں مگر اُن کے دہریانہ خیالات کی زبردست تنقید کرتے رہے۔

مارکس کے اشتراکی نظامِ زندگی سے اقبال قطعاً متفق نہیں ہیں انہیں اس نظریے سے بنیادی اختلافات ہیں لیکن ان اختلافات کے باوجود وہ اُن کے بعض اصلاحات کو قابل تحسین قرار دیتے ہیں۔

اقبال مارکسؔ سے اگرچہ بنیادی طور پر شدید نظریاتی اختلافات رکھتے ہیں اس کے باوجود اس کی عظمت کے قائل ہیں اُن کے خیال میں وہ ''کلیم بے تجلی'' اور مسیح بے صلیب'' ہے ہرچند کہ اسے پیغمبر نہیں کہا جاسکتا لیکن اس کی بغل میں کتاب موجود ہے ۔

آں کلیمِ بے تجلی آں مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن دربغل دارد کتاب

مارکسی نظریات کو روس میں لینن نے جو عملی جامہ پہنایا ہے وہ راہِ انسانیت میں مفید ہونے کی وجہ سے اس کے معترف ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اُن کے خیال میں روحانیت کو خیر باد کہہ دینے کی وجہ سے روس کے یہ تمام تجربات بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں ۔ اُن کے خیال میں روس نے ایسا کر کے اپنے آپ کو ایک دلدل میں پھنسا دیا ہے اور اسی لئے اس نے ترقی کے تمام دروازے اپنے اوپر بند کر دیئے ۔ اقبال نے اس اشترا کی نظریہ کی کھل کر مخالفت اسلئے کی کہ یہ نظریہ صرف انسانوں کو شکم پروری کی تعلیم دے کر انھیں دل کی آزادی اور روحانیت سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ اقبالؔ اس خدا بیزار نظریے کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ ؎

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟

اقبالؔ نے یہ بھی پیشن گوئی دی رکھی تھی کہ اشترا کیت یعنی کمیونزم ایک ایسا نظام ضرور فراہم کرتا ہے جو رنگ وخون اور نسل وقوم کے تمام امتیازات کو مٹانا چاہتا تھا۔جس کے نزدیک طبقاتی کشمکش کو مٹا کر ایک ایسے نظام کی تشکیل لازمی بن جاتی ہے جس میں نفرت، عداوت اور بغض وعناد کے جراثیم پرورش نہ پاسکیں لیکن اس نظام

نے روحانیت اور سچی مذہبیت سے چشم پوشی کی ہے اس کی وجہ سے یہ نظام زیادہ دیر پا ثابت نہیں ہو سکا اقبال کی یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور روسی اشترا کی نظام اُن کی وفات کے پچاس برس کے بعد ہی نا کام ہو کر ختم ہو گیا۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

اسلام کی محبت اقبال کے دل میں پہلے سے ہی بسی ہوئی تھی وہ اسلام کو اشترا کیت کی طرح ہی ایک تحریک سمجھتے ہیں۔لیکن اشترا کیت کی طرح اسلامی تحریک کو وہ خدا بیزار اور خود ساختہ نظریات پر مبنی نہیں مانتے ہیں بلکہ اُن کے نزدیک یہ تحریک خدا پرستی، آخرت پسندی اور انسان دوستی کے بلند و بالا اصولوں پر مبنی ہے اس تحریک کے زیر سایہ اقبال انسان کو صحیح معنوں میں انسانیت کا درس دینا چاہتے ہیں اس طرح وہ تمام طبقاتی تفریق کو مسمار کرنا چاہتے ہیں قوم پرستی کے وہ شدت سے مخالف ہیں اس قوم پرستی کے برے نتائج انہوں نے خود یورپ میں دیکھ لئے ہیں جس کے سبب وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبالؔ کے مربوط فلسفہ ’خودی‘ کی تعمیر میں بھی مغربی فلسفیوں کے افکار کی کار فرمائی نظر آتی ہے اگرچہ فوق البشر کا تصور عبدالکریم جیلی اور رومیؔ کے ہاں بھی موجود ہے اور اقبال اُن مشرقی دانشوروں سے بھی اس بارے میں کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں لیکن کسی حد تک وہ نطشے اور برگساں جیسے مغربی مفکرین سے بھی اس بارے میں متاثر دکھائی دیتے ہیں مثلاً اقبال کا اس ضمن میں نطشے کے تصور سے نسبتاً متاثر ہونا اس لئے زیادہ قرین قیاس ہے کہ اُن کے مردِ مومن کی ایک خاص صفت وہ قوت اور تحریک ہے جس کا مظاہرہ نطشے کے فوق البشر کے معاملے ہی میں ہوتا ہے سب جانتے ہیں کہ نطشے کے فوق البشر کے پس منظر میں ’خیال‘ پر جبلت کی فوقیت کا تصور بہت واضح تھا۔ اقبال کو دراصل ’’قوت‘‘ اور جبروت سے عشق ہے اس لئے وہ فرد اور ملّت ، دونوں کے معاملے میں انفعالیت کو ناپسند اور قوت کو پسند کرتے ہیں اسی لئے وہ نطشےؔ کے فوق البشر کے اس خاص وصف کو سراہتے ہیں۔

اقبالؔ کے تصورِ زمان میں بھی مغربی مفکروں کی کارفرمائی ہے۔ اس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اقبال برگساںؔ کے زمانِ مسلسل یعنی (Duration) کے تصور سے متاثر ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی اقبال ان سے ایک قدم آگے ہے برگساں تک مغرب کا تصور زماں زیادہ تر تاریخی نظر آتا ہے جس میں وقت ماضی، حال اور مستقبل میں بانٹ کر ایک سیدھی لکیر پر گامزن ہے۔ برگساںؔ نے مرورِ

زمان کے اس تصور میں زمانِ مسلسل کے تصور کا اضافہ کیا اور کہا کہ زمان میں تینوں زمانے بیک وقت موجود ہوتے ہیں اقبالؔ کو برگساں کا یہ تصور اچھا لگا کیونکہ اس کی روایت مشرقی فکر بالخصوص تصوف میں پہلے سے موجود تھی ۔ اقبال تحرک (Dynamism) اور تبدیلی کے اس قدر شوقین بلکہ عاشق ہیں کہ انہوں نے مغرب کے مردِ زمان کے تصور میں بھی اضافہ کیا اور کہا ۔

دمادم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اِک شئے سے پیدا دمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دود
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گلِ
خوش آئی اسے محنتِ آب وگلِ
یہ ثابت بھی ہے، اور سیار بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
فریبِ نظر ہے سکون وثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّہٗ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

اقبال کے یہاں تصور عشق وخرد ایک اہم موضوع رہا ہے انہوں نے اگر چہ مغربی فکر کے مطابق کہیں کہیں عقل کی اہمیت کو تسلیم کیا بھی ہے لیکن عشق اور جنون کو مشرقیت کی روحانی روایت کے طور پر یوں فوقیت دی ہے ؎

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ
زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
اِک دانشِ نورانی اِک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی
عقل ودل ونگاہ کا مرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع ودیں بتکدۂ تصوّرات

اقبالؔ نے عقل، علم اور فلسفے کا تصور مغرب سے لیا اور عشق، روحانیت اور اخلاقیت کی تعلیم کا درس مشرق (اسلامی تہذیب) سے لیا۔ اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے معروف اقبال شناس خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ

''اقبال کی خواہش یہ تھی کہ علم وفن یورپ سے حاصل کرو لیکن روحانیت اور اخلاقیات کا جو سرمایہ تم کو اسلام

نے عطا کیا ہے اس بیش بہا وراثت کی قدر کرو تا کہ تم
شرق وغرب دونوں سے افضل اور مکمل تہذیب وتمدن پیدا
کرسکو۔'' [۶۲]

اقبال ایک عظیم مفکر، فنکار اور انسانیت نواز شاعر ہیں اُن کو ہم قطعاً کسی محدود اور تنگ نظرئے کی چار دیواری میں مقید نہیں کر سکتے ہیں آپ مشرقیت اور مغربیت دونوں طرح کی عظیم اور فائدہ مند قدروں سے ہمیں مستفید ہونے کی تلقین کرتے ہیں ۔

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اقبال کا رویہ مغرب کے تئیں دشمنانہ یا یک رخی نہیں بلکہ گہرا ہمدردانہ رہا ہے وہ مغربی تہذیب کو اصلاحی نظر سے جانچنے پر اصرار کرتا ہے جو پہلے سے ہی انسانیت کے ایک مثالی تصور کو دل میں بسائے ہوئے تھے۔

اقبال نے مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی بھی نشاندہی کی اور تہذیب مغرب ومشرق کی خوبیوں کے بھی وہ قدردان رہے ہیں۔ ۔

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کے مانند

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
ضمیر مغرب ہے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ
وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ

دراصل اقبال ضرب لگانے اور تنقید کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے وہ ایک مسلمان اور مصلح کے فرائض انجام دے رہے تھے کیونکہ حقیقی مسلمان پر حق کا پیغام دینا فرض ہے جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اقبال نے جس روایت اور راستے کو اپنایا وہ نہ صرف مسلم سماج بلکہ عالمِ انسانیت کے لئے اہم اور ضروری ہے اُن کی فکر عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے اُن کے افکار و نظریات کے بارے میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ ایک جماعت نے اقبال کو اسلام تک محدود کیا تو دوسرے نے صرف مغرب و یونان کے نظرئے کو لے کر انھیں مغربی مفکر سمجھا۔ اس یک رُخے انداز کو رد کرتے ہوئے پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں کہ

''اعلیٰ شاعری کسی فلسفے یا تائید یا تردید کا نام نہیں، ایک بڑا وسیع المطالعہ شاعر دوسروں کے نظریات کو پسند بھی کر سکتا

ہے اور ناپسند بھی ۔ دوسرے بڑے شعراء اور فلسفیوں کے
افکار سے اثر پذیر بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی ۔'' [۶۳]

اقبال جہاں اپنے افکارِ عالیہ سے تبلیغ کا کام کرتے ہیں وہی وہ ایک فیض شناس کی طرح حالات کے مطابق دوا بھی تجویز کرنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ان تمام باتوں کو جو موجودہ دور کے مسلمانوں کی ترقی میں حائل ہو جائیں ، کی مخالفت کی ہے اور جن صفات کی بنا پر مسلمانوں میں جہد وعمل کی تربیت ہوتی ہوان کا برملا اظہار کیا ہے غیر مسلم علماء دانشوراور مفکرین وغیرہ کے کمالات کا اعتراف کرنا اور ان کے خیالات وافکار سے استفادہ کرنا اوران حقیقتوں کے ذریعے اپنی قوم کو فایدہ پہنچانا علامہ کی شخصیت کو اور بھی عظیم تر بنا تا ہے اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں کہ

''اقبال کے سارے کلام میں ''اسلام'' سے مراد امن وسلامتی اور صالح ذوقِ جہد وعمل کی تلقین ہے اور یہی سبب ہے کہ جہاں آپ نے شری شنکر، شیخ اکبر، خواجہ حافظ کے خیالات کو غیر اسلامی کہا ہے وہاں شری کرشن اور رام چندر جی کے افکار کو غیر اسلامی نہیں کہا بلکہ ان کے افکار کی تائیداور برقرار رکھنے کی تلقین کی ہے۔'' [۶۴]

حقیقت میں اقبال نے اپنے نثری خطبات ، مکاتیب اور پیامی شاعری میں انسانی

زندگی کے متنوع اوراس کی گونا گوں حسات کو صحیح تناظر میں سمجھنے اور پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنی فکر کی راہیں اسلامی اور مغربی بالفاظ دیگر مشرقی اور مغربی، قدیم اور جدید فلسفے کے گہرے، ناقدانہ اور تجرباتی مطالعے کے بعد متعین کیں۔ کیونکہ وہ زندگی بھر اس حدیث شریف پر کاربند تھے۔''اَلْکَلِمَتُہُ الحِّکْمتہُ ضَالَۃُ الّمُئومِنُ فَحَیُثَ وَجَدُھَا فَھُوّاحَقَ بِھَا !'' حکمت کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے، جہاں بھی وہ اس کو ملے وہ اسی کا حق ہے! اسلئے اُن کی نظر میں علم جہاں بھی ملے فرنگ ہو یا چین حاصل کرنا چاہے جس کا اعتراف انہوں نے یوں بھی کیا ہے۔ ؎

خرد افزودمرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

اقبال نے مشرقی سرمایہ ادب سے اچھی واقفیت کے ساتھ ساتھ مغربی اقوام کے علم وادب ، فلسفہ وحکمت اور وہاں کے اعلیٰ سرچشموں سے فیضیابی حاصل کی ۔ انھوں نے مشرقی ومغربی فکری لہروں سے نئی قدروں کی تلاش اور جستجو جاری رکھی اور ہمیشہ اُن دونوں لہروں سے اپنا رشتہ استوار رکھنے کے خواہش مندرہے یہی خواہش اُن کے دل میں ایک تڑپ بن کے موجود رہی اور انھوں نے اپنے گردوپیش کی دنیا کا غور سے جائزہ لیکر شرق وغرب کے نظریات پر مفکرانہ حیثیت سے ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی ، پھر اپنے شاندار مشرقی ماضی سے رشتہ جوڑ کر اس رشتے کی چھان بین کر کے

مستقبل کے روشن امکانات تلاش کیئے تا کہ مشرقی بنیادی وآفاقی اصولوں کو مغربی تقاضوں کے پسِ منظر میں دریافت اور متعین کیا جا سکے۔ بانگ درا کی ایک نظم 'طلوعِ اسلام' میں وہ یوں کہتے ہیں ؎

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی
عروقِ مردہ، مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سیناؔ وفارابیؔ
مسلماں کو مسلماں کردیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

اقبال ایک بالغ نظر مفکر وشاعر کی صورت میں جلوہ افروز نظر آتے ہیں جس کا بیدار ذہن ایک طرف مشرق کے بنیادی حقائق سے پیوست ہے اور دوسری طرف ایک نئے انسانی ضمیر کی تخلیق میں مصروف کار نظر آتا ہے دراصل وہ ہمیشہ اس امر کے شدت سے متمنی رہے ہیں کہ معاشرے کو ہر دم تازہ افکار و خیالات سے زندہ رکھا جائے جیسے وہ کہتے ہیں ؎

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

اقبال اس حقیقت کی تلقین کرتے ہیں کہ مغرب کی تقلید ہم صرف اُن کے سائنسی کارناموں اور تکنیکی ترقیات ہی میں کریں ۔ کیونکہ یہ چیزیں دراصل ایک زمانے میں انہوں نے مشرق سے ہی لی ہیں ۔اُن کی نظر میں یہ ہمارے ہاتھوں سے گرا ہوا گہرُ ہے ۔اب چونکہ مشرقی یعنی مسلمانوں پر جمود طاری ہو گیا اور مغرب علوم وافکارِتازہ کا مرکز بن گیا لٰہذا ہم پر فرض عاید ہوتا ہے کہ ہم اُن سے یہ علوم حاصل کریں لیکن مغربی تہذیب اور چمک دمک سے ہمیں قطعاً مرعوب نہیں ہونا چاہے۔اس سلسلے میں پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں ۔

''ہر جگہ انہوں نے دیدۂ دل کھلے رکھے اور علم اندوزی کی لیکن
وہ اپنے آدرش سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ بھٹکے۔'' [۶۵]

اقبال ایک عظیم شاعر ہیں وہ مشرقیت اور مغربیت دونوں طرح کی عظیم اور فائدہ مند قدروں سے ہمیں مستفید ہونے کی تاکید کرتے ہیں اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اقبال پوری دنیا کے شاعر ہیں اور اُن کا کلام صرف تجزیاتی ہی نہیں بلکہ تعمیری اور انقلابی بھی ہیں ۔ انھوں نے اپنے متحرک افکار ونظریات سے تمام زندہ دل انسانوں میں خود شناسی ،خدا شناسی ،خود اعتمادی اور جذبۂ عمل کا جذبہ بیدار کیا۔ پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں کہ

''اُن کا خطاب پوری بنی نوع انسان سے تھا ،اُن کا کلام

پوری بنی نوع انسان کے لئے ہے خواہ وہ مغرب میں مقیم
ہو یا مشرق میں'' [٦٦]

اقبال کو مغرب کی لادینی اور مادیت پرستی بالکل بھی پسند نہ آئی۔ اس کے برعکس مشرقی روحانیت اور مشرقی قدروں سے اُن کو گہرا شغف تھا اسلئے وہ ہمیں مشرقی روحانی قدروں کو ہر حال میں زندہ رکھنے کی تاکید کرتے ہیں اور مغرب کی ظاہری چمک دمک کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں ۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اقبال نے جہاں مغرب کی سب سے زیادہ تنقید کی ہے وہاں انہوں نے کہیں کہیں پر استفادہ بھی کیا ہے۔ ان کی نثری تحریروں میں جہاں فلسفیانہ اور منطقی تجزیوں کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے، انہوں نے مغربی علوم و آداب کے مثبت قدروں اور استفادے کا بھرپور اعتراف کیا ہے۔ معروف اقبال شناس پروفیسر رفیع الدین ہاشمی اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اقبال کی شخصیت داخلی طور پر تربیت و تہذیب یافتہ، منظّم اور توانا تھی۔ انھیں یورپی تمدن کا ظاہری طمطراق، مادی آسائش اور چمک دمک متاثر نہ کر سکی۔ شخصی حیثیت میں وہ

مغرب کے جس قدر قریب ہوئے اُن کے ذہن میں اس
کے خلاف ایک ناقدانہ ردِعمل پیدا ہوتا گیا۔''[٦٧]

دراصل اقبال کے افکار ونظریات میں قیامِ یورپ کے بعد ایک حیرت کُن تبدیلی رونما ہوئی چونکہ بعض لوگ سوچتے تھے کہ یورپ کی مادی اور مشینی ترقی اور پیش رفت سے مرعوب ہوکر اقبال مغرب زدہ ہو چکے ہونگے جیسے کہ دوسرے لوگ ہو گئے ہیں لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن میں موجودہ اخلاقی اور ثقافتی بیماریوں اور کمزوریوں پر اقبال سب سے زیادہ تنقید کرینگے۔اس سلسلے میں معروف اقبال شناس ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں۔

''تہذیب فرنگی کی تابانی کے سامنے بڑے بڑے خودی
آشنا اور خودآشنا بھی آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں۔اقبال بھی
چندے اس کے دام میں گرفتار ہوئے لیکن فلاسفۂ مشرق
کے گہرے مطالعے،اسلام اور مشرقی تمدن کے روح کے صحیح
ادراک ، یورپ کے سفر اور تمدن مغرب کے قریبی نظارے
نے اُن کو جلد اس کی تابانی سے بدظن کردیا۔''[٦٨]

اقبال نے مغرب کے علم وہنر سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھا بلکہ انہوں نے اس تہذیب کے اچھے اور بُرے پہلوؤں پر نظر رکھی اور اس سے استفادہ بھی کیا ہے

لیکن وہ اس تہذیب سے مرعوب نہیں ہوئے کیونکہ اُن کا دل ایمان کے نور سے منور تھا اور اُن کے سامنے اسلامی اور مشرقی تہذیب کی وہ عظیم روایت موجود تھی ،جس کو انھوں نے زندگی بھر عزیز رکھا اور آخر دم تک انھوں نے اپنی فکر کے لہو سے اس کی آبیاری کی اسی لئے اس کی آنکھیں اس کی ظاہری چمک دمک سے خیرہ نہ ہوسکیں۔ ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

دوسری بات یہ ہے کہ اقبال کا اور ایک اصول تھا وہ یہ کہ اگر مسلمان کلمہ توحید پڑھ کر دل سے مسلمان بن چکا ہے اور اس کی سرشت میں اس کا اثر پختہ ہو چکا ہے تو پھر اہلِ مغرب کی تعلیم حاصل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ ایمان جو اس کی اصلیت میں ہوگا، وہ اس سے کھرے اور کھوٹے کی شناخت کر دے گا اور فرنگی تعلیم سے وہی چیز حاصل کرے گا جو بحیثیت مسلمان اس کے فائدے کی ہوگی اور باقی سب کچھ رد کر دے گا۔ اس بات کا برملا اظہار اقبال یوں کرتے ہیں ؎

جو ہر میں ہو لا اِلہٰ تو کیا خوف

تعلیم ہو گو فرنگیانہ

چونکہ اقبال مشرقی تہذیب خصوصاً اسلامی تہذیب کی عظمت کے تہہ دل سے قائل تھے۔ اسی وجہ سے مغربی تہذیب کے خدوخال ہمارے سامنے بے نقاب کر دیئے

ہیں اوران دونوں تہذیبوں کے موازنہ نے اقبال کوفکر کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کیا۔ جہاں اقبال نے ایک طرف مغرب کے معائب سے کنارہ کشی کرنے کا درس دیا ہے وہیں دوسری طرف اس کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کا درس بھی دیا ہے کلامِ اقبال میں اس طرح کی بے شمار مثالیں دیکھنے کوملتی ہیں۔مغربی حکمت وفلسفے کا اقبال نے گہرا مطالعہ کیا اوراس میں جو خیالات انہیں اپنے نظریات سے ہم آہنگ ملے انہیں فوراً اپنے کلام میں پیش کیا۔اس سلسلے میں معروف محقق سید عبدالواحد معینی لکھتے ہیں۔

> ''اقبال کی غرض بنی نوع انسان کی فلاح و بہود ہے۔اس فلاح کے لئے وہ احترامِ آدمیت کوضروری تصور کرتے ہیں اور جہاں کوئی تمدن اس کی تکریم واحترام کے راستہ میں حائل ہوکر تذلیل انسانیت کرتا ہے۔اقبال اس نظام کے خلاف تنقید کرتے ہیں۔اقبال نے مغرب پرتنقید تو کی مگر یہ تنقید مغرب کی انسانیت کش قومیت ، استعماریت اورنسلی امتیاز کے خلاف تھی لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے یورپ کے علوم میں ترقی اور دیگر خوبیوں کوسراہا بھی ہے کیونکہ وہ تو ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جو اخوتِ انسانی پرمبنی ہواور جس کی غرض فلاحِ بنی نوعِ انسان ہو۔'' [۲۹]

اقبال مغربی تہذیب کی خامیوں کے ساتھ ساتھ اس کی خوبیوں سے بھی واقف تھے اوران پر رشک بھی کرتے تھے کیونکہ وہ اس اصول پر کاربند تھے کہ اچھائی کو لے لو اور بُرائی کو چھوڑ دو اسی لئے انھوں نے یہ کہا کہ مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں سے دامن بچانا چاہیے اوراس تہذیب کے مثبت اور مفید پہلوؤں سے فیض اٹھانا چاہیے۔ ماہر اقبالیات پروفیسر آل احمد سرور اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''اقبال کے فکر کی بنیاد اسلامی ہے۔ اُن کا ذہن اُن ذہنوں میں سے نہیں تھا جو باہر کی ہر چیز کو قبول کر لیتے۔ وہ صرف بعض بعض خاص چیزوں کو قبول کر سکتے ہیں جو اُنکی فطرت سے مناسبت رکھتی تھیں۔'' [۷۰]

مغربی تہذیب نے علوم وفنون اور خاص طور پر سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے وہ قابلِ تحسین ہے، حالانکہ یہ دولت انھوں نے مشرق کے فکری سرچشموں سے ہی حاصل کی ہے۔ اس کے متعلق جید عالمِ مولانا محمد تقی امینی لکھتے ہیں۔

''مغرب نے تشکیلی مراحل میں مشرق سے کافی استفادہ کیا ہے۔'' [۷۱]

حقیقت میں اقبال سائنسی علوم کو ''ہمارے ہاتھوں سے گرا ہوا گہر'' قرار دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ یورپ کی تمدنی وسائنسی ترقی کے معترف تھے اوراس سے اکتساب

واستفادہ کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ ملّت کی حیاتِ نو کے لئے اسے ضروری بھی سمجھتے تھے۔ لیکن اہل مشرق خصوصاً مسلم ممالک مغربی تہذیب وتمدن کے مُضر پہلوؤں کی اندھی تقلید سے اخلاقی پستی اور روحانی منزّل کے دلدل میں پھنس گئے، جس کے سبب اقوام مشرق پر جمود اور بے عملی طاری ہوگئی اور دوسری طرف تسخیر کائنات کا فریضہ مسلمانوں کے بجائے اہلِ مغرب نے سرانجام دے کر بحر و بر اور فضائے آسمانی پر اپنی حکومت قائم کردی۔ چونکہ مغرب کے اہلِ علم سائنس داں تسخیر کائنات کے مقصد کو جو فلاح و بہبود بنی آدم ہے، ہدایتِ ربانی سے محروم ہونے کی وجہ سے صحیح اور غلط کا تمیز کھو چُکے ہیں اور سائنسی ترقی کے سبب انتہائی مہلک ہتھیاروں کا استعمال کر کے انسانی تباہی اور بربادی کا سامان پیدا کر چکے ہیں۔ اس کے بارے میں معروف اقبال شناس پروفیسر غلام رسول ملک لکھتے ہیں۔

''موجودہ مادی اور صنعتی تہذیب کی سب سے بڑی بُرائی یہ ہے کہ اس نے انسان کو فطرت کی مبارک زندگی سے علاحدہ کردیا ہے اور اس کے احساسِ مروت کو کُچل کے رکھ دیا ہے۔'' [۲۷]

مشینی نظام کو انسانی ضرورت سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر برائی ہے تو اُس معاشرے میں ہے جو مشینوں کا صحیح استعمال نہیں کرتے ہیں۔

لہٰذا مغرب کی مادہ پرستی، روحانی سرد مہری اور اخلاقی پستی کے خلاف مسلم دنیا میں ہی نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت میں اس کے خلاف نفرت کا رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ خطبات میں ایک جگہ اقبال لکھتے ہیں۔

''یقین کیجئے یورپ سے بڑھ کر آج انسان کے اخلاقی ارتقاء میں بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں۔'' [۴۳]

مغرب کے بہت سے مفکرین و محققین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں جو بحیثیت مجموعی مغرب کے استحصالی طرزِ عمل سے متنفر ہیں۔ اس سلسلے میں معروف محقق سید عبدالواحد معینی لکھتے ہیں

''جس وقت اقبال مغرب کی حالت دیکھ کر اس کو تاریک مستقبل سے خبردار کر رہے تھے، یورپ کے بعض مفکرین نے تو اپنی تصنیفات میں مغرب کو تنبیہ کرنا شروع بھی کر دیا تھا کہ وہ دنیا کی کمزور قوموں پر تسلط کو کوئی صحت مند تصور نہ سمجھیں اور بہتر ہے کہ اپنے نظریاتِ حیات کو جلد بدل دیں ورنہ نتیجہ صرف تباہی ہے۔ اِن مفکرین میں قابلِ ذکر سینورنٹی، برنارڈ شاہ، برٹرینڈ رسل اور جوڑ ہیں مگر اس وقت مغربی اقوام طاقت کے نشہ میں اتنی مست تھیں یا وہ ایک دوسرے سے اس

طرح برسرِ پیکار تھیں کہ کچھ نہ سوچا اور دنیا کی کمزور قوموں کو
مغلوب کرنے میں ہی مشغول رہیں۔"[۳۴]

مغربی تہذیب نے روحانیت کے بجائے مادیت، خدا کے بجائے کائنات اور آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دی۔ اس لئے یہ تہذیب دنیا کو خوب سے خوب تر سنوار سکتی ہے لیکن آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کی تدبیر نہیں بتا سکتی۔ اس سلسلے میں اقبال کہتے ہیں ؎

علم رابرتن زنی مارے بود
علم رابردل زنی یارے بود

مغربی تہذیب میں اخلاقی قدروں کا فقدان نظر آتا ہے۔ یہ تہذیب مادیت کی اس قدر شکار ہو چکی ہے کہ انسان بھی ایک مادی شے بن گیا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار مادی کامیابی ہے۔

دراصل اقبال نے یورپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بظاہر یورپ میں علم و ہنر کی روشنی بہت ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں مادیت کا غلبہ ہے ؎

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

اقبال جدید کاری (Modernisation) کے حق میں تھے اور مغربیت

(Westernisation) کے مخالف تھے۔ وہ ہر اس عمل کو عزیز جانتے تھے جو عقل وخرد کی گتھیوں کو سلجھائے اور اس کے برخلاف مغرب نے فیشن پرستی اور مادہ پرستی کا جو زہر تمام دنیا میں پھیلایا ہے اس سے اقبالؔ کو زبردست نفرت تھی۔ ان کے نزدیک اگر دورِ حاضر کا یہی تہذیبِ نو ہے تو پھر ایسی تہذیب اور ایسے تمدن کو ہمیں تہہ وبالا کرنا چاہیے کیونکہ اس سے ہماری اپنی باحیا وباوقار تہذیب ختم ہو جائے گی اور ہمارا شاندار ماضی اور ہمارا بے داغ کردار تباہ وبُرباد ہو جائے گا۔ اسلئے اقبالؔ ہمیں اس تہذیب کے مُضر اثرات سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔ معروف اقبال شناس خلیفہ عبدالحکیم اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

> ''علامہ اقبال کے تبلیغی کلام میں دو چیزیں پہلو بہ پہلو ملتی ہیں۔ ایک تہذیب جدید پر مخالفانہ تنقید اور اس کے مقابلے میں اسلامی نظریۂ حیات کی تعلیم۔'' [۵۷]

مغربی تہذیب پوری طرح سے مادیت کی شکار ہو چکی ہے۔ اس لئے اُن کی نظر میں انسان بھی ایک مادی شے اور مشینی دنیا کی ایک مشین ہے جو صرف حصولِ مسرت اور مفاد پرستی پر مشتمل ہے کیونکہ مغربی تہذیب میکاولی ☆ کے نظریات اور تصورات پر قائم ہے۔ وہ مغرب پرست جو یہ کہتا ہے کہ حکمرانی کے لئے اخلاقیات

☆ میکاولی:۔ ایک مغربی مفکر جسے خالص سیکولر نظریہ حکومت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

اور روحانیت کے نظریے بے کار اور بے معنی ہیں۔ ان ہی نظریات کی وجہ سے مغربی تہذیب اسلام کے اخلاقی اصولوں سے متصادم ہے۔

اسی لئے اقبال نے ہمیشہ یورپ کو اس مرض مہلک سے آگاہ کیا ہے اور مشرق کو اس تہذیب سے بچنے کی بار بار تاکید کی ہے۔ اس سلسلے میں معروف اقبال شناس ڈاکٹر سید عبداللہ یوں رقمطراز ہیں۔

> ''اقبال کے پیغام کا مقصد دوگونہ ہے، اول یہ کہ وہ مشرق کو اس روحانی بیماری سے بچائے۔ دوم یہ کہ یورپ کو اس مرضِ مہلک سے آگاہ اور خبردار کرے۔''[٦٧]

اقبال اخلاقی وتمدنی پاکیزگی کے شاعر ومبلغ ہیں۔ اُن کی تمام شاعری اعلیٰ قدروں کی ترجمان ہے۔ مغربی تہذیب میں انہیں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ اس تہذیب وثقافت سے زبردست بیزار ہیں۔ اپنی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' میں انہوں نے واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ آدمیت تہذیب حاضر فرنگی ہاتھوں سے زیروزبوں ہو چکی ہے اور انسانی زندگی میں یورپی سیاسی مکروفریب سے ہنگامے اور انتشار کی کیفیت رونما ہوتی ہے۔ سارا عالم اسی مکروفریب میں اس تہذیب نو کی وجہ سے آ چکا ہے لیکن اب مشرق ایک انقلابی کیفیت سے دوچار ہے، جس نے سیاستِ فرنگ کو ذلیل وخوار کیا ہے ۔

آدمیت زار نالیداز فرنگ
زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
پس چہ باید کرداے اقوامِ شرق
باز روشن می شود ایامِ شرق!
درضمیر ش انقلاب آمد پدید
شب گذشت وآفتاب آمد پدید
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد
زیر گردوں رسم لادینی نہاد

اقبال کی نظر میں انسان کواطمینانِ قلب صرف مادی چیزوں سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔صنعت وحرفت کی ترقی بالکل اچھی علامت ہے ۔اسی طرح مشینوں کا استعمال بھی یقیناً ترقی اور خوشحالی کی ضمانت فراہم کرتا ہے لیکن مغربی تہذیب کی ایجادات سے انسان بے شمار الجھنوں اور مصائب کا بھی شکار ہو چکا ہے اور مغربی تہذیب کی یہ ایجادات انسانیت کوفنا کی طرف لے جارہی ہیں ۔کیونکہ وہاں ہر ترقی کے باوجود انسان اصل میں حیوان بنتا جارہا ہے۔اس تہذیب نے انسان کومشین بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ مشین کے کُل پرزوں کی طرح کام کرتا ہے۔صبح سے شام تک دوڑے رہنا اس کا مقدر بن چکا ہے۔سکون اور اطمینانِ قلب اس نے کب کا کھودیا

ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب میں حکومتوں کی وسعت اور اقتدار کے باوجود ایک بے چینی اور اضطراب کا دائمی احساس موجود ہے۔عیش وعشرت کی زندگی ہر طرف نظر آتی ہے مگر دلوں میں روشنی کی کوئی کرن موجود نہیں۔ ؎

یہ عیش فراوان یہ حکومت یہ تجارت
دل سینۂ بے نور ہیں محروم تسلی
تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھویں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایان تجلی

اقبال اپنے ملک وملّت کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے،تہذیب وتمدن اور تمام ماحول کو اس صورت حال کا شکار ہونے سے بچانا چاہتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک یہ تہذیب زندگی سے فرار ہے۔اس تہذیب نو نے ہماری ملّت کو آرام طلب بنا دیا ہے۔ہماری نوجواں نسل کو اس تہذیب نے تن آسان بنا کر خودی اور خودداری سے غافل کر دیا ہے۔اقبال مسلم نوجوانوں کو عیش وآرام کی زندگی بسر کرنے کے بجائے جفا کشی اور سخت کوشی کا درس دیتے ہیں ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جوڈالتے ہیں کمند

اقبال حرکت وعمل کے شاعر ہیں۔جب وہ اپنی قوم وملت کے افراد کو اس

تہذیب نو میں گرفتار ہو کر تن آسانی میں محو دیکھتے ہیں تو وہ انہیں پکار پکار کر کہتے ہیں ؎

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر

دوسری جگہ اپنے نوجوانوں کی تن آسانی کو دیکھ کر یوں کہتے ہیں ؎

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اقبال دراصل اخلاقی وتمدنی پاکیزگی کے شاعر ومبلغ اور بلند اخلاقی کے داعی ہیں۔ اسلئے ان کی ساری شاعری اعلیٰ قدروں کی ترجمان ہے۔ مغربی تہذیب میں انہیں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ اس تہذیب و ثقافت سے زبردست بیزار ہیں۔ اُن کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ مغربی ممالک ملتِ اسلامیہ کو ہرگز نجات نہیں دلاسکتی ہیں نہ ان کے مسائل کو حل کر سکتی ہے نہ ان میں نئی زندگی کی کوئی روح پھونک سکتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو پیڑ خود سوکھا ہوتا ہے اُن کی چھاؤں کوئی کیونکہ حاصل کر سکتا ہے اسلئے اقبال کی نظر میں جو تہذیب اپنی موت خود مر رہی ہو وہ دوسروں کو زندگی کیسے عطا کر سکتی ہے ؎

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق اُن کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی وتقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران وعرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خودلبِ گور

اقبال چونکہ مغرب کے فکری اور علمی سرچشموں سے نہ صرف براہِ راست فیضیاب ہو چکے تھے بلکہ انھوں نے اپنی طالب علمی کے دوران یورپ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ یوں وہ مغرب کی دانشوری کے مسائل اور امکانات سے بخوبی آ گاہ تھے۔ انہوں نے اُن کی چیرہ دستیوں سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ جدید یورپی تہذیب اپنی تمام ظاہری خوبیوں کے باوجود اخلاقی، روحانی اور ثقافتی اقدار کی محرومی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گی کیونکہ اس تہذیب میں صالحہ قدروں کے فقدان کی وجہ سے ہر طرف ذہنی پراگندگی اور قلب ونظر کی رنجوری دکھائی دے رہی ہے۔ اس ذہنی پریشانی اور قلب ونظر کی رنجوری سے وہاں بے حیائی، بے چینی اور آوارگی کے تمام مظاہر موجود ہیں جو اصل میں اس تہذیب کو مسمار کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اسلئے دیگر مشرقی مفکرین جہاں مغرب کی ظاہری چمک دمک کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں وہاں علامہ اقبال مغربی تہذیب کی بنیادی جڑوں پر ایسی گہری نظر رکھتے ہیں جس کی بنا پر وہ اس کے جارحانہ عزائم اور اس کے بھیانک انجام کی کُھل کر پیشن گوئی کرتے ہیں اور

اقبال نے مغربی تہذیب وتمدن پر یہ تنقید اس وقت کی جب مغرب ہر طرف سے مشرق پر حاوی تھا اور عام نظروں سے اس تہذیب کے آثار بالکل اوجھل تھے۔اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر انور رومان لکھتے ہیں۔

''قیام یورپ کے دوران انہوں نے انگلستان سے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور میونخ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔تہذیب اسلامیہ کے مٹتے ہوئے آثار بھی دیکھے اور تہذیب افرنگ میں اس کے عملی وفنی نقوش جاریہ کو بھی ڈھونڈا لیکن شاید ان میں سب سے زیادہ سرخ وسفید اہلِ مغرب کی بلند بانگ تہذیب اور عالمگیر سیاست کو بھی بنظر غائیر دیکھا، اسے باہر سے روشن اور اندر سے تاریک پایا۔ اگر یہ ہنگامہ تہذیب اور فتنہ سیاست یورپ تک ہی محدود ہوتا تو ایک بات تھی لیکن مشرق بھی بزورِ جبراور بہ رضاورغبت اس کے شکنجوں میں آ گیا تھا......اوراسی کو آبِ حیات سمجھ کر نوشِ جام کرتا جارہا تھا حالانکہ یورپ خود روحانی معنویت کے لئے سرگرداں تھا۔ یہ معنویت ہنوز اپنے اصلی رنگ میں مشرق کے پاس موجود تھی لیکن وہ اسے

فراموش کر چکا تھا ، لہٰذا علامہ اقبال نے دومحاذوں پر
جدوجہد کی ۔کشف واحیائے مشرق کے لئے اجتہاد اور
مغربی تہذیب وسیات کے خلاف ہمہ جہتی جہاد۔'' [۲۷]

اقبال عصری تقاضوں سے واقف تھے اور وہ مغربی چمک دمک کو بھی محسوس کر رہے تھے جس میں سوائے مکروفریب کے کچھ نہ تھا۔ اُن کو اس کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کا تکلیف دہ احساس تھا۔جس کا برملا اظہار وہ یوں کرتے ہیں ؎

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

اقبال کو تہذیبِ مغرب کی لادینی کسی طرح بھی پسند نہ آئی ۔اس لئے وہ اس تہذیب کی خوبیاں اپنانے میں بھی احتیاط کی شرط رکھتے ہیں ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

جہاں تک علم وحکمت کا تعلق ہے اس کے متعلق اقبال کا یہ اصول تھا کہ مغربی تہذیب کا چراغ جو علم و ہنر سے روشن ہے دراصل اسلامی تہذیب ہی کے بعض پہلوؤں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے کیونکہ مسلمان قوم ہی نے ابتداء میں علوم وفنون اور سائنس کی ترقی کے لئے زمین ہموار کر کے مغرب کی رہنمائی کی اور آج خود اس میدان میں

پیچھے ہیں اور اقبال کی یہ ہمیشہ خواہش رہی کہ مسلمان اپنی گُم شدہ دولت پھر سے واپس حاصل کر لے ۔ اسی لئے اقبال نے مسلمانوں کو بار بار اس کے ماضی کی یاد دلائی جو ایک بڑا کام کیا اور مغرب کے خلاف اتنی شدت کے ساتھ آواز اُٹھانا اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے حالانکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی بہت سے دانشور ادیب اور مفکر مغرب گئے اور واپس آئے لیکن کسی نے ایسا کارنامہ انجام نہ دیا۔ اس کے متعلق جید عالمِ دین سید ابوالاعلیٰ مودودی یوں تحریر کرتے ہیں ۔

> ''سب سے اہم کارنامہ جو اقبال نے انجام دیا، یہ تھا کہ انھوں نے مغرب اور مغربی مادہ پرستی پر پوری قوت کے ساتھ ضرب لگائی۔ اس سے مسلمانوں پر مغرب کی جو مرعوبیت طاری تھی وہ کافور ہونے لگی اور واقعہ یہ ہے کہ اس مرعوبیت کو توڑنے میں اکیلے اقبال کا کارنامہ سب سے بڑھ کر ہے۔'' [۸۷]

اقبال مغربی تہذیب اور غیر اسلامی افکار وخیالات کو رد کر دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ تہذیب وتمدن اور نظریات صرف مادی اصولوں پر قائم ودائم ہیں چونکہ اقبال ابتداء سے ہی مختلف افکار ونظریات کے حامل رہے ہیں لیکن آخر وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انسانیت کے تمام دکھوں اور زخموں کا مداوا اور انسانی زندگی

کے سفر میں پیش آمد مسائل کا حل اسلامی نظامِ حیات میں پنہاں ہے۔اوراسلامی تہذیب وتمدن ہی انسانیت کے جوہرکونکھارتا ہے۔

دراصل اقبال ایک بہتر انسانی سماج کی تلاش میں دلچسپی رکھتے تھے اور وہ نظامِ فکروعمل کسی انسان کا بنایا ہوانہیں ہونا چاہیے کیونکہ انسان اپنی تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود ایک محدود دائیرے میں مقید رہتا ہے۔ وہ ماضی اور حال کا تجزیہ تو کرسکتا ہے مگر مستقبل کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرسکتا۔تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ انسانوں کے خودساختہ نظریات سے مسائل اورزیادہ پیچیدہ ہوگئے ہیں اس کی ایک مثال سوشلزم ہے جسکے بارے میں بڑے زوروشور سے دعویٰ کیا گیا کہ مارکس نے اپنے طویل مطالعہ اورغوروفکر کے بعد زندگی کا سب سے بہترین اور پائیدار نظامِ فکروعمل ترتیب دیا ہے۔لیکن یہ دعویٰ ایک صدی کے اندر اندر ہی کھوکھلا ثابت ہوگیا ،جس میں انسانیت کے لئے تباہی اور بربادی تو ہوسکتی ہے کامیابی ہرگز نہیں ہوسکتی۔پس لازم ہے کہ ایک ایسا نظامِ فکروعمل دریافت کیا جائے جو دائمی اور حتمی ہو۔ایسا نظامِ فکروعمل اسلامی نظامِ حیات ہی ہے کیونکہ اسلامی نظامِ زندگی جن اصولوں اورقوانین پر تشکیل دیا گیا ہے وہ کسی انسان کے دریافت کردہ نہیں بلکہ خالقِ کائنات خدائے بزرگ وبرتر کی طرف سے نازل

شدہ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی انسان کے مسائل کے لئے بہترین حل مہیا کر سکتا ہے کیونکہ انسان خدا کی تخلیق ہے اور جس چیز کا جو خالق ہو وہی اس چیز کی ترقی اور نشو ونماء کے لئے بہترین راہیں ہموار کر سکتا ہے۔

اقبال نے غور و فکر اور تلاش و تحقیق سے دین اسلام کی صداقتوں کو پا لیا تھا اور یہی دینِ حق اقبال کے سارے کلام اور فکر کا منبع و سرچشمہ ہے۔ معروف ماہر اقبالیات خلیفہ عبدالحکیم اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

> ''حقیقت یہ ہے کہ تہذیبی کشمکش کے اس دور میں علامہ ایک ایسی تہذیبی روح کی بیداری کے متمنی تھے جو ''مشرق ومغرب'' کے گل زاروں کو کانٹوں کی خلش سے پاک کردے اور یہ صرف اور صرف مذہب کی حکمرانی سے ممکن تھا۔ مشرق خصوصاً اسلام نے انسان کو انسان کی غلامی ہی سے نہیں فرد کو انفرادی نفسی بندگی سے بھی نجات دلا کر فطرت اور مظاہر فطرت اس کے تصرف میں دے دیئے تھے۔'' [۹ے]

اقبال کو مغربی تہذیب کے ہر شعبے سے شکایت ہے کیونکہ وہاں کا ہر شعبہ اسی

مرضِ مادیت اور عقلیت کے جراثیم سے متاثر ہے۔ جس کے سبب مغربی تہذیب کا پورا وجود روز بروز کمزور ہورہا ہے۔ انہیں مغرب کی روحانی علالتوں اور اس تہذیب میں اخلاقی عنصر کی کمی دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے اور یہ دیکھ کر رنج میں ڈوب جاتے ہیں کہ مشرق بھی مغرب کے امراض سے متاثر ہورہا ہے، کیونکہ ہم اقبال کو مغرب کی مادہ پرستی اور روحانیت سے بیگانگی پر پیچ وتاب کھاتے ہوئے ہمیشہ دیکھتے ہیں ؎

اسی کش مکش میں گزری مری زندگی کی راتیں

کبھی سوز وسازِ رومی کبھی پیچ وتاب رازی

اقبال نے مغربی تصورِ قومیت کو ایک ''روحانی بیماری'' قرار دیتے ہوئے عمر بھر جہاد کیا ان کی نظر میں سب سے مضبوط رشتہ کلمۂ توحید ہے۔ یہی اُن کے تصورِ ملّت کی اساس ہے:۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اقبال نے مسلسل مغربی تہذیب کے خلاف جہاد کیا ہے۔ اُن کے دل میں روز بروز بے قراری اور بے چینی کے طوفان پیدا ہوتے ہیں اور یہ طوفان کچھ تو اشکوں اور کچھ نالوں کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہی نالے 'بالِ جبریل'، 'ضرب

کلیم، پیامِ مشرق، اور جاوید نامہ وغیرہ میں ایک چشمے کی صورت میں پھوٹ پڑتے ہیں اور سب کو متاثر کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اقبال کی فکر میں مشرق اور مغرب کی کشمکش دیکھنے کو ملتی ہے اور اُن میں یہ کشمکش مرتے دم تک جاری رہتی ہے ؎

وقت فرصت ہے کہاں ، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ اقبال ٗ کلیاتِ اقبال ٗ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۶۱

۲۔ پروفیسر انور رومان ’’اقبال اور مغربی استعمار‘‘ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۵

۳۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد

۴۔ ڈاکٹر جاوید اقبال ’’زندہ رود‘‘ علمی اکیڈیمی دہلی سنہ ۲۰۱۳ ص ۸۵

۵۔ پروفیسر انور رومان ’’اقبال اور مغربی استعمار‘‘ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۶

۶۔ پروفیسر انور رومان ’’اقبال اور مغربی استعمار‘‘ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۶

۷۔ پروفیسر انور رومان ’’اقبال اور مغربی استعمار‘‘ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۲۶

۸۔ سید عبدالواحد معینی ’’باقیات اقبال‘‘ آئینہ ادب چوک مینار، انارکلی، لاہور سنہ ۱۹۷۸ ص ۴۲

۹۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۷۰

۱۰۔ پروفیسر انور رومان ’’اقبال اور مغربی استعمار‘‘ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۳۱

۱۱۔ سید عبدالواحد معینی ’’باقیات اقبال‘‘ آئینہ ادب چوک مینار، انارکلی، لاہور سنہ ۱۹۷۸ ص ۱۰۵

۱۲۔ پروفیسر انور رومان ’’اقبال اور مغربی استعمار‘‘ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۳۲

۱۳۔ ڈاکٹر محمد معزالدین ’’علامہ اقبال ممتاز حسن کی نظر میں‘‘ اقبال اکیڈمی پاکستان میکلوروڈ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۵

۱۴۔ پروفیسر انور رومان ''اقبال اور مغربی استعمار'' بزمِ اقبال لاہور ۱۹۹۶ء ص ۳۲

۱۵۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۳۳

۱۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ''حیات اقبال کا سبق'' مشمولہ جوہر اقبال نمبر مکتبہ جامع دہلی طبع دوم ۱۹۴۰ء ص ۲۵۔۲۶

۱۷۔ ممتاز حسن ''اقبال کی شاعری پر قیامِ یورپ کا اثر'' مشمولہ ''اقبال معاصرین کی نظر میں'' مرتب سید وقار عظیم ناشر ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ ۱۹۸۲ء ص ۹۰

۱۸۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۱۷

۱۹۔ سید مشتاق علی ریوانی ''قرآن اور ماضی حال و مستقبل'' مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۴ء ص ۱۱۰

۲۰۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۹۰

۲۱۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۴۸

۲۲۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۲۸

۲۳۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد، ص ۲۸۲

۲۴۔ رفیع الدین ہاشمی ''اقبالیات تفہیم و تجزیہ'' اقبال اکیڈمی پاکستان ص ۱۴۳

۲۵۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ''اقبال اور سیاسیات'' مشمولہ ''اقبال معاصرین کی نظر میں'' ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ ۱۹۸۲ء ص ۹۵

۲۶۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۲۳

۲۷۔ سید عبدالواحد معینی ’’نقشِ اقبال‘‘ آئینہءادب، چوک مینار، انارکلی روڑ ص ۳۱

۲۸۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۵۰۱

۲۹۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۳۸۔۴۳۹

۳۰۔ جاوید اقبال ’’زندہ رود‘‘ جلد دوم اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور ص ۱۷۲

۳۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ’’نقوشِ اقبال‘‘ مترجم مولوی شمس تبریز مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سنہ ۱۹۸۵ء ص ۶۲

۳۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ’’نقوشِ اقبال‘‘ مترجم مولوی شمس تبریز مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو سنہ ۱۹۸۵ء ص ۵۵

۳۳۔ خلیفہ عبدالحکیم ’’فکر اقبال‘‘ ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ سنہ ۱۹۷۰ء ص ۸۷

۳۴۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۶۸

۳۵۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۸۷

۳۶۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ۴۴۳

۳۷۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۵۱۔۳۵۲

۳۸۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۱۸۳

۳۹۔ اقبالؔ ’’کلیاتِ اقبال‘‘ (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۱۹

۴۰۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۵۱۵

۴۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی ''نقوش اقبال'' مترجم مولوی شمس تبریز مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو سنہ ۱۹۸۵ء ص ۲۷۔۲۸

۴۲۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۱۷

۴۳۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۶۳

۴۴۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۸۷

۴۵۔ یوسف سلیم چشتی ''ضربِ کلیم مع شرح'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس نئی دہلی سنہ ندارد ص ۳۹۸

۴۶۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۶۲

۴۷۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۸۰

۴۸۔ یوسف سلیم چشتی ''بالِ جبریل مع شرح'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس نئی دہلی ص ۶۵۶

۴۹۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۴۲

۵۰۔ اقبالؔ ''بکھرے خیالات'' مترجم ڈاکٹر عبدالحق ناشر بزمِ احباب دہلی سنہ ۱۹۷۵ء ص ۷۰۔۶۹

۵۱۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۴۴۹

۵۲۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۸۷

۵۳۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۵۰

۵۴۔ یوسف سلیم چشتی ''بالِ جبریل مع شرح'' اعتقاد پبلشنگ ہاوس نئی دہلی ص ۱۳۶

۵۵۔ اقبال ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' مترجم سید نذیر نیازی ناشر اسلامک بک سینٹر نئی دہلی سنہ ۱۹۸۶ء ص ۲۱۰
۵۶۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۳۷۵
۵۷۔ رفیع الدین ہاشمی ''اقبال تفہیم وتجزیہ'' اقبال اکیڈمی پاکستان ص ۶۴
۵۸۔ سید عبدالواحد معینی ''نقشِ اقبال'' آئینہء ادب، چوک مینار، انارکلی روڑ ص ۳۱
۵۹۔ اقبالؔ ''کلیاتِ اقبال'' (اُردو) ناشر ناز پبلشنگ ہاوس دہلی سنہ ندارد ص ۲۵۷
۶۰۔ اقبال ''Stray Reflection'' مترجم عبدالحق ''بکھرے خیالات'' بزمِ احباب دہلی ص ۴۳
۶۱۔ رفیع الدین ہاشمی ''اقبال تفہیم وتجزیہ'' اقبال اکیڈمی پاکستان ص ۶۵
۶۲۔ خلیفہ عبدالحکیم ''فکر اقبال'' ناشر ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ سنہ ۲۰۰۲ء ص ۱۴۸
۶۳۔ جگن ناتھ آزاد ''اقبال اور مغربی مفکرین'' مکتبہ جامع لمٹیڈ نئی دہلی ص ۴۱
۶۴۔ جگن ناتھ آزاد ''اقبال اور مغربی مفکرین'' مکتبہ جامع لمٹیڈ نئی دہلی ص ۶۹
۶۵۔ پروفیسر انور رومان ''اقبال اور مغربی استعمار'' بزمِ اقبال لاہور سنہ ۱۹۹۶ء ص ۳۶
۶۶۔ پروفیسر انور رومان ''اقبال اور مغربی استعمار'' بزمِ اقبال لاہور سنہ ۱۹۹۶ء ص ۳۲
۶۷۔ رفیع الدین ہاشمی ''اقبال تفہیم وتجزیہ'' اقبال اکیڈمی پاکستان ص ۶۴
۶۸۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ''اقبال معاصرین کی نظر میں'' ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ ۱۹۸۲ء ص ۹۵

۶۹۔ سید عبدالواحد معینی ''نقش اقبال'' آئینہ ادب، چوک مینار، انار کلی روڑ ص ۳۸
۷۰۔ پروفیسر آل احمد سرور ''اقبال اور مغرب'' مشمول ''اقبال'' صد سالہ جشن ولادت ۱۹۷۷ء ص ۹
۷۱۔ مولانا محمد تقی امینی صاحب ''تہذیب کی جدید تشکیل'' ندوۃ المصنفین اُردو بازار سنہ ۱۹۴۷ء
۷۲۔ پروفیسر غلام رسول ملک ''اقبال اور ورڈس ورتھ'' مشمول ''اقبال اور مغرب'' مرتب آل احمد سرور اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر ۱۹۹۷ء ص ۱۱۴
۷۳۔ اقبال ''تشکیل جدید الہیات اسلامیہ'' مترجم سید نذیر نیازی ناشر اسلامک بک سینٹر نئی دہلی سنہ ۱۹۸۶ء ص ۲۹۱
۷۴۔ سید عبدالواحد معینی ''نقش اقبال'' آئینہ ادب، چوک مینار، انار کلی روڑ ص ۲۶
۷۵۔ خلیفہ عبدالحکیم ''فکر اقبال'' ناشر ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ سنہ ۲۰۰۲ء ص ۱۲۵
۷۶۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ''اقبال معاصرین کی نظر میں'' ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ ۱۹۸۲ء ص ۹۹
۷۷۔ پروفیسر انور رومان ''اقبال اور مغربی استعمار'' بزم اقبال لاہور سنہ ۱۹۹۶ء ص ۸
۷۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ''اقبال اور پاکستان'' کنول آرٹ پریس لاہور ۱۹۷۰ ص ۸۷
۷۹۔ خلیفہ عبدالحکیم ''فکر اقبال'' ناشر ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ سنہ ۲۰۰۲ء ص ۲۰۳

باب پنجم
خلاصۂ بحث

تہذیب وتمدن جسے انگریزی میں Civilization اور کلچر Culture کہتے ہیں اپنے اندر وسیع معنی رکھتے ہیں یہ انسان کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہا اور ترقی کرتا رہا۔اس کے متعلق ماہرین کے یہاں مختلف تشریحات وتعبیرات نظر آتی ہیں،غرض ہر طبقۂ فکر نے تہذیب وتمدن کو اپنی اپنی ضروریات کے مطابق نئ نئ تعبیرات وتشریحات کی ہیں اسلئے تہذیب کے اصطلاحی معنی میں اہل علم کے یہاں چند اختلافات بھی پائے جاتے ہیں ۔کسی نے ایک طرح کی وضاحت کی تو کسی نے دوسری طرح کی لیکن ہر ایک کی وضاحت تہذیبِ انسان کے متعلق ہی ہے کیونکہ تہذیب اور انسان ایک دوسرے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے ہیں۔

تہذیب کے ارتقاء کے متعلق مشرق ومغرب کے تصورات بھی آپس میں بہت مختلف ہیں۔مغربی مفکرین کے مطابق انسان کو آخری مراحل میں تہذیب سے آشنائی ہوئی ، پہلے وہ بندر پھر جنگلی وحشی انسان تھا پھر دھیرے دھیرے تہذیب کی روشنی اس نے حاصل کی۔جبکہ اسلام کے مطابق ابتداء سے ہی انسان تہذیب سے ہمکنار تھا اور اس کے بعد نبی آخرالزمان حضرت محمدﷺ کے دور میں اپنی مکمل شکل میں سامنے آیا۔ ماہرین علم الاقوام نے بھی مغربی تصوّر کی تردید کی ہے۔

تہذیب انسان کے ارتقاء کے ساتھ رہی ہے اس کے ذریعہ کسی ایک دور کسی ایک ملک اور کسی ایک خطہ کے انسانی گرہوں کی شناخت کی جاتی ہے ۔جیسے سمیری تہذیب،مصری تہذیب حتی اور فونیقی تہذیب، یونانی تہذیب،عیلامی تہذیب رومی تمدن، وادیٔ سندھ کی تہذیب ،عرب تمدن ،آریائی تہذیب ، بودھ تہذیب، اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب وغیرہ۔

سمیری تہذیب :۔سمیری تہذیب بڑی اہمیت کی حامل تہذیب ہے۔سمیری تہذیب ، بابل ونینوائی تہذیب ،موہن جوداڑ و وغیرہ شہروں سے ہی تعلق رکھنے والی تہذیبیں ہیں اُن کے نشان باقیہ شہروں کا ہی منظرنامہ پیش کرتے ہیں۔

عراق کا ایک مشہور شہر جس کے آس پاس کسی بستی سے حضرت ابراھیمؑ کا تعلق رہا ہے شہر اُر کہلاتا ہے نیز حضرت نوحؑ اور حضرت لوط کا تعلق بھی اسی سرزمین سے تھا۔ اِن انبیاؑء سے وابستہ بہت سی روایتیں ہیں جن سے اُن تہذیبوں کے خدوخال نظر آتے ہیں۔

قدیم قوموں میں بُت پرستی ،آتش پرستی،انسانوں کی قربانی وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے لیکن حضرت ابراھیمؑ اُن کے پاس ایک نئ فکر لے کر آئے جس کی وجہ سے انہوں نے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف رجوع کیا۔

سمیری تہذیب سے تعلق رکھنے والے لوگ بہت ہی ذہین اور ہنرمند تھے۔

انھوں نے بستیاں آباد کیں، کاشتکاری کی، وہ لوگ خود کے لئے بھی کماتے اور دوسرے ملکوں کو بھی خوراک برآمد کرتے تھے چنانچہ دنیا کی پہلی نہر سمیریوں نے ہی کھودی تھی نیز انھوں نے رہنے کے لئے اچھے مکانات تعمیر کئے۔ اُن کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فنِ تحریر ایجاد کیا۔

سمیری تہذیب ایک ایسی تہذیب ہے جنھوں نے نہ صرف اپنے آپ کو تمدنی اعتبار سے سیراب کیا بلکہ اِردگرد کی تہذیبوں پر بھی اُن کا بڑا اثر رہا ہے۔

مصری تہذیب :۔ مصری تہذیب ایک عظیم تہذیب کی داستان سناتی ہے اُس تہذیب کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کے وہ مقبرے ہیں جو اہراموں کی صورت میں اب بھی اپنی آن وبان کے ساتھ باقی ہیں اس تہذیب کی نمایاں خصوصیت علم ہندسہ (جومیٹری) طبِ اور مصوّری ہے اور سب سے بڑھ کر فنِ تعمیر و مجسمہ سازی میں جو کمال انھوں نے حاصل کیا ہے وہ قدیم دنیا میں عدیم المثال تھا اور علمِ طب میں تو جواب پیدا کرنا آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی ایک چیلنج بن کر رہ گیا ہے۔

مصری تہذیب اپنے عظیم نشانِ باقیہ کے ساتھ ساتھ ظلم و جبر کی داستان بھی سنا رہی ہے ۔ کیونکہ وہاں کی حکومت دوسری تہذیبوں سے الگ تھی اُن کا سارا ملک صرف ایک دیوتا کی ملکیت قرار پایا تھا جو اس ملک کا انسانی حاکم فرعون تھا۔ پورے ملک کا مالک، دیوتا ہونے کا ناطے نہ صرف اُن کی تمام زمین، معدنیات، وسائل

آمدنی، دستکاریاں اور اس کے ذرائع فرعون کی ملکیت تھے بلکہ وہاں کے تمام باشندے بھی اس کے غلام تھے۔

حِتی اور فونیقی تہذیب:۔حِتی تہذیب ایک آریائی تہذیب تھی انھوں نے بابل پر اپنا قبضہ جما کر خود حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی، اُن کا ایک اہم کارنامہ قانون سازی کے میدان میں معلوم ہوتا ہے۔

اس تہذیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے مغربی ایشیاء میں سب سے پہلے گھوڑے والے جنگی رتھوں کا استعمال کیا۔اس سے پہلے میدانِ جنگ میں سپاہی ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔

اس تہذیب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ علاقہ پہاڑی سلسلوں پر مبنی تھا،اسلئے دھات اور معدنیات پر اُن کی پوری اجارہ داری تھی۔مورخین کے مطابق اس علاقے سے قدیم متمدن قوموں کے لئے خام تانبہ فراہم کیا جاتا تھا۔

فیونیشا وادیٔ فلسطین کی ایک بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ پیغمبرانہ رشدوھدایت کا سلسلہ صدہا سال تک اِسی ارضِ مقدس سے وابستہ رہا ہے حضرت ابراھیمؑ ،حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ ،حضرت داوودؑ ،حضرت سلیمانؑ ،حضرت موسیٰؑ ،حضرت ایوبؑ ،کا تعلق اسی سرزمین سے رہا ہے اور ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمدﷺ بھی تجارت کے سلسلے میں تجارتی قافلوں کے ہمراہ فلسطین کے شہر کنعان تشریف لے جاتے تھے۔اور مسلمانوں کا قبلہ

اول (بیت المقدس) بھی اسی خطہ میں ہے۔

فونیقا کا سب سے اہم خطہ یہی وسطی فونیقا تھا۔ یہ کنعان کا سب سے شاداب اور سرسبز علاقہ بہت سی خصوصیات کا حامل رہا ہے ۔اس تہذیب کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تحریر کے فن کو عروج تک پہنچایا۔

یونانی تہذیب :۔قدیم یونانی، تہذیب وتمدن سے ناآشنا تھے انھوں نے جزیرۂ کریٹ کے لوگوں کے ساتھ تجارت کے تعلقات بڑھا کر دھیرے دھیرے اُن پر قبضہ کر کے خود ہی اُن پر حکومت شروع کی۔لیکن اللہ کا کرنا تھا کہ جیسا انھوں نے اُن لوگوں کے ساتھ کیا اس سے بدتر سلوک اُن کے ساتھ کیا گیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر کام کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے، شمال مغرب کے یونانی قبائل جو بہت ہی خطرناک اور تہذیب سے نابلد تھے انھوں نے اس تہذیب کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ لوگ ڈورین کے نام سے جانے جاتے تھے اور پھر کئی صدیوں کے بعد یونانی قوم میں ترقی کے آثار ظاہر ہونے لگے ۔اس دوران وہ اپنا ایک مشترکہ تمدن اور یونانی تہذیب کے بعض خصوصیات قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اب دوسرے میدانوں میں بھی ترقی شروع کی تھی جس میں فنون، نقش ونگار، کھیلوں میں شرکت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یونان میں قبائلی حملوں کی وجہ سے ایک بڑی آبادی نوآبادیات میں پھیل گئی

تھی اِن کو اپنے انتشار کے باوجود قومی وحدت کا بڑا احساس تھا۔ یونانی نوآبادیات میں ترقی پانے کی ایک مثال اُن کی منفرد دین سائنس وفلسفہ سے دی جاسکتی ہے اس کے اثرات دوسری تہذیبوں پر بھی پڑے اور دوسری تہذیبوں نے یہ اثرات قبول بھی کئے۔ یہ اثرات یورپی اقوام میں منتقل ہو کر اُن کی ترقی کا باعث بھی بنے اور پھر جدید مغربی تہذیب کی امتیازی خصوصیت قرار دی جاتی ہیں۔

عیلامی تہذیب :۔ ایران کے قدیم کلچر کے لئے عیلامی تہذیب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ یہ تہذیب و تاریخ ایک مدّت پر پھیلی ہوئی ہے اور صدیوں کے سفر سے عبارت ہے اس تہذیب نے اپنے اِرد گرد کی تہذیبوں سے بہت کچھ سیکھا اور انھیں بھی بہت کچھ سکھایا کیونکہ یہ لوگ آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ہندوستان پر بھی اپنا قبضہ جمالیا تھا اور یہاں کے باشندوں کو غلام بنالیا اصل میں یہ لوگ سنٹرل ایشاء سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے جو ایران میں جابسے تھے۔ انھوں نے ایران، یونان، روم، ہندوستان اور مغربی یورپ میں رہتے ہوئے بڑی بڑی تہذیبوں کو جنم دیا۔

قدیم ایران کے فلسفے کو دنیا کے بڑے اور بنیادی فلسفوں میں گِنا جاتا ہے یہ ثنویت کا فلسفہ ہے جس میں نیکی و بدی، خیر وشر، نور اور ظلمت، رات اور دن کو دو برابر حقیقتیں مانا گیا ہے۔ نیکی کی الوہی قوت کو وہ یزداں اور بدی کو وہ اہرمن کی شکل میں

تسلیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ آگ کے پرستار تھے۔آگ، روشنی،حرارت،حرکت اُن کے یہاں بلندی کی ایک علامت تصوّر کی جاتی تھی۔آتش،شراب ساقی اورگل ایرانی ادب میں صدیوں سے اپنا رول نبھاتا ہوانظرآتا ہے۔

ایرانی تہذیب میں بہت سے عظیم بادشاہوں کی تفصیل ملتی ہے جنھوں نے اپنے اپنے دور میں لوہا منوایا ہے جیسے کیقباد،کیخرو،کاوا،فریدوں، خسروپرویز نوشیرواں وغیرہ۔اوراُن سے وابستہ بہت سی باتیں آج بھی یاد کی جاتی ہیں۔

ایرانی تہذیب میں موسم بہار کو بڑی اہمیت حاصل تھی، نیزعلم وادب،فن موسیقی،مصّوری کے ساتھ بھی اس تہذیب کی بڑی وابستگی رہی ہے جس کے اثرات آج بھی ہم پر برابر ہیں۔رستم سہراب،شیرین،فرہادوغیرہ کے قصّوں سے بھی ایرانی اوراُردوادب بھراپڑا ہے۔

گھر میں پرویز کے شریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

رومی تہذیب :۔رومی تہذیب ورومی سلطنت قدیم اقوام کا ایک بارفعت کارنامہ تھا،جس دِور میں یہ سلطنت اپنے عروج پرتھی تو اُس میں امن وخوشحالی،نظم وضبط صنعت وحرفت، مذہب،فلسفہ،فنونِ لطیفہ،ادب، تجارت وکاشتکاری پورے عروج پرتھی لیکن دھیرے دھیرے وقت نے کروٹ بدلی اوراُن میں ایسے خرافات

پیدا ہوئے جن کے سبب آج تک بہت سی تہذیبیں مٹ گئی ہیں۔

غرض اس تہذیب میں ایسا دور بھی آ گیا کہ ہر طرف سے عریانی، شہوت، بے حیائی اور بے شرمی کا بازار گرم ہو گیا اور بدامنی و بے چینی پھیل گئی جس کے سبب یہ تہذیب زوال کی شکار ہو گئی۔صدیاں گذر جانے کے بعد پھر سے رومی تہذیب وجود میں آئی۔اورانھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ جن وحشی اقوام پر انھوں نے قبضہ جما لیا انھوں نے اُن کو تہذیب سے آشنا کیا۔نیز رومی سلطنت و تمدن کی سب سے منفرد دین قانون سازی کے میدان میں قرار دی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ رومی سلطنت کی یادگار وہ فنِ تعمیر کے نمونے ہیں جن کی ایک بڑی تعداد روم اوراس کے اِردگر کے علاقوں میں اب بھی باقی ہے۔

وادیٔ سندھ کی تھذیب:۔ وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب کو عام طور پر موہن جوداڑو اور ہڑپہ کی تہذیب کہتے ہیں یہ تہذیب تقریباً ہزار سال تک زندہ رہی، اس کو دنیا کی بڑی قدیم تہذیبوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

وادیٔ سندھ میں بیشتر لوگ کھیتی باڑی کر کے مختلف قسم کی کاشت کر کے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔کپاس اُن کا قیمتی دھن تھا جسے وہ بیچ کر ''زرمبادلہ'' کماتے تھے یہ لوگ تحریر کے فن سے بھی واقفیت رکھتے تھے زیورات بنانے اور برتنوں پر نقش ونگار بنانے میں بھی کافی صلاحیت رکھتے تھے۔یہ لوگ نقل وحرکت کی وجہ سے کاروباری اور

محنتی تھے۔ شرافت اُن کا بنیادی وصف تھا نیز یہ لوگ بہت ہی امن پسند تھے اس لئے بیشک اُن کو تہذیب یافتہ تہذیبوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

وادیٔ سندھ کے دونوں شہروں کو باقاعدہ ترتیب سے بنایا گیا تھا ہر طرف پکّی ہی پکّی عمارتیں اور سڑکیں بنی تھیں ہر گلی میں کوڑہ دان لگے تھے، جس سے اُن کی صفائی ستھرائی کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ عمارتیں بھی بالکل ترتیب سے الگ الگ بنائی گئی تھیں اور ہر گھر میں نہانے کا معقول انتظام کیا گیا تھا اور صحت وصفائی کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔

وادیٔ سندھ کا پورا معاشرہ مختلف قسم کی برادریوں میں تقسیم ہوا تھا اور ہر ایک اپنے کام میں مصروف تھا لیکن لکھنے پڑھنے کا رواج اونچے طبقے تک ہی محدود تھا۔

وادیٔ سندھ کے لوگ برج شناسی کے فن سے بھی واقفیت رکھتے تھے اُن کے یہاں اوزان اور پیمائش کا بھی رواج تھا۔ اس تہذیب کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ ہر طرف ہر چیز میں یکسانیت پائی گئی۔ ایک طویل عرصے کے دوران روزمرہ کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں پائی گئی۔

اس تہذیب میں عورت کا مرتبہ مرد سے برتر تھا اُن کے نزدیک عورت کی ذات تخلیق کا اصل سرچشمہ تھا اِسی لئے اُن کے یہاں مادری نظام رائج تھا۔ آخر آریوں کے تسلط نے ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔

آریائی تہذیب :۔آریوں کی آمد کی وجہ سے وادئ سندھ میں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا۔اور ہرطرف سے تبدیلیاں رونما ہوئیں ۔ اِن کی آمد وادئ سندھ میں دو ہزار ق۔م میں شروع ہوئی اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ یہ لوگ مقامی باشندوں کو زیر کر کے اُن کی زمینوں اور دوسری چیزوں پر قبضہ کر کے اُن کو اپنا غلام بنا لیتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ لوگ پورے ملک میں چھا گئے۔

آریہ تہذیب میں ہتھیاروں کی بڑی اہمیت تھی ۔ یہ اُن کی طاقت کا اہم جُز تھا۔تلوار، نیزہ ، تیر کمان، تبر، گرُز اُن کے خاص ہتھیار تھے۔ یہ لوگ بڑے لڑاکو تھےاور رتھوں میں سوار ہو کر لڑتے تھے۔

آریوں کی تہذیب ایک قبیلہ واری تہذیب تھی مگر وادئ سندھ کے برعکس قبیلہ اور خاندانوں کے سربراہ مرد ہوتے تھے۔ان میں ذات پات کا کوئی فرق نہیں تھا،لیکن معاشرہ تین طبقوں میں تقسیم ہوا تھا چھتری ، برہمن اور ویش، چھتری قبیلے سرداری کرتے تھے برہمن مذہبی رسوم ادا کرتے تھے اور ویش معاشرے کے دوسرے پیشوں کے ساتھ وابستہ تھے۔ یہ تینوں طبقے اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے غرور اور تکبر اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اس کے برعکس غیر آریہ یعنی ہند کے اصل باشندے داس یعنی غلام کہلاتے تھے اور یہ طبقہ بعد میں نچلہ طبقہ شودر کہلانے لگا۔

آریہ چونکہ خانہ بدوشی کی زندگی گذارتے تھے جس کی وجہ سے اُن میں

مورتیوں کی پوجا کا رواج نہ تھا اور نہ ہی انھوں نے مستقل عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں البتہ اُن کی تہذیب میں مظاہر قدرت کو دیوتاوں کا مرتبہ حاصل تھا جن کے لئے وہ بجھن بھی گاتے اور قربانی بھی کرتے تھے اُن کے سب سے بڑے دیوتا وَرُنا، اگنی، وایُو اور مترا تھے رگ ویدا ُن کی مذہبی کتاب تھی۔

آریہ تہذیب میں مادرِارض کی پوجا نہیں کی جاتی تھی کیونکہ اُن کے یہاں عورت کا مقام پست تھا برتری مردوں کو ہی حاصل تھی۔ دھیرے دھیرے آریوں نے اپنے دیوتاوں کو بُھلا دیا اور پاروتی، اما دُرگا اور دوسری دیویوں کی پوجا کرنے لگے جن کی پوجا وادیٔ سندھ کے مقامی باشندے کرتے تھے کیونکہ افزائش نسل وفصل کے جادو سے صرف دھرتی ماتا (شکتی) واقف تھی اسی عقیدے نے اُن کو دیویوں کی پوجا کرنے پر مجبور کیا۔ مقامی باشندوں کے نزدیک شکتی اور پروش دونوں باقاعدہ شخصیتیں تھیں جن کے بُت قدیم ہند میں موجود تھے ان کو اپنانے کے بعد آریوں کو بھی اِن بتوں کی پوجا کرنی پڑی۔ اس طرح آریوں کو بہت ساری چیزیں مقامی باشندوں سے سیکھنی پڑیں۔ نیز آریوں کو تجارت کرنے کی بھی کوئی واقفیت حاصل نہیں تھی اسلئے مقامی باشندے ہی بدستور یہ کام انجام دیتے تھے۔

آریوں کے کئی محبوب مشغلے تھے جیسے شکار کرنا، گھوڑسواری، گھوڑ دوڑ، رتھ دوڑ، ناچ گانا اور جوا کھیلنا۔

آریوں نے ہند کے اصل باشندوں کو غلام بنا کر ہزاروں سال تک حکومت کی اور مقامی باشندے بھی اُن کے آگے سرخم کر دیتے تھے کیونکہ آریہ اُن کے کمزور طبقہ یعنی بوڑھے، بچوں اور عورتوں کو اپنا شکار بناتے تھے۔

بودھ تھذیب :۔ بدھ مت کے پیروکار آریہ نہیں تھے اُن کا بانی گوتم بدھ ایک چھوٹی سی ریاست کا راجکمار تھا۔ راج محل کی زندگی اسے راس نہ آئی اور وہ سب کو چھوڑ کر اُپ نشد ھ کا درس لینے لگا اس سے اس کے من کو شانتی نہ ملی تو اس نے تپسیا شروع کی کہ شاید روح کو سکون ملے لیکن جب اس سے بھی سکون میسر نہ ہوا تو اُدھر اِدھر مارا مارا پھرنے لگا۔ ایک دن گیان دھیان کرنے بیٹھ گیا کہ محویت کے عالم میں معرفت حاصل کی۔ پھر بنارس میں پہلی بار اُن کا وعظ ہوا۔ اس کے بعد وہ راج محل گیا اور بہت سے درباریوں نے بدھ مت کو قبول کر لیا۔ دھیرے دھیرے بہت سارے لوگوں نے بدھ مت کو قبول کیا۔

بدھ مت کو قبول کرنے والے زیادہ تر نیچ ذات کے لوگ تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے سرحدی ریاستوں کے راجاوں نے بھی بدھ مت کو قبول کیا اور پھر اشوک بھی بدھ مت کا پیروکار بن گیا جس سے بدھ مت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

بدھ مت کے پھیلاؤ کے کئی وجوہات تھے پہلی بات یہ کہ ویدک رسوم وعقائد کے ساتھ گوتم بدھ کو بڑی نفرت تھی کیونکہ یہ ایک مہنگا مذہب تھا اور پیدائش سے لے کر

مرنے تک بے شمار رسوم کو ادا کرنا پڑتا تھا اوپر سے برہمن نچلے جاتی والوں کو ہر رسم ورواج میں خدمت پر لگا دیتے تھے اس کے برعکس بدھ مت کے بھکشو سنگ میں کوئی بھی مفت میں شامل ہو سکتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ پڑھنے لکھنے کا رواج برہمن طبقہ تک ہی محدود تھا اور سنسکرت زبان کے اشلوک تک عوام کی کوئی رسائی نہیں تھی صرف برہمن اُن کو پڑھ سکتے تھے نچلے درجے کے لوگوں کو اُن اشلوکوں کو سننے کی بھی اجازت نہیں تھی اس کے برعکس گوتم بدھ اور اُس کے پیروکار پالی زبان میں جو اس وقت کی عوامی زبان تھی پر چار کرتے تھے۔

تیسری بات یہ کہ چھتری راجاوں اور اُن کے پروہتوں کو یہ اختیار تھا کہ وہ نچلی جاتی کے لوگوں سے مفت میں مویشی اُٹھا کے لے جاتے تھے اور ان سے ہی قربانی کرواتے تھے اسلئے ویشوں میں بدھ مت کی قبولیت کا یہ بھی سبب بنا کہ نیا مذہب قبول کرنے سے مویشوں کی قربانی سے نجات مل جائے گی۔

چوتھی اہم بات یہ کہ ویدک روایت میں جنسی بے راہ روی بھی عام تھی جس سے نجات پانے کے لئے بدھ مت کے پیروکاروں میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔

گوتم بدھ کے نزدیک بھگوان، برہما، دیوی اور دیوتا کا کوئی وجود نہیں تھا اس کے نزدیک دنیا میں صرف دُکھ ہی دُکھ ہے اور اس دُکھ کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہوس کا

غلام ہو گیا ہے۔ اس کے نزدیک دُکھ سے نجات پانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان ہوس پر قابو پالے۔

بدھ مت کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ درمیانی راستہ اختیار کرے۔ اوراس راستے پر چلنے کی اُن کے یہاں آٹھ شرطیں ہیں مناسب خیالات، مناسب کسب، مناسب جہد، مناسب حافظہ اور مناسب دھیان، سچ بولنا، چوری نہ کرنا، دوسروں کے مال میں خیانت نہ کرنا اور نہ دوسروں کی دولت پر قبضہ کرنا، پرائی بیٹیوں پر بدنظر نہ ڈالنا اور نہ اُن سے ناجائز رشتہ رکھنا اور جیو ہتیا سے بچنا۔

بدھ مت میں بہت سی اچھی باتیں نظر آتی ہیں یہ مذہب بھی ایک ہی کی پوجا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور مورتی پوجا سے منع کرتا ہے۔

گوتم بدھ نے ہندوستانیوں کو بت پرستی ترک کرنے کا درس دیا تھا جس کی وجہ سے اُن لوگوں نے گوتم بدھ کو اس قدر ستایا کہ بدھ مت کے بچے کچے پیرو کار تنگ آ کر چین اور جاپان چلے گئے جس کی وجہ سے اس کا زیادہ پھیلاؤ چین اور جاپان میں ہی ہوا۔ اس کی عکاسی کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

دیارِ ہند نے جس دم صدا نہ سنی
بسا یا خطّہ جاپان و ملک چین میں نے

عرب تمدن :۔ قدیم عربوں کی زندگی کا ایک بڑا مقصد چراگاہوں کی تلاش

قرار دی جاتی تھی نخلستان اُن کے لئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ کھجوروں کے علاوہ کوئی اور باغ شجر زاروں میں نظر نہیں آتا تھا۔ مویشوں کا گوشت، دودھ، پنیر اور کھجور اُن کی خاص غذا تھی شہہ سواری اور شمشیر زنی اُن کے خاص مشغلے تھے۔ شجاعت اور مہمان نوازی اُن میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

عرب میں مختلف قسم کے عقائد رکھنے والے لوگ آباد تھے اوّل مشرکین دوم کفار، سوم یہودی، چہارم نصاریٰ اور پانچواں گروہ وہ تھا جسے اہل مکہّ حنیف کہتے تھے چونکہ عرب میں مشرکین بتوں کی پوجا کرتے اس لئے خانہ کعبہ میں ۳۶۵ بُت رکھے گئے تھے اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی بتوں کو رکھا گیا تھا۔ قریش کا ایک بڑا بُت ھُبل تھا جو چاہِ زم زم کے قریب رکھا گیا تھا اُن کے اور ایک بُت کا نام اللہ تھا۔ قریش نے اللہ کی پرستش بطورِ معبودِ اعلیٰ شروع کر کے وحدانیت کے لئے راہ ہموار کی۔ اِسے اہل مکہّ دھرتی کے آقا کی صورت میں دیکھتے تھے۔

عرب کے بعض علاقوں میں یہودی قبائل بھی آباد تھے جو آگ کو مقدس سمجھتے تھے اور دوسری قوموں کی طرح یہ لوگ بھی بے شمار دیوتاوں کی پرستش کرتے تھے اور ان پر دوسری قوموں کے بے شمار اثرات بھی تھے کیونکہ یہ لوگ کئی ملکوں میں بہ سبب تجارت جایا کرتے تھے۔

عربوں کا معاشرہ مردانہ معاشرہ تھا لیکن وہاں تین بڑے بُت لات، منات، عُزیٰ

نسوانی کردار یعنی دیویاں تھیں۔ مشرکین کے عقیدے کے مطابق یہ اللہ کی بیٹیاں تھیں۔

عربوں کو ادب کے ساتھ بھی بڑی دلچسپی تھی اس دلچسپی کے باعث بہت سارے شعراء لوہا منوانے کے لئے میدان میں آچکے تھے اور قدیم صنفِ سخن قصیدے کا تعلق بھی عرب ہی سے تھا جو فوت کی شکار ہوگئی ہے لیکن اس کا ماضی عرب میں بڑا شاندار رہا ہے۔ اس دور میں شعراء اپنے پسندیدہ اشعار کو خانۂ کعبہ کے دروازے پر آویزاں رکھتے تھے ''سبعہ معلقہ'' اس کی ایک اہم مثال ہے۔

عربوں میں بہت ساری بُرائیاں بھی اپنے قدم جما چکی تھیں جیسے عربوں میں جُوا کھیلنے کا کافی رواج تھا، عورتوں کو حقیر سمجھا جاتا تھا، لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا غرض صحیح اور غلط میں کوئی تمیز نہیں تھی پورا معاشرہ اندھیرے میں گھُپ تھا۔

آخر کار خدا کی رحمت جوش میں آئی اور ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ سب کے لئے رحمت بن کر آئے اور ساری تاریکی ختم ہوگئی ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ یہ ایک ایسی انقلابی تبدیلی واقع ہوئی جس نے عرب ہی کی نہیں بلکہ پوری کائنات کا رُخ بدل ڈالا۔

؎ عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اسلامی تہذیب:۔

اسلام ایک مکمل دین ہے یہ دین رب العالمین کی طرف سے آیا ہے اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے آخری سال میں اس کے مکمل کئے جانے کا اعلان بھی ہو چکا ہے یہ دین مکمل نظامِ حیات پیش کرتا ہے اور دنیا بھر کے لئے پیامِ امن کا داعی ہے اس میں دونوں جہاں کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ دنیا کا کوئی بھی دین قدیم ہو یا جدید اس مقام تک نہیں پہنچا ہے۔

محمد ﷺ کا پیغام ایک عالمگیر پیغام ہے یہ اللہ تعالیٰ کا پہلا اور آخری پیغام ہے اسلئے یہ پیغام سب کے لئے ہے جس طرح ہمارا رب پوری کائنات کا مالک ہے اسی طرح محمد ﷺ رحمتً للعالمین ہیں آپ ﷺ کی حیاتِ طیبّہ پوری کائنات کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر تمام مخلوق میں محترم بنایا اور اسے زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ بھی دکھایا ہے جس پر چل کر وہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے اسی سیدھے راستے کا نام اسلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے برتر اور افضل دین بتایا ہے انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کو اسلام نے قرآن وسنت کے ذریعے واضح نہ کیا ہو۔ تمدن، معاشرت، اقتصادیات کی عمارت کو بہت ہی خوبصورتی اور توازن کے ساتھ اسلام نے تعمیر کیا ہے اسلئے ایک

مسلمان پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ **کلمہ لا اِلٰہ َ اِلاَّ اللّٰہ محمد**ﷺ پر مکمل ایمان لائے کیونکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد اِسی کلمہ پر ہے۔

اسلامی تہذیب عقائد وعبادات ،احکامات اور معاملات پر مشتمل ہے اور یہی وہ تین پہلو ہیں جو انسانی زندگی پر محیط ہیں ۔عقائد کی بنیاد پر یہ طے ہوتا ہے کہ کنِ باتوں پر آدمی دینِ اسلام کے دایئرے میں داخل ہوتا ہے اور کن باتوں کو نہ ماننے سے خارج ہوتا ہے اس لئے دین اسلام میں عقائد کو بنیادی اور اولین حیثیت حاصل ہے عقائد کی صحیح نوعیت اور ان کی تفصیل سے واقف ہونا ضروری ہے عقائد اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے دینی پیغام لانے والے یعنی حضرت محمدﷺ اور اُن سے پہلے کے انبیاؑ ء کا مقامِ نبوّت اور اس کی ضروری تفصیل نیز خدا کی پیدا کی ہوئی غیر مرئی یعنی دکھائی نہ دینے والی عام نظروں سے مخفی مخلوق فرشتوں،اس کی اتاری ہوئی کتابوں اور یومِ آخرت کے ہونے اور وہاں حساب جزا و سزا ہونے پر یقین کرنا شامل ہے۔

مسلمان ہونے کے لئے بنیادی طور پر جن چیزوں کا یقین کرنا ضروری ہے ان کا ذکر اس کلمہ میں ہے جسے ایمانِ مفصل کہتے ہیں یعنی کل سات چیزیں ہیں جب تک انسان انہیں محمدﷺ کے بتائے ہوئے انداز پر نہ مانے مسلمان نہیں قرار پائے گا لیکن انہیں پر انحصّار نہیں جو چیز بھی حضوّرﷺ سے بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہو اس کا بھی دل سے یقین رکھنا ضروری ہے۔

اسلامی تہذیب کا دوسرا جُز اسلامی احکامات ہیں وہ یہ کہ قرآنِ مجید اور احادیث کی روشنی میں مسلمان پر پانچ بنیادی ارکان فرض کئے گئے ہیں یہ ارکان اسلام کے پانچ ستون کہلاتے ہیں یعنی توحید، نماز، روزہ، ذکواۃ اور حج بیت اللہ شامل ہیں۔ان احکامات کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور آخر میں حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا ان کی پوری پوری اطاعت کرنا ضروری ہے۔ عقائد وعبادات کے بعد زندگی کے عام معاملات آتے ہیں ان میں بھی خدا تعالیٰ کے احکامات جن کی وضاحت اس کے رسول ﷺ نے کی ہے اُن کی تعمیل و تکمیل واجب ہے پیغام محمدی ﷺ نے انسان کو وہ بلندی عطا کی کہ اس کا سر سوائے ایک خدا کے کسی کے آگے نہ جُھک سکتا ہے اور نہ اس کے ہاتھ خدا کے سوا کسی کے آگے پھیل سکتے ہیں۔شرک سے اجتناب کی یہ واضح تعلیم اسلام نے دی ہے اور توحید پر غیر معمولی زور دیا ہے کیونکہ اسلامی تہذیب کی بنیاد ربانی نظریہ حیات پر قائم ہے اس کا بنیادی عنصر لاالٰہ اِلاَّ اللّٰہ پر ایمان لانے والی قوم ہے اور یہی اسلامی تہذیب کا بنیادی عنصر بھی ہے۔

اسلامی تہذیب میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبّہ جامع صفات کی حامل ہے جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے آپ ﷺ کی سیرت پاک ہم سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین نمونہ ہے۔آپ ﷺ کے بعد شخصیت

سازی کا نمونہ صحابہ کرامؓ کی زندگی ہے جنہوں نے زندگی کے ہر میدان میں قابل قدر کام انجام دیئے جس کی نظیر دنیا اب تک پیش نہیں کرسکی ۔اگر ان کی تگ ودو دین ودنیا کے کسی ایک گوشہ میں محدود رہتی تو اسلامی تہذیب وجود ہی میں نہ آتی نہ ہی اس کی ترقی کا سلسلہ ہنوز جاری ہوتا۔

اسلامی تہذیب کی تاریخ جاندار بھی ہے اور شاندار بھی اگر اس کے لئے ہزاروں اوراق بھی درکار ہونگے تو بھی بہت کم پڑ جاینگے ۔

مغربی تہذیب:۔

مغربی تہذیب کا عروج پندرہویں صدی میں ہوا۔ اس تہذیب نے روحانیت سے توجہ ہٹا کر دولت کی طرف کی اور دھیرے دھیرے یہ تہذیب صرف دولت کے انبار جمع کرنے کا فن سکھانے لگی ۔

آج کی اصطلاح میں مغرب محض ایک خطہ نہیں بلکہ وہ ایک مخصوص تہذیب اور مستقل اقدار کا نمائندہ ہے یہ تہذیب اور اقدار مغرب کی پیش کردہ اور پروردہ ہیں اس لئے مغربی کہلاتی ہیں ۔

مغربی تہذیب کی بنیاد مادیت اور انکارِ خدا پر ہے اسلئے یہ تہذیب حرص اور عقلی نظریات کا مرقع ہے اُن کی نظر میں انسان بھی مادی شے بن گیا ہے جس کی وجہ سے اُن کے یہاں اخلاقی قدروں کا فقدان پایا جاتا ہے اور اُن کے نزدیک خیر وشر کا

بلند ترین معیار مادی کامیابی ہے مغرب کی بنیادی فکر مادیت نے روح کے بجائے مادہ، خدا کے بجائے کائنات اور آخرت پر دنیا کو مقدم رکھ کر غیب کے بجائے حقایق پر اصرار کر کے مذہب کے ساتھ اپنا رشتہ منقطع کیا ہے۔

مغربی ممالک یوں تو عیسائی مذہب کے ماننے والی اقوام پر مشتمل ہیں ان کے پاس جو کچھ بھی عیسائی مذہب کے اعتبار سے ملا تھا اس کی وجہ سے یہ لوگ مذہبی اقدار سے وابستہ تھے لیکن جدید تحقیقات اور علوم وسائنس نے اُس کا ساتھ نہ دیا اس لئے مذہب بیزاری کی وبا تیزی سے پھیلی تو جدید سائنس کو بھی مذہب بیزاری کی راہ پر دھکیل دیا گیا۔ اور پھر صنعتی انقلاب کے بعد سائنس وٹکنالوجی کی حیرت انگیز ایجادات نے مادی راحت وآسائش کی بے شمار چیزیں پیدا کیں جنہیں دیکھ کر عام انسان مرعوب ہو گئے اور اسی تہذیب کے شیدائی اور پرستار بن گئے لیکن مشرق کے چند دانشور اور اربابِ بصیرت مغربی تمدن کی اس ظاہری چمک دمک سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس کی خامیوں پر تنقید کرتے رہے۔ ایسی شخصیتوں میں ایک ممتاز شخصیت علامہ اقبال کی ہے جنہوں نے اپنے زمانہ قیامِ یورپ ۱۹۰۸۔۱۹۰۵ میں اس تہذیب کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور اپنے گہرے مشاہدہ کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ جو قوم ''فیضان سماوی'' سے محروم ہو اس کے کمالات کی حد برق و بخارات تک ہی محدود رہتی ہے۔

علامہ اقبال چونکہ مغرب کے فکری اور عملی سرچشموں سے نہ صرف فیضیاب ہو چکے تھے بلکہ انہوں نے یورپ کا بچشم خود مشاہدہ بھی کیا تھا اور بے باک ہو کر یہ پیشن گوئی کی تھی کہ یورپ کی تہذیب اپنے خنجر سے خود ہی خود کشی کی مرتکب ہو جائے گی اور شاخِ نازک پر وہ جو آشیانہ تعمیر کر رہے ہیں وہ اپنی ناپائیداری کے سبب چکنا چور ہو جائے گا۔

مغرب اگر چہ آج مادی ترقی اور تکنیکی پیش رفت کے اعتبار سے کافی آگے ہے لیکن اُن کے یہاں اعلیٰ قدروں کے فقدان کی وجہ سے ہر طرف ذہنی پراگندگی اور قلب ونظر کی رنجوری دکھائی دے رہی ہے۔

ایک طرف علامہ اقبال یورپ کی تمدنی وسائنسی ترقی کے معترف تھے اور اس سے اکتساب واستفادے کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ ملت کی حیات نو کے لئے اُسے ضروری بھی سمجھتے تھے تو دوسری طرف اقبال نے مغرب کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں پر بھی زبردست تنقید کی ہے اصل میں وہ اس اصول پر کاربند تھے کہ اچھائی کو لے لو اور برائی کو چھوڑ دو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حکمت کی بات مومن کا گُم شدہ مال ہے، جہاں بھی وہ اس کو ملے وہ اسی کا حق ہے۔ علامہ اقبال کا خیال تھا کہ علم جہاں بھی ملے فرنگ ہو یا چین حاصل کرنا چاہیے۔

اسی لئے مغربی تہذیب اور مغربی فکر کا اُن پر اثر ہے کیونکہ وہاں کی روشنی علم

وہنر سے انھوں نے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھا انھوں نے اس تہذیب کے اچھے اور بُرے پہلوؤں پر نظر رکھی اور استفادہ بھی کیا۔

علامہ اقبال نے اگر مغرب کو قریب سے نہ دیکھا ہوتا تو اس میں جو کشمکش ہے، تضادات ہیں اُن کی صحیح عکاسی نہیں کی ہوتی۔ اور دوسری بات یہ کہ اقبال کے یہاں اسلامی تہذیب کی عظمت کا شدید احساس تھا اور اسلامی تعلیمات کا اثر تھا اور ان دونوں تہذیبوں کے موازنہ نے اقبال کو فکر وشعور کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کر کے صحیح معنوں میں ایک دیدہ ور نقاد بنا دیا۔ چنانچہ انھوں نے مغربی تہذیب کے ابتدائی خدوخال دیکھتے ہی ایک صدی پہلے جو پیشن گوئیاں کی تھیں وہ بالکل سچ ثابت ہوئیں۔

علامہ اقبال کے یہاں تنگ نظری بالکل بھی نہیں ہے جن مغربی مفکرین کا اُن پر اثر رہا ہے انھوں نے اُن کا تذکرہ جابجا اپنے کلام میں کیا ہے نیز اُن کی خودنوشت ڈائیری "Stray Reflections" میں بھی اُس کا ثبوت ملتا ہے اور مغربی تہذیب کی انھوں نے سب سے زیادہ تنقید بھی کی ہے اس کی وجہ حسد یا بغض نہیں تھا بلکہ انھوں نے اُس تہذیب کی صحیح عکاسی کر کے انسانیت کا ایک اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ مغربی فلسفیوں میں کانٹ، ہیگل، مارکس، نٹشے، برگساں سب ہی کا گہرا مطالعہ کیا اور اُس مطالعے میں بہت سارا وقت صرف کیا اُن کے کلام میں بہت سی اخلاقی،

اور جذباتی نظمیں ایسی دیکھنے کوملتی ہیں جو انگریزی ادب سے ماخوذ ہیں۔ جرمن مفکر گوئٹے نے ''نغمہ محمدؐ'' کے عنوان سے ایک عمدہ نظم لکھی ہے اقبال نے اس سے متاثر ہو کرایک نظم ''جوئے آب'' لکھی ''پیام مغرب'' کے جواب میں ''پیام مشرق'' لکھی۔حقیقت میں اقبال نے کہیں کہیں پر مغرب سے انحراف کیا اور کہیں کہیں پر استفادہ بھی کیا ہےلیکن وہ مغرب کے سب سے بڑے نقاد ہیں جس نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی مغرب کو ہدفِ تنقید بنایا اس کی وجہ مغرب کی تاریخ اور تہذیب کا تجزیاتی مطالعہ اور مشاہدہ تھا جس سے یہ بات اُن پر عیاں ہوئی تھی کہ یہ تہذیب فتنوں،فسادوں،ہنگامہ آرائیوں اور ظلم واستحصال کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

اقبال نے جس روایت اور راستے کو اپنایا وہ نہ صرف مسلم سماج بلکہ عالم انسانیت کے لئے اہم اور ضروری ہے کیونکہ اقبال کی فکر عالمگیر حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس کوکسی محدود اور تنگ نظری کی چار دیواری میں قیدنہیں کیا جاسکتا۔اقبال کے افکارونظریات کے بارے میں ہمیشہ ہی اختلاف رہا ہے۔ایک جماعت نے اقبال کو اسلام تک محدود کیا تو دوسری نے مغرب سے استفادہ کرنے کی وجہ سے انھیں مغربی سمجھا۔اس یک رُخے انداز کورد کرتے ہوئے جگن ناتھ آزاد نے کیا خوب کہا ہے کہ ایک بڑا شاعر دوسروں کے نظریات کو پسند بھی کرسکتا ہے اور ناپسند بھی ۔ اور وہ دوسرے بڑے شعراء اور فلسفیوں کے افکار سے اثر پذیر بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی۔

اقبال نے اپنے کلام میں جا بجا مغرب کی تنقید کی ہے اور عصرِ حاضر میں اُن کی ہر پیشن گوئی سچ ثابت ہو رہی ہے اور اُن کا یہ کارنامہ قابل فخر ہے۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مسلم ممالک نے مغربی تہذیب وتمدن کے خراب اور مُضر پہلوؤں کی اندھی تقلید کر کے اسلامی معاشرے کے اجزائے ترکیبی کو درہم برہم کر دیا ہے اور اس اندھی پیروی سے اقوامِ مشرق ذہنی جمود وسکوت میں گرفتار ہوئی۔ اور علوم وفنون کی حصول یابی سے مشرق نے مُنہ موڑ لیا ہے جبکہ مغرب نے علوم وفنون اور خاص کر سائنس کے میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے اور تسخیر کائنات کا فریضہ مسلمانوں کے بجائے انھوں نے ہی انجام دیا۔ چونکہ مغرب کے اہل علمِ سائنس دانوں نے تسخیر کائنات کے مقصد کو جو فلاح و بہبود بنی آدم ہے ہدایتِ ربانی سے محروم ہونے کی وجہ سے انتہائی مہلک ہتھیار، ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے استعمال سے انسانی تباہی اور بربادی کے سامان پیدا کئے ہیں۔

اسلئے مغرب کے خلاف مسلم دنیا ہی نہیں بلکہ پوری عالمِ انسانیت میں اس کے خلاف نفرت کا رجحان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور مغرب کے بہت سے مفکرین ومحققین بھی یہ محسوس کر رہے ہیں جو بحیثیتِ مجموعی مغرب کے استحصالی طرزِ عمل سے سخت متنفر ہیں کہ انھوں نے دنیا کی کمزور قوموں کو اپنے پیروں تلے روند دیا۔ انھیں ڈرا دھمکا کر اپنے قابو میں رکھنے کا طرز عمل اختیار کر لیا۔ وہ اپنی قوم کے بغیر پوری دنیا

کے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں اسلئے دوسروں پر ظُلم کرنا، اُن کے اموال پر قبضہ کرنا وہ اپنا جائز حق سمجھتے ہیں اسی طرح وہ مشرقی روایات کو ختم کر کے مغربی معاشرہ برپا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں صرف اسلام سے خطرہ لاحق ہورہا ہے۔

مغربی تہذیب کی ایک اہم خرابی خود پرستی اور ایک فرد کو اس کی ذات تک محدود رکھنے کی خامی ہے اسلئے Individualism کی وجہ سے یہ لوگ ایک دوسرے کا دُکھ درد بانٹنے سے بالکل ہی محروم رہے ہیں اُن کے قریبی رشتے کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں وہاں کی ہر چیز مادی پیمانے سے ناپی جاتی ہے نیز مغرب نے نوآبادیاتی نظام جگہ جگہ قائم کر کے انسانوں کو زنجیروں میں باندھ لیا جو تاریخ میں فراموش نہیں کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں سرمایہ ومحنت کی کشمکش جیسے طبقاتی تفریق نے جو کچھ بھی دکھایا وہ بھی تاریخ بھلا نہیں سکتی اور پھر نظریات کی جنگ شروع ہوگئی جس کی وجہ سے ہر ایک کی زندگی میں اُکتاہٹ پیدا ہوگئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے فرانس اور پھر روس میں انقلابات برپا ہوئے۔

مارکس، فرائیڈ اور ڈرکائم جیسے مفکرین کے نظریوں کی وجہ سے بھی مغرب میں متضاد قوموں کے درمیان دائمی کشمکش برپا ہوگئی ۔ انھوں نے اخلاق کی دھجیاں اُڑادیں، شرافت ملیامیٹ ہوگئی، اعلیٰ قدریں دفن ہوگئیں غرض اُن کے نظریات نے سماجی معاشرتی، مذہبی غرض ہر طرح کے قانون بے اثر کر دیئے ہیں۔

مغربی تہذیب میں توحید کی دعوت کا بھی کوئی دیرپا اثر قائم نہ رہ سکا پورا مغرب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا منکر ہو کر شرک میں مبتلا ہو گیا اور جب حضرت عیسیٰؑ کی توحید کی دعوت وہاں پہنچی تو انہوں نے اس کو بھی اچھی طرح سے قبول نہ کیا نتیجۃً تثلیث والی شرک آمیز عیسایت نے ہی وہاں فروغ پایا اور دھیرے دھیرے مذہب کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہ رہا۔ حالانکہ آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ جب خالص توحید کی دعوت وہاں پہنچی تو وہ لوگ اس کی عظمت کو برداشت نہ کر سکے جس کے سبب دشمنی اور نفرت کا طوفان اُن کے اندر پیدا ہو گیا اور یہ لوگ توحید کی شمع کو بجھانے کی سازش میں جُٹ گئے کیونکہ حسد اور غرور اُن کی رگ رگ میں بھرا ہوا تھا مسلمانوں سے اُن کی دشمنی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ روز بروز لوگ اسلام کی آغوش میں پناہ لے رہیے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ متفکر ہیں کہ کہیں اسلام ان پر غالب نہ آئے اس خوف سے وہ اسلام کے فروغ کو اپنے لئے ایک بڑا خطرہ تصوّر کرتے ہیں۔

اسلامی اور مغربی تہذیب کا تقابلی مطالعہ:۔

اسلام اور مغرب دو الگ الگ تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے سے ہر اعتبار سے مختلف ہیں اور دونوں کا طرزِ حیات مختلف ہے حقیقت میں اسلام اور مغرب کے درمیان کشمکش کی تاریخ بہت قدیم بھی ہے اور طویل بھی۔ کیونکہ اسلامی تہذیب اپنے مزاج اور ساخت کے لحاظ سے مغربی تہذیب سے ممتاز ہے یہ

مغربی تہذیب سے کئی امور میں مختلف اور منفرد ہے۔

اسلامی تہذیب میں قانونِ خدا نافذ ہے اس میں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی سنوارنے کی تاکید کی گئی ہے جبکہ مغربی تہذیب میں انسان کا بنایا ہوا قانون لاگو ہے یہ تہذیب مادیت سے دلچسپی رکھتی ہے غیب کی باتوں پر انکار کرتی ہے اس کے لئے دنیا کی لذتیں ہی سب کچھ ہیں اور اُن کے یہاں آخرت کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔

انسانی تہذیب کے متعلق بھی مشرق و مغرب کے تصوّرات الگ الگ ہیں۔ اسلام کے مطابق پہلے دن سے ہی انسان تہذیب کے شعور سے ہمکنار تھا جبکہ مغربی تہذیب کے مطابق انسان کو اپنے ارتقاء کے آخری مراحل میں تہذیب کی روشنی ملی۔

انسان کی پیدائش جو اس زندگی کا پہلا زینہ ہے دونوں کے بیچ اختلاف یہاں سے ہی شروع ہوتا ہے کیونکہ اسلام ایک فطری دین ہے اس میں انسان کی رونمائی حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے اور اسلامی تہذیب کے مطابق حضرت آدمؑ میں خود شعوری اور ذی شعوری طاقت کی کارفرمائی بھی ابتدا سے ہی رب العالمین نے دی رکھی تھی جس کا مظاہرہ اس طرح بھی ہوا جب حضرت آدمؑ اور اُن کی بیوی حضرت حوّا رب العالمین کی نافرمانی پر زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے بلکہ وہ انتہائی شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جُھکا کر کہنے لگے۔

رَبَنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنّ لَمْ تَغْفِرلَنَا لَنَكوُ نَنَ مِنِ الْخٰسِرِيْنَ

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے انسان کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے اور انسان کی ساری پریشانیاں ایک دم ختم ہو جاتی ہیں۔عبادت و اطاعت کا گہرا تعلق ذی شعور طاقت سے قائم ہوتا ہے اور اسلام میں ذکر اللہ کی بڑی اہمیت ہے ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھی کثرت سے ذکر اللہ کیا کرتے تھے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد دلوں کے لئے شفا ہے۔قرآن پاک میں کئی بار کثرت سے ذکر اللہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

مغربی تہذیب کو خدا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اُن کی زندگی میں کسی مافوق الفطرت ہستی (Super natural Thing) کا دخل ہے مذہب کے ساتھ اُن کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس کے برعکس اسلامی تہذیب کا تعلق قانونِ فطرت سے ہے جس میں ذی شعور طاقت ابتدا سے ہی موجود ہے جس کی وجہ سے عبادت اور اطاعت کا جذبہ بھی انسان کے اندر پہلے سے ہی موجود تھا عبادت ایک عظیم مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے روح کو تسکین اور قلب کو سکون ملتا ہے۔اور روح کے ذریعے انسان اپنے سرچشمہ سے تعلق قائم کرتا ہے اور اُس سرچشمہ سے وہ سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب روح اور باطنی حقیقت سے نا آشنا ہے اس لئے اُن کے یہاں عیش وعشرت کی تمام سہولیتوں کے باوجود روح کی تسکین اور قلب کے اطمینان کا کوئی بھی سامان میسر نہیں ہے جس کے سبب مغرب کی ایک بڑی تعداد سکون کی تلاش میں اُدھر اِدھر بھٹک رہی ہے کیونکہ مغربی تہذیب عبادت واطاعت سے آزاد ہے جبکہ اسلامی تہذیب میں عبادت وتابعداری ہی اس کی اصل روح ہے اسلئے اس میں عبادت کی پابندی بھی ہے اور اطاعت کی پابندی بھی۔

اسلامی تہذیب میں دوسرے عالم پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے جس کا نام حیاتِ اخروی ہے اس کے لئے ایک اہم عمل سے گذرنا ضروری ہے جس کا نام موت ہے یہ انسان کی زندگی کا ایک ایسا مقام ہے جس میں انسان کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کو ہر چھوٹے اور بڑے کام کا بدلہ دیتا ہے اور موت ایک ایسا مقام ہے جہاں ایک منزل کے بعد دوسری منزل شروع ہوتی ہے اس لئے مردِ مومن کی نظر میں زندگی مسلسل روحانی ترقی کا نام ہے مسلمان کبھی منزل پر پہنچ کر آرام نہیں کرسکتا اس لئے اس کی زندگی میں منزل یا سکون کہیں نہیں ہے کیونکہ مردِ مسلمان کی طبیعت قید اور حد سے نفرت کرتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں عالمِ غیب کی صداقتوں پر ایمان لانا لازمی چیز ہے جبکہ مغربی ذرائع علم محسوسات تک ہی محدود ہیں ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ علم نہیں ہے

جوموت کے بعد کی نشاندہی کر سکے۔

اسلام ایک فطری دین ہے اس میں ایک ایسا ذریعہ علم بھی ہے جو آگے کی منزل کی وضاحت کرتا ہے اور یہ ذریعہ ''وحی'' ہے اس کی رہنمائی علم وعقل سے بہت آگے جاتی ہے اور اس پر شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ یہ علم یقینی ہوتا ہے جو زمین کے انسان کو فلک کا راز داں بنا دیتا ہے اور اس کا موضوع انسان ہی ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں علم وادراک کا صرف ایک ذریعہ ''عقل'' کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ مادی ذہنیت کی وجہ سے اُن کے یہاں یہ عقل مادی ذرائع علم کا انتہائی مقام ہے اس کا خاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ مادی خوشحالی کو ہی انسان کی معراج بتاتے ہیں۔ اور انسان کی کامیابی کو اسی پیمانہ سے ناپتے ہیں۔

اسلامی تہذیب میں وحی، قلب اور عقل ان سب کی رہبری ضروری ہے ان میں صرف ایک کی رہنمائی کافی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں مظاہر فطرت پر غور کرنے اور عقل سے کام لینے کا حکم صادر ہوا ہے اور انبیاؑء واولیاء کے نزدیک دِل نورانی طاقت کا مرکز ہے۔

مغربی تہذیب میں دل کی صرف یہ اہمیت ہے کہ اُن کے نزدیک یہ صرف ایک پمپ کے مانند ہے جو انسان کو خون پہنچانے کا کام انجام دیتا ہے انسان کی نفسیات پر ان گنت تحقیقات کرنے کے باوجود انھوں نے دل کے معنوی وجود کا اب

تک پتہ نہیں لگا یا حالانکہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اس کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے ذریعہ ہدایات اور رہنمائی کا جو سلسلہ جاری رکھا تھا اس کے مطابق سب سے زیادہ اہمیت کائنات میں انسان کے مقام کو حاصل ہے کیونکہ اس کا موضوع ہی انسان ہے اس لئے وحی اور انسان ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اس کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے اس نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے اور کائنات کی ساری چیزیں انسان کے لئے بنائی ہے اُس کے نزدیک انسان کی یہ ذامہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوقات کے ساتھ شفقت، مہربانی، حفاظت اور انصاف کا طریقہ اختیار کرے اور انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی کے تمام معاملات میں اپنی مرضی کا مالک نہیں بلکہ خدا کی مرضی کا پابند رہے۔

مغربی تہذیب ایک لادین تہذیب ہے اس لئے اُن کے یہاں کوئی ایسا ذریعہ علم نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے اوپر حد بندی کرے۔ یہ ایک آزاد تہذیب ہے جہاں ہر قسم کی آزادی میسر ہے مذہب کے ساتھ اُن کا کوئی رشتہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن کی زندگی میں ہر طرف انتشار ہی انتشار پھیل گیا ہے۔

اسلامی تہذیب انسان کی زندگی کے ہر مرحلہ پر رہنمائی کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی کو ہی منزل مقصود قرار دیتی ہے اور یہ تہذیب زندگی میں ہی آخرت کی راہ تلاش کرنے کی ہدایت بھی دیتی ہے یہ راستہ ہمیں حقیقی زندگی میں ہی تلاش کرنا ہے قرآنِ پاک میں آیا ہے کہ یہ زندگی آخرت کی کھیتی ہے یعنی جیسا ہم یہاں بوئیں گے ویسا ہی ہم وہاں پائیں گے۔ اس سے یہ حقیقت ہم پر آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمیں زندگی سے دور جنگلوں میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ زندگی گذارنے کے ساتھ ساتھ ہم آخرت کی سرخ روئی بھی حاصل کر سکتے ہیں یہی اسلامی تہذیب کا تقاضا ہے۔

حقیقت میں انسان کو زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دینے کی ذمہ داری دی گئی ہے اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ان ذمہ داریوں کو نبھاتے وقت خدا کے قانون کو مدِ نظر رکھو نہ کہ اپنی خواہشات کو کیونکہ اسلامی تہذیب کا دار مدار ایک خالقِ کائنات پر یقین اور اس کے قانون کی اطاعت ہے اسی تصوّر نے انسان کو غیر معمولی عظمت عطا کی ہے نیز انسان کو سکون واطمینان کا بیش بہا خزانہ عطا کیا ہے جو کسی دوسری غیر اس تہذیب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اور اسلامی تہذیب کے مطابق ترکِ دنیا کر کے کسی پہاڑی کی کھوہ میں زندگی بسر کرنا بزدلی ہے اسلامی تہذیب میں بھی ترکِ دنیا کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو غیر اسلامی تہذیب سے بالکل مختلف ہیں۔

دینِ اسلام سب سے بہتر دین ہے اس میں ہر قانون خدا کا بنایا ہوا ہے اس میں زندگی کے ہر گوشے میں مقرر اور واضح قوانین ہیں یہ دین ہمیں خدا پرستی، اخوت، خلوص ومحبت، ہمدردی اور ایثار وقربانی کا درس دیتا ہے۔

جبکہ مغربی تہذیب میں معاشی نظام درہم برہم ہوگیا ہے جس میں ایسے جذبات سرد پڑ گئے ہیں اور ہر شخص اپنے آپ میں کھویا ہوا ہے یہاں تک کہ وہاں ماں باپ اور اولاد پرورش وخدمت کی ذمہ داری بھی نہیں لیتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے پر بوجھ تصوّر کئے جاتے ہیں اور اُن کے درمیان حقوق وفرائض کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔

اس کے برعکس اسلامی تہذیب میں فیملی اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے اس میں ہر ایک کے حقوق اور فرائض مقرر کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ سفر میں جو ساتھی ہوتا ہے اس کا بھی حق ہوتا ہے اور خاندانی رشتہ تو اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ یہ رشتہ زندگی تک ہی محدود نہیں ہوتا ہے۔

اگر اسلام کا خاندانی نظام پوری طرح سے اپنا لیا جائے تو تمام مسائل سُلجھ سکتے ہیں۔ اسلامی نظامِ معاشرت اور مغربی نظامِ معاشرت کا سب سے واضح فرق یہ ہے کہ مغرب میں خاندانی نظام بالکل ختم ہورہا ہے میاں بیوی کا آپس میں کوئی بھروسہ نہیں رہا ہے ماں باپ کی محبت ختم ہوگئی ہے اور والدین اپنی ذمہ داریوں سے مُنہ موڑ رہے ہیں۔

جبکہ اسلامی نظامِ معاشرت اُنس ومحبت ،اعتبار، اتحاد اور مساوات کی بنیادوں پر استوار ہے جسے کبھی توڑا نہیں جا سکتا۔عورتیں حقوق اور دینی معاملات میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں ہر شعبے میں اُن کی خدمات واضح ہیں ،علم وادب،حدیث وتفسیر جہاد واستقامت غرض ہر میدان میں ان کے قابل قدر اور قابل رشک کارنامے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت میں بھی مساوات ہے۔

اسلامی تہذیب میں چونکہ دین فطرت کا نظام قائم ہے اس لئے اس میں فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماں باپ اور اولاد کے درمیان تعلق کی طرف توجہ دی گئی ہے اور مختلف انداز سے اُن کے حقوق وفرائض کی تفصیل بیان کر کے اُن کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے قرآن پاک کی متعدد آیات میں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلامی تہذیب میں انسان کی رہنمائی کے لئے قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے جس میں دونوں جہاں کا علم پوشیدہ ہے اور کائنات سے متعلق ہر چھوٹی سی چھوٹی اور ہر بڑی سی بڑی بات کو بیان کیا گیا ہے اور احادیث میں اُن کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے رسول پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ قرآنِ پاک کا عملی نمونہ ہے۔

اسلام میں کائنات سے متعلق ہر مفید علم سے استفادہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے

علم کی فراوانی سے کوئی بھی بڑے سے بڑے عہدے پر فائیز ہوسکتا ہے اور علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے کیونکہ علم انسانی ضرورت کے تمام گوشوں پر حاوی ہے جبکہ مغربی تہذیب نے عورت کو مرد کے مقابلے کھڑا کر کے ان گنت فتنوں کو جنم دیا ہے اور اس میں عورت نے جو کچھ کھویا اس کی بھرپائی نہیں ہوسکتی۔ حقیقت میں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عورت کے متعلق غلط تصوّر نے ایک عرصہ تک اس کو فطری حقوق سے محروم رکھا۔ جس کا ردِعمل مکمل آزادی و بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور معاشرے میں ہر طرف تناؤ ہی تناؤ پھیل گیا۔ اب اس کو روکنے کے لئے سب بے بس ہیں اور اس نے ایسی شکل اختیار کی ہے جیسے بوتل میں بند جن باہر نکل آیا ہو۔ اِسی لئے اسلام میں اُن تمام چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن سے سماج میں فتنے برپا ہونے کا احتمال ہے اور ساتھ ہی عورت کے حدود بھی مقرر کئے گئے ہیں اُن حدود میں وہ اپنی زندگی بہ حُسنِ وخوبی گذار سکتی ہے اور پھر دینِ اسلام میں جو کچھ بھی ہے سب انسانوں کے فائدے کے لئے ہے دنیاوی فائدے کے لئے بھی اور اُخروی فائدے کے لئے بھی۔

مغربی تہذیب مادی نظریہ حیات پر قائم ہے جو روحانیت سے خالی ہے اور یہ صرف انسان کی طبعی زندگی اور اس کے ذاتی مفاد تک ہی محدود ہے ان کی پوری زندگی کا نظام مذہب سے خالی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اُن کی نگاہ میں اخوت کی بنیاد

مذہب پر نہیں بلکہ نسب و نسل پر ہے۔

اسلام میں ہر چیز کی بنیاد دین پر ہے اور مسلمان کی نظر میں یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور انسانی ضرورت کے لحاظ سے روحانی اور مادی دونوں کی اہمیت ہے۔

انسانی زندگی کی افادیت کے لئے ماورائی حصّہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہی حصّہ صفات الٰہی کا مظہر ہے اس کے بغیر زندگی کا معاشرتی نظام درہم برہم ہوجائے گا اور انسان کی حیثیت حیوان کے برابر ہوجائے گی۔

صفاتِ ربّانی کے عکس کے پرتو سے زندگی میں جو صفات پیدا ہوتے ہیں اُن کی ابتداوہاں سے ہوتی ہے جہاں عقل کی سرحد ختم ہوتی ہے اس لئے اُن کی حفاظت کے لئے عظیم نعمت وحی کی اشد ضرورت تھی عقل زندگی کے ذاتی مفاد اور وحی اصرارِ حیات کی حفاظت کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہر جگہ اور ہر لحظ کارفرما ہیں، اسلئے حقیقی مسلمان کے اندر اللہ تعالیٰ کے پرتو سے بہت سی خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے جیسے عفت و پاکبازی، توکل واعتماد، قناعت واستغنا، سچائی اور خلوص، سخاوت وفیاضی، صبروضبط، شجاعت وبہادری، عزّت نفس، اطمینانِ قلب وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے ان ہی صفات کے پرتو

سے انسان کے سیرت وکردار میں عظمت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب ذاتِ الٰہی کا قرب بھی حاصل ہوتا ہےاور سیرت وکردار کا پیمانہ بھی مقرر کیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس مغربی تہذیب میں مادیت کے سوا کوئی پیمانہ میسر نہیں جس سے وہ سیرت وکردار کی حد مقرر کرے۔اس تہذیب کے سارے تانے بانے حرص وہوس سے جُڑے ہوئے ہیں۔

اسلامی تہذیب ایک پابند تہذیب ہے۔اس لئے ایک مسلمان ایسے اعمال سے پرہیز کرتا ہے جس سے اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ آخرت بھی خراب ہو۔اس وجہ سے ایک مسلمان میں تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کو بہت سے رکیک جذبات سے چھٹکارا ملتا ہے اور وہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے تو حرص وہوس اور حسد جیسے فتنے اس کی شخصیت پر غالب نہیں آ سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے ہی خوبصورت نہیں بنایا ہے بلکہ اندرونی اعتبار سے بھی اس میں بے شمار خوبیاں پیدا کی ہیں جب یہ خوبیاں صحیح راہ پر لگتی ہے تو ایسا انسان تیار ہوتا ہے جو صفاتِ الٰہی کے سبب ایک طرف صحیح طریقے سے دنیا کی تعمیر کرتا ہے اور دوسری طرف سے ایمان ویقین کے ذریعے آنے والی زندگی یعنی آخرت کو بھی سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔

مغربی تہذیب نے دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں زندگی کے ہر میدان میں

سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔حصولِ زندگی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر بڑی بڑی تحقیقیں کرتے ہیں اور ہر خطرے کو مول لے کر منزل تک پہنچ جاتے ہیں لیکن اُن کے یہاں آخرت کا تصوّر مفقود ہے۔

حقیقی مسلمان اپنے رب کو سب سے بڑے طاقت کا ''سرچشمہ'' تصوّر کرتا ہے جس کے سبب اس میں بندگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کو اس بات پر پورا ایمان ہوتا ہے کہ موت شہہ رگ سے بھی نزدیک ہے۔ یہ دنیا عارضی ہے اور مجھے اُسی کی طرف واپس پلٹ کر ہر نیکی و بدی کا حساب دینا ہے۔

اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش فکر اقبال کی روشنی میں:۔

اقبال کے فکر و نظر کی تشکیل کا پہلا مدرسہ اُن کا اپنا گھر ہے۔ دین دار والدین کے زیر سایہ اُن کی تربیت و پرورش ہوئی۔مولوی میر حسن نے اُن کا علمی جوہر نکھارا۔ شعر و شاعری کی طرف ابتدا سے ہی اُن کی طبیعت مائل ہوئی مرزا داغ دہلوی سے اصلاح لی۔فلسفہ اُن کی ذہنی دلچسپی کا مضمون تھا خوش قسمتی سے انہیں یہاں ایک اور مشفق استاد ڈاکٹر آرنلڈ نصیب ہوا۔

اقبال کو اپنے سکول اور کالج میں انگریزی زبان و ادب کو پڑھنے کا موقع بھی ملا اور جدید علوم و فنون سے متعارف بھی ہوئے۔اس لئے مغرب کے ساتھ اُن کا اولین رابطہ علمی و ادبی تھا اس کے بعد اور ایک دور آتا ہے جس میں اقبال متعدد مغربی

مفکرین کی نظموں کا منظوم ترجمہ کر کے انکو اخلاقی پیغام کے طور پر پیش کرتے ہیں یعنی دوسرا رابطہ مغرب کے ساتھ فکری اخذ واستفادے کا ہے۔ اس کے بعد اقبال کا مغرب کے ساتھ تیسرا رابط شروع ہو جاتا ہے یعنی ۱۹۰۵ء میں اقبال یورپ چلے جاتے ہیں اور ۱۹۰۸ء میں واپس آتے ہیں یہ تین سالہ قیام کا دور اقبال کی زندگی کا انقلاب آفرین دور کہلاتا ہے یہ دور کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

مغرب کے ساتھ یہاں سے اقبال کا تیسرا اور اہم رابطہ شروع ہو جاتا ہے یہ رابطہ علمی وادبی، عملی وفکری اور تنقیدی بھی رہا ہے۔ کیونکہ اقبال کی نظر میں انگلستان علم وفضل، انسان دوستی اور وسیع المشر بی کا مظہر اور سرچشمہ تھا اس کے برعکس انھوں نے اس کے متعلق کچھ نہ سوچا تھا اسلئے وہ نیک نیتی اور صاف دلی سے اُس ترقی یافتہ ملک کے اداروں سے اکتسابِ علم کے خواہاں تھے۔ مغرب کی علمی صحبتوں میں پروفیسر آرنلڈ، پروفیسر نکلسن، میک ٹیگر یٹ اور پروفیسر براون سے اقبال نے علمی فیض واکتساب کیا۔ اس کے علاوہ اقبال کو اپنے ایامِ تعلیم کے دوران شکسپیر، ملٹن، لانگ فیلو، کوپر، ورڈس ورتھ، کالرج، کسیٹس، شیلے، براوننگ، ٹنی سن، ایمرسن، دانتے، نطشے، گوئٹے، برگساں، ٹالسٹائی، کارلائل وغیرہ کو پڑھنے کا موقع ملا۔

اقبال نے تین سالہ قیام کے دوران بیرسٹری بھی کی اور پی ایچ۔ڈی کا مقالہ بھی تحریر کیا۔ اور یہ دور دیارِ مغرب کی تہذیب وسیاست سے علم وآگہی کا ایک اہم دور

رہا ہے اسی دور میں انہیں مغرب کی تہذیب کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع میسر ہوا اور اپنے فکر و پیام کا صحیح رُخ متعین کرنے لگا۔ اسی دوران نئے نئے علوم وفنون سے اُن کی فکر بہت متاثر ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مغربی تہذیب و سیاست کو جسے انھوں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا محسوس کیا کہ تہذیب حاضر کی یہ چمک دائمی نہیں انہیں مغربی تہذیب و سیاست میں ہر طرف ظلم ہی ظلم نظر آیا۔ اور اس حقیقت کا بھی اندازہ ہوا کہ وطنیت کا محدود جغرافیائی تصور مغرب بھی سراسر دھوکہ اور فریب ہے جس کا مقصد قوموں کو فریب کے جال میں پھنسا کر الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنا اقتدار قائم کرنا ہے اسی وجہ سے قیام یورپ نے اُن کی فکر میں وطن پرستی کے محدود جغرافیائی تصور کو توڑنے پر مجبور کر دیا۔ کیونکہ یہ بات ان پر عیاں ہوگئی کہ یہ کوئی وطنیت نہیں بلکہ یہ سراسر مغرب کا سیاسی اور کاروباری استعمال تھا جس کے سبب اقبال نے وطنیت وقومیت کی جگہ عالمی اخوت جیسے تصور کو اپنا لیا اور اقبال نے مغرب کو جتنے قریب سے دیکھا اور مشاہدہ کیا اُتنا وہ اسلام اور قرآن کا گہرا مطالعہ کرنے لگے جس کے سبب مئے مجاز مئے حقیقت میں بدل گیا۔

اقبال کے اس دور کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ وہ اسی دور سے مشرق کی روحانی اقدارِ حیات کو اصل حیات و کائنات تصور کرتے ہیں اسلئے اسلامی تہذیب کا مطالعہ اُن کا خاص مشغلہ رہا جس کے سبب وہ عشق رسول ﷺ اختیار کرنے کا پیام دیتا

ہے اور یہاں سے ہی اُن کی پیغمبرانہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔

اقبال نے تمام حالات کا مطالعہ اپنے علم و ہنر کی روشنی میں کیا اور وہ اسی نتیجے پر پہنچے کہ وہ دن دور نہیں جب یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔ یہ بات انہوں نے ۱۹۰۷ء میں ہی یورپ کے باشندوں کو تنبیہہ کرتے ہوئی کہی۔ کیونکہ اب اقبال مغرب کے فکری اور عملی سرچشموں سے نہ صرف براہِ راست فیضیاب ہو چکے تھے بلکہ انہوں نے یورپ کے سیاسی اور سماجی نظام کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ اسی کے سبب انہوں نے یہ پیشن گوئی کی کہ یورپ کی تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کی مرتکب ہو جائے گی اور شاخ نازک پر جو آشیانہ تعمیر ہوگا ناپائیداری کے سبب گر کر چکنا چور ہو گا۔ اس طرح اقبال نے مومنانہ بصیرت کے سبب اُسی وقت یہ اندازہ لگایا کہ یورپی تہذیب اپنی ظاہری خوبیوں کے باوجود اخلاقی اور روحانی اقدار کی عدم موجودگی سے معدوم ہو جائے گی۔

آج اگر چہ یورپ مادی ترقی اور تکنیکی اعتبار سے بہت آگے ہے لیکن صالح قدروں کے فقدان کی وجہ سے ہر طرف انتشار میں مبتلا ہوا ہے برہنگی ابتذال اور بے حیائی کے تمام مظاہر یورپی تہذیب میں جلوہ گر ہیں اور اسکا بنیادی سبب عقلیت کی پرستش اور مذہب سے دوری ہے اور اُن کے یہاں کوئی ایسا ذریعہ علم نہیں ہے جس سے یہ اپنے اوپر حد بندی کرے یہ ایک آزاد تہذیب ہے جس میں ہر قسم کی آزادی

میسر ہے اور جس میں مذہب کی پختہ پیروی سے احتراز برتا جاتا ہے جس کے سبب اُن کے معاشرے میں ہر طرف بے چینی اور انتشار پھیلا ہوا ہے۔ اقبال اس تہذیب سے پوری طرح واقف تھے اس لئے اس کی تباہی کی کھل کر پیشن گوئی کرتے تھے۔ اور اقبال نے جس خاص پہلو کی طرف توجہ مرکوز کی وہ یہ تھا کہ ممالک اسلامیہ کو مغربی تہذیب وسیاست کی لعنتوں سے پوری طرح آشنا کیا جائے اور انہیں اس بات پر پورا یقین ہو جائے کہ مغرب اپنے ہاتھوں خود اپنا گلا گھونٹ رہا ہے اور عنقریب اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ الحاد، روحانی قدروں اور مذہب کو یکسر نظر انداز کر کے تہذیب کے نام سے مغرب نے ایک ایسا ایندھن تیار کیا ہے جس میں وہ خود راکھ کا ڈھیر بننے والے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب اُن کو اپنے اوپر افسوس ہوگا۔

اس لئے اقبال کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ وہ عالم دنیا کو خاص طور پر مسلمانوں کو درندگی اور بہیمیت سے پاک کرنا چاہتے تھے اور دوسرا وہ ایک جاندار تہذیب کے متمنی تھے۔ وہ تمام انسانیت کے علمبردار کی حیثیت سے آگے آ کر دنیا کو تہذیب نو کی نت نئی پریشانیوں اور پراگندیوں سے نجات دلانا چاہتے تھے اسی لئے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سارے مشرق کا خیال اُن کے پیش نظر رہا ہے کیونکہ یہ دونوں عصرِ حاضر کی بدترین تہذیبی جارحیت کے شکار ہو چکے تھے۔ اسی لئے اقبال نے مغربی تہذیب پر کاری ضرب لگائی۔ تاکہ لوگ اس کے مُضر اثرات سے واقف

ہوکراس کی مرعوبیت کوچھوڑ دیں۔اوراس تہذیب کی بُر بادیوں کا انھوں نے بار بار رونا رویا ہے اس سلسلے میں وہ تمام انسانیت کواتحاد واتفاق اوراخوت ومحبت کا پیام دیتے ہوئے انہیں بغیر کسی رنگ ونسل اور مذہب کے اکھٹے ہوکراس تہذیبی جارحیت کے مقابلے کے لئے اُکساتے ہیں کیونکہ اس تہذیبی جارحیت سے انسان انسان کا دشمن بن گیا ہے اور درندگی کی انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ مذہب اور وطنیت کی بنیاد پر تمام دنیا میں خون ریزی برپا ہوگئی ہے اقبال اس درندگی سے ہمیں نجات دلانے کے لئے باہمی اخوت اور محبت کے رشتے کو استوار کرنا چاہتے ہیں وہ عظیم انسانی قدروں کو بحال کرنا چاہتے ہیں جن انسانی قدروں کو مغربی تہذیب نے تہس نہس کردیا ہے انہوں نے واضح طور پر اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انسانیت کی بقا کا راز اس کے احترام میں ہے یہی اقبال کا اساسی پیغام ہے کہ انسانیت کی ترقی کا راز احترام آدمیت میں ہی ہے۔ اصل میں اقبال اسلامی تہذیب کے علمبردار کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ تہذیب خدا پرستی، انسان دوستی اور آخرت پسندی سے عبارت ہے۔

دراصل فکر اقبال کا بنیادی سرچشمہ مذہب اسلام ہی ہے کیونکہ اس کی اساس خالصاً عقیدہ توحیدورسالت، انسانی عظمت وفضلیت، احترامِ انسانیت ،عالمی مساوات واخوت،صلح ومحبت، ایثار وعظمت اور بقائے حیات پر ہے۔فکری تشکیل کے ابتدائی دور سے ہی اقبال اسلام کے سچے شیدائی اوراس کے عشق سے سرشار نظر آتے

ہیں۔ابتدائے کلام سے تا آخر تک اُن کی فکر میں یہی جذبہ ایمان ویقین کارفرما ہے۔

اقبال کو قرآن وسنت پر گہری نظر تھی اُن کے فکر و فلسفہ میں احترام آدمیت، انسانی عظمت، مردِ مومن اور حرکت وعمل وغیرہ سے متعلق واضح تصورات قرآن پاک ہی کے ذریعے رونما ہوتے ہیں اسلئے اُن کے پورے کلام میں قرآنی آیات واحادیث سے اخذ واستنباط بالواسطہ وبلا واسطہ جا بجا موجود ہے اور قرآنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ فکر اقبال زندگی کے ہر موڑ پر عشق رسول ﷺ سے سرشار نظر آتی ہے کیونکہ اقبال کے نزدیک پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ قرآن کی تفسیر اور عملی نمونہ ہے اسلئے آپ ﷺ سے عشق وعقیدت بھی فکر اقبال کے بنیادی تخلیقی عناصر میں شمار کیا جاتا ہے۔

رسول پاک ﷺ کے ساتھ اقبال کی عقیدت ازلی وابدی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ دیگر پیغمبرانِ اسلام کا بھی کلام اقبال میں جا بجا ذکر آیا ہے۔اُن میں حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضّرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داوودؑ، حضرت شعیبؑ، حضّرت ایوبؑ، حضّرت الیاسؑ، حضّرت ادریسؑ، حضّرت عدنانؑ، حضّرت زکریاؑ وغیرہ کے پیمبرانہ اوصاف کا تذکرہ بھی فکر اقبال میں نظر آتا ہے۔

رسول پاک ﷺ کے زیر تربیت اصحاب کے سیرت و کردار سے بھی اقبال کی فکر کا چراغ روشن رہا ہے۔حضّرت ابوبکر صدیقؓ حضّرت عمر فاروقؓ، حضّرت عثمانِ غنیؓ اور

دوسرے صحابہ کرام اقبال کی نظر میں اسلام کی عملی تعبیر اور تفسیر عشقِ رسول ﷺ ہے۔

ایمہ اربعہ حضّرت امام ابوحنفیہؒ، حضّرت امامِ مالک حضّرت امامِ شافعیؒ اور حضّرت امام بن حنبلؒ، اسلامی فکر وفقہ کے یہ چار ستون بھی فکرِ اقبال کا ایک اہم حصّہ ہیں۔

حکمائے اسلام میں امام غزالی، ابن تیمیہ سے بھی اقبال نے اخذ واستفادہ کیا ہے اور شیخ محی الدین اکبر ابنِ عربی کے بعض فلسفیانہ افکار سے اقبال کی فکری ہم آہنگی کا احساس ہوتا ہے۔

اقبال کی فکری تشکیل میں قرآن وسنت اور توحید ورسالت کے بعد مولانا جلال الدین رومی کا سب سے زیادہ اثر ہے اقبال نے مثنوی مولانا روم سے بھی اپنے فکر و پیام کے چراغ کو روشن کیا ہے اسلئے فکرِ اقبال میں رومؔی کا پرتو ہر جگہ نظر آتا ہے کیونکہ اقبال نے انہیں اپنا مرشدِ معنوی تصور کیا ہے اور جا بجا اپنے کلام میں فیضان رومؔی کا تذکرہ کیا ہے ۔اقبال نے رومؔی کے علاوہ شیخ سعدی شیرازؔی، فردوسؔی، خاقاؔنی، نظامؔی قاآنؔی، فغاؔنی وغیرہ کی قدر ومنزلت کو بھی قبول کیا ہے۔

فکرِ اقبال میں حکیم سناؔئی، شیخ عطاؔر اور ملا جامی وغیرہ کے بھی نمایاں اثرات ہیں۔

اقبال اورنگ زیب عالمگیر کی پُر کمال وپُر جلال شخصیت سے بھی متاثر تھے نیز ٹیپو سلطان کے عزّم حوصلہ، غیرت وخودداری، ہمت وشجاعت اور معرکہ حق وباطل میں

اس کے استقامت کے بھی معترف ہیں۔

فکرِ اقبال میں بہت سی اہم بزرگ شخصیات وصوفیاء کے اثرات بھی نمایاں ہیں اُن میں خواجہ معین الدین چستی اجمیری، بوعلی قلندر، نظام الدین اولیاء، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مشاہیر وہم عصر علمائے کرام بالخصوص سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، انور شاہ کشمیری، مولانا اسلم جیرا جپوری، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، شیخ عبدالقادر، نواب حمید اللہ خان، سرراس مسعود وغیرہ کے نام اقبال کے بے شمار خطوط سے اقبال کے اخذ واستفادے کومحسوس کیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ شبلؔی، حالؔی اور سرسیؔد وغیرہ کے اثرات کوبھی فکر اقبال میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

فکر اقبال کے تحقیقی مطالعہ میں قرآن وحدیث اور توحید ورسالت کے علاوہ مشرق ومغرب کے مفکرین حکماء وعقلاء اور صوفیاء کرام وبزرگانِ دین سے اخذ و استفادہ اور اُن سے مرتب شدہ اثرات بہت اہم ہیں۔

دراصل اقبال کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی وسعت اور ہمہ گیری بخشی تھی کہ انھوں نے تقریباً عالمِ دنیا کی تہذیب وثقافت، سیاست، معیشت اور معاشرت کا مطالعہ کر کے اس پر اپنے فکر وفن میں اپنی مخصوص انسانی اور اسلامی اقدار کی روایات کا

لحاظ رکھ کر ایک تعمیری وتنقیدی رویہ اپنایا۔

مغربی تہذیب وتمدن کا انھوں نے یورپ میں رہ کر گہرے طور پر مشاہدہ کیا اور پھر اس تہذیب کے مُضر اثرات سے جہاں اہل فکر ونظر کو آگہی دلائی وہیں اس کے مفید اثرات کو قبول کرنے کے لئے اہلِ مشرق کو تاکید کی۔

اقبال نے مغربی تہذیب کی سب سے زیادہ تنقید کی لیکن وہاں کی تکنیکی ترقیات، سائنسی کارناموں، ایجادات، تحقیقات، معاشرتی خوبیوں اور وہاں کے علم وہنر کے وہ مدّاح ہیں۔ اُن کی نظر میں یورپ کی اصل قوت وطاقت کا سرچشمہ اُن کا علم وفن ہے اور اسی علم وفن کی آگ سے اُن کا چراغ روشن ہے۔

اقبال نے جہاں مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں کی تنقید کی ہے وہاں انھوں نے وہاں کے مثبت پہلوؤں کی دل کھول کر تعریف کی ہے چونکہ اقبال ایک وسیع النظر فلسفی کے ساتھ ساتھ ایک انسانیت نواز شاعر بھی ہیں اس لئے انھوں نے بڑے ذوق وشوق سے یورپی فکر ونظر کے اعلیٰ سرچشموں سے اپنی علمی پیاس بھی بجھائی ہے اور اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے۔

قیامِ یورپ کے دوران اقبال نے بیکن، ڈیکارٹ، لاک، برکلے، ہیوم، کانٹ، نٹشے، شوپن ہائر، ملٹن، دانتے، گوئٹے، برگساں، وغیرہ کے نظریات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ خاص طور پر برنارڈ شاہ، سقراط، افلاطون اور ارسطو

کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا۔غرض اِن تمام مغربی فلسفہ دانوں اور شاعروں کے نظریات اور افکارات پر انھوں نے بالغ نظری سے جائزہ لے کر انہیں اپنے مخصوص خیالات کا ایک حصّہ بنایا۔

اقبال نے مغرب ومشرق کی تقریباً تمام تہذیبوں ،ثقافتوں اور معیشتوں کا بغور مطالعہ کیا ہے ۔انھوں نے مغرب ومشرق کے بڑے بڑے فلسفیوں ، عالموں ، مفکروں ، مشائخ واولیاء اللہ نیز بڑی بڑی غیر مذہبی شخصیات کا بھی گہرا مطالعہ اور استفادہ کیا ہے لیکن وہ اُن میں سے کسی خاص یا مخصوص فلسفے کے ساتھ بہہ نہیں گئے بلکہ انہوں نے اُن سے وہی خیالات لئے ہیں جو اُن کی انسان دوستی کے نظریئے کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے اور اپنی مشرقی اقدار وروایات سے وہ قطعاً دستبر دار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے مشرق ومغرب میں ایک بہترین امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی۔

مغربی فلسفیوں میں آپ نطشے ، گوئٹے ، برگساں ، کانٹ ، ہیگل ، دانتے مارکس وغیرہ سے متاثر تھے لیکن اُن کے دہریانہ خیالات اُن کو کبھی پسند نہ آئے۔

دراصل اسلام کی محبت اقبال کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کیونکہ اسلام خدا پرستی ، آخرت پسندی اور انسان دوستی کے بلند وبالا اصولوں پر مبنی ہے اس تحریک کے زیرِ سایہ اقبال انسان کو صحیح معنوں میں انسانیت کا درس دینا چاہتے ہیں

اس طرح وہ تمام طبقاتی تفریق کو مسمار کرنا چاہتے ہیں۔قوم پرستی کے وہ شدت سے مخالف ہیں کیونکہ قوم پرستی کے بُرے نتائج وہ خود یورپ میں دیکھ چکے تھے۔

اقبال کے افکار ونظریات میں قیامِ یورپ کے بعد ایک حیرت کُن تبدیلی رونما ہوئی چونکہ بعض لوگ سوچتے تھے کہ یورپ کی مادی اور مشینی ترقی اور پیش رفت سے مرعوب ہوکر اقبال مغرب زدہ ہو چکے ہونگے جیسے کہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن میں موجود اخلاقی اور ثقافتی بیماریوں اور کمزوریوں پر اقبال سب سے زیادہ تنقید کرینگے۔

دراصل اقبال ضرب لگانے اور تنقید کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے وہ ایک مصلح اور مسلمان کے فرائض انجام دے رہے تھے کیونکہ حقیقی مسلمان پر حق کا پیغام دینا فرض ہے انھوں نے مشرق میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی بھی نشاندہی کی ہے اور تہذیب مغرب کی خوبیوں کے بھی وہ قدردان رہے ہیں۔

اقبال ایک عظیم مفکر، فنکار اور انسانیت نواز شاعر ہیں اُن کو ہم قطعاً کسی محدود اور تنگ دائرے میں مقید نہیں کر سکتے ہیں آپ مشرقیت اور مغربیت دونوں طرح کی عظیم اور فائدہ مند قدروں سے ہمیں مستفید ہونے کی تلقین کرتے ہیں آپ نے فلسفہ، علم اور عقل کا تصور مغرب سے لیا لیکن عشق، روحانیت اور اخلاقیت کی تعلیم کا درس مشرق (اسلامی تہذیب) سے لیا۔

حقیقت میں اقبال نے اپنے نثری خطبات، مکاتیب اور پیامی شاعری میں انسانی زندگی کے متنوع اوراس کی گوناگوں حیات کوصحیح تناظر میں سمجھنے اورپیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنی فکر کی راہیں اسلامی اور مغربی باالفاظ دیگر مشرقی اورمغربی قدیم اور جدید فلسفے کے گہرے، ناقدانہ اور تجرباتی مطالعے کے بعد متعین کیں۔کیونکہ وہ زندگی بھراس اصول پر کاربند تھے کہ اچھائی کو لے لواور برائی کو چھوڑ دو۔اسلئے اُن کی نظر میں علم جہاں بھی ملے فرنگ ہو یا چین حاصل کرنا چاہیے۔

اقبال ایک عظیم شاعر ہیں۔آپ مشرقیت اور مغربیت دونوں طرح کی عظیم اور فائدہ مند قدروں سے ہمیں مستفید ہونے کی تاکید کرتے ہیں اس لئے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اقبال پوری دنیا کے شاعر ہیں اور اُن کا کلام صرف تجزیاتی ہی نہیں بلکہ تعمیری اورانقلابی بھی ہے۔انھوں نے اپنے متحرک افکارونظریات سے تمام زندہ دل انسانوں میں خودشناسی، خداشناسی، خوداعتمادی اور عمل کا جذبہ بیدار کیا۔انھوں نے مشرقی سرمایہ ادب سے اچھی واقفیت کے ساتھ ساتھ مغربی اقوام کے علم وادب، فلسفہ وحکمت اور وہاں کے اعلیٰ سرچشموں سے فیضیابی حاصل کی۔انھوں نے مشرقی ومغربی فکری لہروں سے نئی قدروں کی تلاش اور جستجو جاری رکھی اور ہمیشہ اُن دونوں لہروں سے اپنا رشتہ استوار رکھنے کے خواہش مندر ہے یہی خواہش اُن کے دل میں ایک تڑپ بن کے موجود رہی اورانھوں نے اپنے گردوپیش کی دنیا کا غور سے جائزہ

لیکرمشرق ومغرب کے نظریات پر مفکرانہ حیثیت سے ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی، پھر اپنے شاندار مشرقی ماضی سے رشتہ جوڑ کر اس رشتے کی چھان بین کر کے مستقبل کے روشن امکانات تلاش کئے تاکہ مشرقی بنیادی وآفاقی اصولوں کو مغربی تقاضوں کے پسِ منظر میں دریافت اور متعین کیا جاسکے۔ اُن کا بیدار ذہن ایک طرف مشرق کے بنیادی حقائق سے پیوست ہے اور دوسری طرف ایک نئے انسانی ضمیر کی تخلیق میں مصروف کار نظر آتا ہے۔ دراصل وہ ہمیشہ اس امر کے شدت سے متمنی رہے ہیں کہ معاشرے کو ہر دم تازہ افکار وخیالات سے زندہ رکھا جائے۔

اقبال نے جہاں مغرب کی سب سے زیادہ تنقید کی ہے وہاں انھوں نے کہیں کہیں پر استفادہ بھی کیا ہے۔ ان کی نثری تحریروں میں جہاں فلسفیانہ اور منطقی تجزیوں کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے وہاں انھوں نے مغربی علوم وآداب کے مثبت قدروں اور استفادے کا بھی بھرپور اعتراف کیا ہے اور وہ ہمیں اس حقیقت کی تلقین کرتے ہیں کہ مغرب کی تقلید ہم صرف اُن کے سائنسی کارناموں اور تکنیکی ترقیات ہی میں کریں کیونکہ یہ چیزیں دراصل ایک زمانے میں انہوں نے مشرق سے ہی لئے ہیں اُن کی نظر میں یہ ہمارے ہاتھوں سے گرا ہوا گہر ہے۔ اب چونکہ مشرق یعنی مسلمانوں پر جمود طاری ہوگیا اور مغرب علوم وافکارِ تازہ کا مرکز بن گیا لہٰذا ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اُن سے یہ علوم حاصل کریں اور مغربی اخلاق سوز تہذیب اور چمک دمک سے ہمیں

قطعاً مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔

اقبال کا اور ایک اصول تھا وہ یہ کہ اگر مسلمان کلمۂ توحید پڑھ کر دل سے مسلمان بن چکا ہے اوراس کی سرشت میں اس کا اثر پختہ ہو چکا ہے تو پھر اہل مغرب کی تعلیم حاصل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ ایمان جواس کی اصلیت میں ہوگا وہ اسے کھرے اور کھوٹے کی شناخت کر دے گا اور فرنگی تعلیم سے وہی چیز حاصل کرے گا جو بحیثیت مسلمان اس کے فائدے کی ہوگی اور باقی سب کچھ رد کر دے گا۔

چونکہ مغربی تہذیب نے روحانیت کے بجائے مادیت ،خدا کے بجائے کائنات اورآخرت کے بجائے دنیا کوترجیح دی۔اس لئے یہ تہذیب دنیا کوخوب سے خوب تر سنوار سکتی ہے لیکن آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کی تدبیر نہیں بتا سکتی۔

اسی لئے اقبال نے ہمیشہ یورپ کواس مرض مہلک سے آگاہ کیا ہے اور مشرق کواس تہذیب سے بچنے کی بار بار تاکید کی ہے۔

اقبال مغربی تہذیب اور غیر اسلامی افکار وخیالات کو رد کر دیتے ہیں ۔ان کے خیال میں یہ تہذیب صرف مادی اصولوں پر قائم ودائم ہے چونکہ اقبال ابتدا سے ہی مختلف افکار ونظریات کے حامل رہے ہیں لیکن آخر کار وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انسانیت کے تمام دکھوں اور زخموں کا مداداور انسانی زندگی کے سفر میں پیش آمد مسائل کا حل صرف اسلامی نظامِ حیات میں پنہاں ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن ہی

انسانیت کے جوہر کو نکھارتا ہے۔

دراصل اقبال ایک بہترین انسانی سماج کی تلاش میں دلچسپی رکھتے تھے اور وہ نظامِ فکر و عمل کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان اپنی تمام تر خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود ایک محدود دائرے میں مقید رہتا ہے۔ وہ ماضی اور حال کا تجزیہ تو کرسکتا ہے مگر مستقبل کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرسکتا۔ تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ انسانوں کے خود ساختہ نظریات سے مسائل اور زیادہ پیچیدہ ہوگئے ہیں اس کی ایک مثال سوشلزم ہے۔ پس لازم ہے کہ ایک ایسا نظامِ فکر و عمل دریافت کیا جائے جو دائمی اور حتمی ہو۔ ایسا نظامِ فکر و عمل اسلامی اصولوں اور قوانین پر تشکیل دیا گیا ہے وہ کسی انسان کا دریافت کردہ نہیں بلکہ خالق کائنات خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ خدا تعالیٰ ہی انسان کے مسائل کے لئے بہترین حل مہیا کرسکتا ہے۔ کیونکہ انسان خدا کی تخلیق ہے اور جو جس چیز کا خالق ہو وہی اس چیز کی ترقی اور نشو نما کے لئے بہترین راہیں متعین کرسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

کتابیات

نمبر شمار	مصنف و مرتب	نام تصنیف	ناشر	اشاعت
۱۔	آزاد، جگن ناتھ	اقبال اور مغربی مفکرین	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی	۱۹۷۵ء
۲۔	آزاد، ابوالکلام (مولانا)	اُمّ الکتاب یعنی سورہ الفاتحہ	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۸۷ء
۳۔	اصلاحی، ابوسفیان (ڈاکٹر)	عصری اور اسلامی تصور امن	قرآن وسنّت اکیڈمی نئی دہلی	۲۰۰۲ء
۴۔	اعوان، ارشاد شاکر (ڈاکٹر)	بیانِ اقبال۔ نیا تناظر	اقبال اکیڈیمی پاکستان	۲۰۰۸ء
۵۔	اکرام اللہ	مغربی تہذیب انحطاط کی شاہراہ پر	فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنو	۲۰۰۲ء
۶۔	الطاف حسین	اقبال اور اسلامی معاشرہ	گلشن پبلشرز مدینہ چوک گاوکدل سرینگر	سن ندارد
۷۔	امینی، محمد تقی (مولانا)	تہذیب کی جدید تشکیل	ندوۃ المصنفین اُردو بازار	۱۹۴۷ء
۸۔	انصاری، اسلوب احمد	اقبال کی تیرہ نظمیں	غالب اکاڈمی دہلی	۱۹۷۷ء
۹۔	انوررومان (پروفیسر)	اقبال اور مغربی استعمار	بزمِ اقبال لاہور	۱۹۹۶ء
۱۰۔	بخاری، سہیل احمد	اقبال مجدّد عصر	اقبال اکاڈمی لاہور	۱۹۸۵ء

۱۱۔	بقا،محمد شریف	خطباتِ اقبال۔ایک جائزہ	نیوالائیڈ پرنٹرس دہلی	۱۹۹۶ء
۱۲۔	بہارالہ آبادی	اوصافِ اقبال	چمن بُک ڈیپو دہلی	۱۹۸۱ء
۱۳۔	بہارالہ آبادی	تفسیر اقبال	گلشن پبلشرز سرینگر	۱۹۸۲ء
۱۴۔	پرواز رحمانی	مغربی تہذیب کا چلیج اوراسلام	منشورات ملتان روڑ لاہور	۲۰۰۷ء
۱۵۔	تسکینہ فاضل (ڈاکٹر)	اقبال نقش ہائے رنگ رنگ	فاضل پبلکیشنز سرینگر	۲۰۰۴ء
۱۶۔	تسکینہ فاضل (ڈاکٹر)	اقبال اور مطالعاتِ اقبال	فاضل پبلکیشنز سرینگر	۲۰۰۷ء
۱۷۔	تسکینہ فاضل (ڈاکٹر)	اقبال اور عظمت آدم	اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۲۰۱۳ء
۱۸۔	تھانوی، اشرف علی	ترجمہ وتفسیر القرآن	تاج کمپنی لاہور پاکستان	سنہ ندارد
۱۹۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح بانگِ درا	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۱ء
۲۰۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح بالِ جبریل	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۷ء
۲۱۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح ضربِ کلیم	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۸ء
۲۲۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح ارمغانِ حجاز	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۲۰۰۹ء
۲۳۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح اسرارِ خودی	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۸ء
۲۴۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح رموزِ بے خودی	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۷ء
۲۵۔	چشتی؛ یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح پیامِ مشرق	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۳ء

۲۶۔	چشتی، یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح زبورِ عجم	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۲۰۰۴ء
۲۷۔	چشتی، یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح جاوید نامہ	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۹۳ء
۲۸۔	چشتی، یوسف سلیم (پروفیسر)	شرح مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۲۰۰۴ء
۲۹۔	حامدی، کشمیری (ڈاکٹر)	حرفِ راز۔ اقبال کا مطالعہ	موڈرن پبلشنگ ہاس نئی دہلی	۱۹۸۳ء
۳۰۔	حسن، محمد نفیس (ڈاکٹر)	فکرِ اقبال کے مشرقی مصادر	محمد نسیم حسن دریا گنج دہلی	۲۰۰۰ء
۳۱۔	حسین، سلطان محمد (سید)	اقبال کی ابتدائی زندگی	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۱۹۸۳ء
۳۲۔	خان، ممنون حسن	بیایہ مجلسِ اقبال	ادبی مرکز مدھیہ پردیس بھوپال	۱۹۹۰ء
۳۳۔	خان، شمس تبریز (مولوی)	اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	مجلسِ تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو	سنہ ندارد
۳۴۔	خان، محمد یوسف	تقابلِ ادیان	اریب پبلشرز نئی دہلی	سنہ ندارد
۳۵۔	خان، وحید الدین (مولانا)	فکرِ اسلامی	مکتبہ رسالہ نئی دہلی	۲۰۰۰ء
۳۶۔	دسنوی، عبدالقوی	اقبالیات کی تلاش	دسنوی مکتبہ جامعہ نئی دہلی	۱۹۸۴ء
۳۷۔	دسنوی، عبدالقوی	بچوں کا اقبال	دسنوی بک ڈیپو لکھنو	۱۹۷۸ء
۳۸۔	ڈار، بشیر احمد	انوارِ اقبال	اقبال اکاڈمی لاہور	۱۹۶۷ء

۳۹۔	ریوانی، مشتاق علی (سید)	قرآن اور ماضی حال و مستقبل	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی	۱۹۸۴ء
۴۰۔	رشید آفاق	کلچر کیا گو؟	جیلانی کامران محلّہ بابا یوسف سرینگر	۲۰۱۱ء
۴۱۔	ذاکر نایک (ڈاکٹر)	مذاہب عالم میں تصوّرِ خدا	قاری پبلکیشنز دہلی	۲۰۰۷ء
۴۲۔	سبطِ حسن	ماضی کے مزار	سہمت صفدر علی میموریل ٹرسٹ نئی دہلی	۲۰۱۰ء
۴۳۔	سبطِ حسن	پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء	مکتبہ دانیال وکٹوریہ چیمبر کراچی	سنہ ندارد
۴۴۔	سالک، عبدالمجید	ذکرِ اقبال	چمن بُک ڈپو اُردو بازار دہلی	سنہ ندارد
۴۵۔	سجاد میر (ڈاکٹر)	اقوالِ رسول ﷺ	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنو	۱۹۶۴ء
۴۶۔	سرور، آل احمد (پروفیسر)	اقبال اور مغرب	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۱۹۹۷ء
۴۷۔	سرور، آل احمد (پروفیسر)	دانشورِ اقبال	ایجوکیشنل بُک ہاوس علی گڈھ	۲۰۰۲ء
۴۸۔	سرور، آل احمد (پروفیسر)	اقبال کے مطالعے کے تناظرات	ادارہ اقبالیات کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۱۹۷۸ء
۴۹۔	سلیم احمد	اقبال اور ہنداسلامی تہذیب	سٹی بُک سینٹر سرینگر	سنہ ندارد
۵۰۔	سیدوحیدالدین (پروفیسر)	حکمت گوئٹے اور فکرِ اقبال	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۱۹۸۴ء
۵۱۔	سیدوحیدالدین (پروفیسر)	اقبال اور مغربی فکر	موڈرن پبلشنگ ہاوس نئی دہلی	سنہ ندارد
۵۲۔	سیدسراج الدین (پروفیسر)	مطالعات اقبال چند نئے زاویے	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۲۰۰۲ء
۵۳۔	سیدوقار عظیم (ڈاکٹر)	اقبال معاصرین کی نظر میں	ایجوکیشنل بُک ہاوس علی گڈھ	۱۹۸۲ء

۵۴۔	شائستہ خان	اسرارِ خودی کا فراموش شدہ ایڈیشن	مکتبہ جامعہ دہلی	۱۹۹۳ء
۵۵۔	شریعتی، محمد شفیع خان (ڈاکٹر)	تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو	ملت پبلکیشنز حیدر پورہ سرینگر	۲۰۱۳ء
۵۶۔	صدیقی، افتخار احمد	شذراتِ فکرِ اقبال	مجلسِ ترقی کلب روڈ لاہور	۱۹۷۳ء
۵۷۔	صولت ثروت	ملتِ اسلامیہ مختصر تاریخ	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی	۱۹۸۴ء
۵۸۔	عبادت بریلوی	اقبال کی اُردو نثر	مکتبہ الفاظ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ	۱۹۸۳ء
۵۹۔	عبادت بریلوی (ڈاکٹر)	اقبال۔ احوال وافکار	مکتبہ نعیمیہ ٹیا محل دہلی	۱۹۸۱ء
۶۰۔	عبدالرشید (سید)	اقبال اور عشق رسول	اعتقاد پبلشنگ ہاوس سوئیوالان	۱۹۷۷ء
۶۱۔	عبدالحق (پروفیسر)	اقبال کے ابتدائی افکار	مسعود احمد پہاڑ پور مچھلی شہر	۱۹۶۹ء
۶۲۔	عبدالحق (پروفیسر)	بکھرے خیالات	بزمِ احباب دہلی	۱۹۷۵ء
۶۳۔	عبدالحق (پروفیسر)	اقبال کے شعری اسالیب	مسعود احمد پہاڑ پور مچھلی شہر	۱۹۷۷ء
۶۴۔	عبدالحق (پروفیسر)	اقبال کی شعری وفکری جہات	شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی	۱۹۹۸ء
۶۵۔	عبدالحق (پروفیسر)	عصری لُغت	ترقی اُردو بیرو نئی دہلی	سنہ ندارد
۶۶۔	عبدالحکیم (خلیفہ)	فکرِ اقبال	ایجوکیشنل بُک ہاوس علی گڈھ	۲۰۰۲ء
۶۷۔	عبدالمجید (ڈاکٹر)	اقبال بحثیت مفکر پاکستان	اقبال اکیڈمی پاکستان	۱۹۷۷ء
۶۸۔	عبدالمغنی (پروفیسر)	اقبال اور عالمی ادب	اقبال اکیڈمی پاکستان	۱۹۸۲ء

٦٩۔	عبدالمغنی (پروفیسر)	اقبال کا نظامِ فن	اُردو بک فاونڈیشن نئی دہلی	۱۹۸۵ء
۷۰۔	عبدالمغنی (پروفیسر)	اقبال کا نظریۂ خودی	مکتبہ جامعہ دہلی	۱۹۹۰ء
۷۱۔	عبدالمغنی (پروفیسر)	اقبال کا ذہنی وفنی ارتقاء	انجمن ترقی اُردو ہند نئی دہلی	۱۹۹۱ء
۷۲۔	عبیداللہ الاسعدی	اسلام مکمل دین مستقل تہذیب	اسلامک بُک فاونڈیشن نئی دہلی	۲۰۰٦ء
۷۳۔	علی، اسلم بابر	دین اسلام اور قدیم ہند	مقدس اکیڈیمی جامعہ نگر دہلی	سنہ ندارد
۷۴۔	علوی، تنویر احمد (ڈاکٹر)	جنوب مغربی ایشا میں ہمارا تہذیبی ورثہ	شاہد پبلی کیشنز دریا گنج نئی دہلی	۲۰۰۰ء
۷۵۔	عمری، جلال الدین (سید)	اسلام انسانی حقوق کا پاسبان	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی	۲۰۰۸ء
۷٦۔	غوری، عمر حیات (خان)	معرکۂ وطنیت	مکتبہ نشانِ راہ دہلی	۱۹۸٦ء
۷۷۔	فرمان فتحپوری	اقبال سب کے لئے	ایجوکیشنل بُک ہاوس علی گڑھ	۲۰۰۰ء
۷۸۔	فاروقی، عمادالحسن	اسلامی تہذیب وتمدن	ترقی اُردو بیورو نئی دہلی	۲۰۰۰ء
۷۹۔	فاروقی، محمد طاہر (ڈاکٹر)	اقبال اور محبتِ رسول	اقبال اکیڈمی پاکستان	۱۹۷۹ء
۸۰۔	قادری، سید احمد	عہد حاضر میں دین کی تشریح وتفہیم پر ایک نظر	مرکزی مکتبہ اسلامی	۱۹۷۹ء
۸۱۔	قاسم محمود (سید)	پیامِ اقبال بنامِ نوجوانانِ ملت	اقبال اکیڈمی پاکستان	۲۰۰۴ء
۸۲۔	قاضی جاوید	ہند مسلم تہذیب	تخلیقات لاہور	۱۹۹۵ء

۸۳۔	قدوسی، اعجاز الحق	اقبال اور علمائے پاک و ہند	اقبال اکیڈمی لاہور	۱۹۷۷ء
۸۴۔	قمر رئیس (ڈاکٹر)	اقبال کا شعور فن	شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی	۱۹۷۹ء
۸۵۔	کیخسرو اسفندیار	دبستانِ مذاہب	ادارۂ ثقافت اسلامیہ	۲۰۰۲ء
۸۶۔	گنائی، مشتاق احمد (ڈاکٹر)	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے مسلم اعلام	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۲۰۰۰ء
۸۷۔	گنائی، مشتاق احمد (ڈاکٹر)	نظریہ اجتہاد اور اقبال	ذِکریٰ انٹرنیشنل پبلشرز دہلی	۲۰۱۳ء
۸۸۔	محمد ارشد (ڈاکٹر)	مغرب اور اسلام بنیاد پرستی	البلاغ پبلی کیشنز نئی دہلی	۲۰۰۳ء
۸۹۔	محمد اقبال	کلیاتِ اقبال (اُردو)	ناز پبلشنگ ہاوس	۲۰۰۳ء
۹۰۔	محمد اقبال	کلیاتِ اقبال (اُردو)	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۸۱ء
۹۱۔	محمد اقبال	کلیاتِ اقبال (فارسی)	اعتقاد پبلشنگ ہاوس دہلی	۱۹۸۹ء
۹۲۔	محمد الغزالی	اسلام ایک نظریہ	اسلامک بک فاونڈیشن نئی دہلی	۱۹۹۸ء
۹۳۔	محمد بدیع الزّمان	اقبال کے کلام میں قرانی تلمیحات اور قرآنی آیات کے منظوم ترجمے	دانش بک ڈپو فیض آباد یو پی	۱۹۹۷ء
۹۴۔	محمد حامد	افکارِ اقبال	شاہین بک سٹال اینڈ پبلشرز سرینگر	۱۹۸۸ء
۹۵۔	محمد معزّ الدین (ڈاکٹر)	علامہ اقبال ممتاز حسن کی نظر میں	اقبال اکیڈمی پاکستان	۱۹۸۱ء

۹۶۔	معین الرحمٰن (سید)	اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ	اقبال اکیڈمی لاہور	۱۹۷۷ء
۹۷۔	ملک، غلام رسول (پروفیسر)	سرودِ سحر آفرین	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۱۹۹۴ء
۹۸۔	ملک، غلام رسول (پروفیسر)	چشمۂ آفتاب	اقبال اکیڈمی سرینگر	۱۹۹۴ء
۹۹۔	ملک، نعیم اللہ	محمد اقبال حیات اور کارنامے	اوکسفوڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۰۳ء
۱۰۰۔	مودودی، سید ابوالاعلیٰ (مولانا)	خطباتِ یورپ	اختر حجازی مکتب الحسنات دہلی	۱۹۸۳ء
۱۰۱۔	مودودی، سید ابوالاعلیٰ (مولانا)	اسلام عصر حاضر میں	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی	۱۹۹۰ء
۱۰۲۔	مودودی، سید ابوالاعلیٰ (مولانا)	اسلام کا نظامِ حیات	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی	۱۹۹۷ء
۱۰۳۔	مودودی، سید ابوالاعلیٰ (مولانا)	اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی	مرکزی اسلامی پبلشرز نئی دہلی	۱۹۸۲ء
۱۰۴۔	مودودی، سید ابوالاعلیٰ (مولانا)	اسلامی عبادت پر ایک تحقیقی نظر	مرکزی اسلامی پبلشرز نئی دہلی	۲۰۰۷ء
۱۰۵۔	مودودی، سید ابوالاعلیٰ (مولانا)	پردہ	مرکزی اسلامی پبلشرز نئی دہلی	۲۰۱۱ء
۱۰۶۔	نجیب آبادی، اکبر شاہ (مولانا)	تاریخ اسلام جلد اول	اعتقاد پبلشنگ ہاوس پرائیوٹ لمیٹیڈ	۲۰۰۷ء
۱۰۷۔	نحوی، بشیر احمد (ڈاکٹر)	حکیمِ مشرق	اقبال اکیڈمی سرینگر	۱۹۸۹ء
۱۰۸۔	نحوی، بشیر احمد (ڈاکٹر)	وحدت الوجود اور اقبال	جے کے آفسٹ دہلی	۱۹۹۲ء

۱۰۹۔	نحوی، بشیر احمد (ڈاکٹر)	اقبال عرفان کی آواز	ادارۂ ترقی علم وادب نحوی منزل بجبہاڑہ کشمیر	۲۰۰۲ء
۱۱۰۔	نحوی، بشیر احمد (ڈاکٹر)	اقبالیات گذشتہ دس سال	اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سرینگر	۲۰۰۴ء
۱۱۱۔	ندوی، سید ابوالحسن علی (مولانا)	نقوشِ اقبال	مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو	۱۹۸۵ء
۱۱۲۔	ندوی، سید ابوالحسن علی (مولانا)	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش	عفاف پبلشرز دہلی	۲۰۰۷ء
۱۱۳۔	ندوی، عبد السّلام	اقبال کامل	دار المصنّفین اعظم گڈھ	۱۹۴۹ء
۱۱۴۔	نزیر نیازی (سید)	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	اسلامک بک سینٹر نئی دہلی	۱۹۸۶ء
۱۱۵۔	نزیر نیازی (سید)	دانائے راز	اقبال اکیڈمی لاہور	۱۹۷۹ء
۱۱۶۔	نقشبندی، پیر فقیر ذو الفقار احمد (حضرت مولانا)	سکون کی تلاش	مکتبہ ملت دیوبند یوپی	۲۰۰۹ء
۱۱۷۔	نقوی، نور الحسن	اقبال فن اور فلسفہ	ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ	۱۹۷۸ء
۱۱۸۔	نقوی، نور الحسن	اقبال شاعر اور مفکر	ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڈھ	۲۰۰۰ء
۱۱۹۔	نیر، معراج الدین (سید)	اقبال (ایک تجزیاتی مطالعہ)	اقبال صدی پبلکیشنز نئی دہلی	۱۹۷۷ء

۱۲۰۔	ہاشمی، رفیع الدین	اقبالیات تفہیم و تجزیہ	اقبال اکیڈیمی پاکستان	۱۹۹۸ء
۱۲۱۔	ہاشمی، رفیع الدین	اقبال شناسی اور محور	بزمِ اقبال لاہور	۱۹۹۱ء
۱۲۲۔	ہاشمی، رفیع الدین (ڈاکٹر)	اقبالیاتی جائزے	گلوب، پبلشرز اُردو بازار لاہور	۱۹۹۰ء
۱۲۳۔	ہاشمی، شفیق الرحمٰن	اقبال کا تصوّر دین	اسلامک بُک فاونڈیشن نئی دہلی	۱۹۹۰ء
۱۲۴۔	یاسر جواد	اسلامی تہذیب کی داستان	دارالاشاعت مستفٰی لال کنواں دہلی	۱۹۸۰ء
۱۲۵۔	یزدانی، خواجہ حمید (ڈاکٹر)	شرح پیامِ مشرق	سنگ پبلی کیشنز لاہو	۲۰۰۴ء
۱۲۶۔	یوسف القرضاوی (علامہ)	اسلام مسلمان اور غیر مسلم	اسلامک بُک فاونڈیشن نئی دہلی	۱۹۹۸ء

☆☆☆☆

رسائل و جرائد

۱۔ اقبالیات، اقبال انسٹی ٹیوٹ آف کلچر اینڈ فلاسفی سرینگر کے سالنامے، شمارہ نمبر ۱، ۳، ۶، ۷، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۲

۲۔ اقبال مجلّہ لاہور، اکتوبر ۱۹۵۳ء

۳۔ اقبال ریویو، کراچی، جنوری ۱۹۷۴ء

۴۔ الحیات، مئی ۲۰۰۹ء

۵۔ المعارف، لاہور جنوری، جون ۲۰۰۰ء

۶۔ شاعر، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء

۷۔ شیرازہ، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء

۸۔ صحیفہ اقبال نمبر ۱۹۷۷ء

۹۔ فروغِ اُردو، لکھنو، جولائی، اگست ۱۹۷۲ء

۱۰۔ مطالعات، جلد ششم انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹیڈیز نئی دہلی ۲۰۱۱ء

۱۱۔ نیرنگ خیال، لاہور، اقبال نمبر ۱۹۳۲ء

English Books

S.No	W/T/E	N.Book	Published	Date
1.	Abdul Mughni (DR.)	Iqbal The Poet	Bazme Iqbal Lahore	1992
2.	Annemarie Shemmel	Gabriels Wing	Iqbal Academy Pakistan	1963
3.	Bhat,Abdur Rashid	Iqbal's Approach to Islam	Islamic book Foundation	1997
4.	Dar, Bashir Ahmad	Articles on Iqbal	Iqbal Academy Pakistan	1997
5.	Husaini,Hayat Amir	on Culture Tasawwuf and Iqbal	Zainab Publications Kalusa Bandipora Kashmir	2002
6.	Hafiz Malik	Iqbal Poet ,Philosopher of Pakistan	New York and London Columbia	1991
7.	Javid Iqbal	Stray Reflections	Iqbal Academy Pakistan	1961
8.	Jameela Khatoon(DR.)	The Place of God Man and Universe	Iqbal Academy Pakistan	1963
9.	Khan, Zulfiqar Ali	A Voice from The East (The Poetry of Iqbal)	Iqbal Academy Pakistan Lahore	1922

10.	M.D Taseer(DR.)	Iqbal The Universal Poet	Bazme iqbal Pakistan	1997
11.	M.S.Rashid	Iqbal's Concept of God	Kagan Paul International Landon and Bostan	1981
12.	Malik,G.R	The bloody Horizon a Study of Iqbal's Response to The West	Iqbal Academy Srg.Kashmir	1990
13.	Mohd. Iqbal (DR.)	The Reconstruction of Religious Thought in Islam	Iqbal Academy Pakistan	1961
14.	Mumtaz Hassan Moizuddin (DR.)	Tribute to Iqbal	Iqbal Academy Pakistan Lahore	1982
15.	Mohammad Munawar(Prof.)	Iqbal and Quranic Wisdom	Noor Publishing house Delhi	1987
16.	Mohammad Munawar(Prof.)	Iqbal Poet Philosopher of Islam	Adam Publishers and Distributors	1999
17.	Mohammad Munawar(Prof.)	Iqbal on Human Perfection	Iqbal Academy Pakistan	
18.	Riyaz Hussain	Iqbal an international Missionary of Islam	Iqbal Academy Pakistan Lahore	1983
19.	Shah,Akbar Ali (Syed)	The Rod of Moses	Iqbal Academy Pakistan Lahore	1983